هُوَ المستعان

رسالہ کانفرنس

متعلق

تمدن و معاشرت

جسکو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے

بغرض مسلمانوں کے فائدہ کے

مرتب کیا

اور خاکسار محمد ثناء اللہ منیجر کے اہتمام سے

حمیدیہ سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا

رسالہ کانفرنس

متعلق

تمدن و معاشرت

جسکو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے

بغرض مسلمانوں کے فائدہ کے

مرتب کیا

اور خاکسار محمد ثناء اللہ منیجر کے اہتمام سے

حمیدیہ سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا

فہرست مضامین رسالہ کانفرنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذشتہ تیس۳۰ سال میں مسلمانوں کی مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی اور تعلیمی حالت کی اصلاح کی غرض سے کثرت سے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ جن کا اُردو میں ایک عُمدہ اور مُفید لٹریچر جمع ہو گیا ہے۔ اگر مُسلمان ان مضامین کو پڑہیں اور غور کریں۔ تو اُن کو معلوم ہو کہ اُن کی حالت کس قدر اصلاح طلب ہے۔ اور اُس کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔ انہیں مضامین اور تحریروں کا نتیجہ ہے کہ مُسلمان اب بتدریج سنبھلنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ اور اپنی اصلاح حال کے درپے ہیں۔ در اصل یہ جس قدر مضامین اور تحریریں مُسلمانوں کی حالت کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ اُس سے محض معدودے چند اخبار بین اصحاب کے سوا بہت کم لوگ آگاہ ہیں۔ اس لئے تین چار سال ہوئے سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے عزم کر لیا تھا کہ اس مُفید لٹریچر کے ذخیرہ کے تھوڑے تھوڑے اجزا مختصر رسالوں کی شکل میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے ہاتھوں میں پہونچانے کا انتظام کرے۔ تاکہ بہت سے مُسلمان اس بیش بہا ذخیرہ سے مستفید ہوں۔

چنانچہ اس سے پہلے دو رسالے متعلق مذہب اور ایک رسالہ متعلق اخلاق کانفرنس کی طرف سے پبلک میں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں

کانفرنس کے رسائل کے اس سلسلہ میں یہ چوتھا رسالہ تمدن و معاشرت کے متعلق ابنائے قوم کی نفع رسانی کی غرض سے شائع کیا جاتا ہے۔ سرسید مرحوم۔ اور نواب محسن الملک مرحوم۔ اور نواب وقارالملک اور مولانا حالی اور بعض دیگر اہل قلم کے چیدہ مضامین اس مبحث پر اس رسالہ میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان ان مضامین کو ملاحظہ کر کے غور فرمائیں کہ ہماری حالت میں ابھی تک کس حد تک اصلاح کی گنجائش ہے۔

سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی اُمید کرتی ہے کہ اس رسالہ کی اشاعت مسلمانوں کے حق میں نہایت مُفید ثابت ہوگی۔

آفتاب احمد

آنریری جائنٹ سکریٹری آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لئے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اُسی میں خوش رہتی ہے کیونکہ جن باتوں کی چھٹپن سے عادت اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اِس کے معنی یہ ہو جاویں گے کہ بھلائی اور بُرائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے جس چیز کا رواج ہو گیا عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بُری ہے۔

مگر یہ بات صحیح نہیں بھلائی اور بُرائی فی نفسہ مستقل چیز ہے۔ رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اُس کو کرتے ہیں۔ مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بُری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی پس ہم کو صرف اپنے ملک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہیئے۔ بلکہ نہایت آزادی و نیک دلی سے اُسکی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہم کو اُس کی بدی خیال میں نہ آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے۔

البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر گاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج وعدم رواج پر منحصر ہوگیا ہے۔ تو ہم کس طرح کسی امر کے رسم ورواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکیں گے۔ بلاشبہ یہ بات کسی قدر مشکل ہے۔ مگر جبکہ تسلیم کرلیا جاوے کہ بھلائی یا بُرائی فی نفسہ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی الحقیقت بھلائی یا بُرائی قرار دینے کیلئے کوئی نکوئی طریقہ ہوگا۔ پس ہم کو اُس طریقہ کے تلاش کرنے اور اُسی کے مُطابق اپنی رسوم وعادات کی بھلائی یا بُرائی قرار دینے کی پیروی کرنی چاہیئے۔

سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات سے اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچّی بات کے سُننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی نیکی سے جو خدا تعالےٰ نے انسان کے دل میں رکھی ہے ہر ایک بات کی بھلائی یا بُرائی دریافت کرنے پر متوجہ ہوں۔

یہ بات ہمکو اپنی قوم اور اپنے مُلک اور دوسری قوم اور دوسرے ملک دونوں کے رسم ورواج کے ساتھ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم وعادت ہم میں بھلی ہے اُسپر مُستحکم رہیں۔ اور جو ہم میں بُری ہے اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں۔ اور جو رسم وعادت دوسروں میں اچھی ہے اُسکو بلاتعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بُری ہے اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں۔

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دُنیا کی قوموں میں جو رسم وعادات مروّج ہیں اُنھوں نے کس طرح اُن قوموں میں رواج پایا ہے تو باوجود مختلف ہونے اُن رسومات وعادات کے اُن کا مبدا اور منشا متحد معلوم ہوتا ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں مروّج ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آب وہوا کی خاصیت سے ہوا ہے یا اُن اتفاقیہ امور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً ضرورت

تمدن و معاشرت کے پیش آگئی ہے۔ یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہوگئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اس کو پیدا کردیا ہے۔ پس ظاہر ہی چار سبب ہر ایک ملک میں رسوم و عادات کے مروج ہونے کا مبداء و منشا معلوم ہوتے ہیں ✦

جو رسوم و عادات کہ مقتضائے آب ہوا کسی ملک میں رائج ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرت اور فطرت نے اُن کو سکھلائی ہیں۔ جس کے سچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب باقی رہتا ہے ✦

مثلاً ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب انسان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہے۔ پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہے۔ مگر اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ آگ کے استعمال کے لئے یہ بات بہتر ہے کہ مکانات میں ہندسی قواعد سے آتشخانہ بنا کر آگ کی گرمی سے فائدہ اُٹھاویں یا مٹی کی کانگڑیوں میں آگ جلا کر گردن میں لٹکائے پھریں جس سے گورا گورا پیٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے ✦

طریق تمدن اور معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ ہماری رسمیں و عادتیں جو بضرورت تمدن و معاشرت مروج ہوئی تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھ ترقی نہ کریں تو بلاشبہ بمقابل اُن قوموں کے جنہوں نے ترقی کی ہے ہم ذلیل اور خوار ہوں گے اور مثل جانوروں کے خیال کئے جاویں گے۔ پھر خواہ اس نام سے ہم بُرا مانیں یا نہ مانیں انصاف کا مقام ہے کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور ناتربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھی ہم کو اسی طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہمکو کیا مقام شکایت ہے ہاں اگر ہمکو غیرت ہے تو ہمکو

اُس حالت سے نکلنا اور اپنی قوم کو نکالنا چاہیئے ۔

دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پنے سے صرف تقلیداً بغیر سمجھے بوجھے اختیار کیجاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں دوسری قوموں کی رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائی اور ہوشیاری سے کام کریں تو اُس قوم سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمکو اُس رسم سے تو موالست نہیں ہوتی اور اس سبب سے اُسکی حقیقی بھلائی یا بُرائی پر غور کرنے کا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لاویں۔ بہت اچھا موقع ملتا ہے اُس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاری ہے ہمکو بہت عمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربہ کی ملتی ہیں جو اُس رسم کے اچھے یا بُرے ہونے کا قطعی تصفیہ کردیتی ہیں ۔

مگر یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور اُن کی بھلائی اور بُرائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہوگئی ہیں جیسا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال ہے۔ کہ تمام معاملات زندگی بلکہ بعض امورات مذہبی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کرلی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اُس قوم کی رسم کے ایجاد کرلی ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلیٰ درجہ کی تہذیب پر پہنچا دیں تاکہ جو قومیں ہم سے زیادہ مہذب ہیں وہ ہمکو بہ نظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام رسوم و عادات کو بنظر تحقیق دیکھیں اور جو بُری ہوں اُن کو چھوڑ دیں اور جو قابل اصلاح ہوں اُن میں اصلاح کریں ۔

جو رسومات کہ بسبب حالت ترقی یا تنزل کسی قوم کے پیدا ہوتی ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اُس قوم کی ترقی اور تنزل یا عزت اور ذلت کی نشانی ہوتی ہیں ۔

اس مقام پر ہم نے لفظ ترقی یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اور تمام قسم کے حالات ترقی و تنزل مراد لئے ہیں خواہ وہ ترقی و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم و فنون اور طریق معاشرت و تمدن سے اور خواہ ملک و دولت و جاہ و حشمت سے ⁂

بلا شبہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جس کی تمام رسمیں اور عادتیں عیب اور نقصان سے خالی ہوں مگر اتنا فرق بیشک ہے کہ بعضی قوموں میں ایسی رسومات اور عادات جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہوں کم ہیں اور بعضی میں زیادہ اور اسی وجہ سے وہ پہلی قوم پچھلی قوم سے اعلےٰ اور معزز ہے اور بعضی ایسی بھی قومیں ہیں جنہوں نے انسان کی حالتِ ترقی کو نہایت اعلےٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ اور اس حالت انسانی کی ترقی نے اُن کے نقصانوں کو چھپا لیا ہے۔ جیسے ایک نہایت عمدہ نفیس شیریں دریا تھوڑے سے گدلے اور کھاری پانی کو چھپا لیتا ہے۔ یا ایک نہایت لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کی کھٹی دو بوند سے زیادہ تر لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اور یہی قومیں ہیں جو اب دنیا میں سویلائزڈ یعنی مہذب گنی جاتی ہیں اور درحقیقت اس لقب کی مستحق بھی ہیں ⁂

میری دلسوزی اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ اسی وجہ سے ہے کہ میری دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت سی رسمیں جو درحقیقت نفس الامر میں بُری ہیں مروّج ہو گئی ہیں جن میں سے ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھی برخلاف ہیں اور انسانیت کے بھی مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شائستگی کے بھی برعکس ہیں۔ اور اس لئے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ تعصب اور ضد اور نفسانیت کو چھوڑ کر اُن بُری رسموں اور بد عادتوں کے چھوڑنے پر مائل ہوں اور جیسا کہ اُن کا پاک اور روشن ہزاروں حکمتوں سے بھرا ہوا مذہب ہے اُسی طرح اپنی رسومات معاشرت و تمدن کو بھی عمدہ اور پاک و صاف کریں۔ اور جو کچھ نقصانات اُن میں ہیں گو وہ کسی وجہ سے

ہوں اُن کو دور کریں۔

اس تحریر سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے تئیں اُن بدعادتوں سے پاک و مبرا سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں نمونہ عادات حسنہ بنتا ہوں یا خود ان امور میں مقتدا بننا چاہتا ہوں۔ حاشا و کلا۔ بلکہ میں بھی ایک فرد اُنہیں افراد میں سے ہوں جن کی اصلاح دلی مقصود ہے بلکہ میرا مقصد صرف متوجہ کرنا اپنے بھائیوں کا اپنی اصلاح حال پر ہے۔ اور خدا سے اُمید ہے کہ جو لوگ اصلاح حال پر متوجہ ہوں گے سب سے اوّل اُن کا چیلہ اور اُن کی پیروی کرنے والا میں ہوں گا۔ البتہ مثل مجبور کے خراب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بدتر درجہ کو پہونچتا جانا اور نہ اپنی عزت کا اور نہ قومی عزت کا پاس رکھنا اور جھوٹی شیخی اور بیجا غرور میں پڑے رہنا مجھ کو پسند نہیں ہے۔

ہماری قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھی کبھی یہ غلط خیال آتا ہے کہ تہذیب اور حسن معاشرت و تمدن صرف دُنیاوی امور ہیں جو صرف چند روزہ ہیں اگر اُن میں ناقص ہوئے تو کیا اور کامل ہوئے تو کیا۔ اور اُس میں عزت حاصل کی تو کیا اور ذلیل رہے تو کیا۔ مگر اُن کی اس رائے میں قصور ہے اور اُن کی نیک دلی اور سادہ مزاجی اور تقدس نے اُن کو اس عام فریب غلطی میں ڈالا ہے جو اُن کے خیالات ہیں اُن کی صحت اور اصلیت میں کچھ شبہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدن و معاشرت سے کسی طرح علیحدہ نہیں ہو سکتا اور نہ شارع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تھا۔ کیونکہ قواعد قدرت سے یہ امر غیر ممکن ہے پس اگر ہماری حالت تمدن و معاشرت ذلیل اور معیوب حالت پر ہوگی تو اُس سے مسلمانوں کی قوم پر عیب اور ذلت عائد ہوگی اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رہتی بلکہ اُن کے مذہب پر منجر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان یعنی وہ گروہ جو مذہب اسلام کا پیرو ہے۔ نہایت ذلیل و خوار ہے پس اس میں درحقیقت ہمارے افعال و عادات قبیحہ سے اسلام کو اور مسلمانی کو ذلت ہوتی ہے۔ پس ہماری

دانست میں مسلمانوں کی حسن معاشرت اور خوبی تمدن اور تہذیب اخلاق اور تربیت و شائستگی میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو دُنیاوی امور سے جس قدر متعلق ہے اُس سے بہت زیادہ معاد سے علاقہ رکھتا ہے اور جس قدر فائدہ کی اُس سے ہمکو اس دُنیا میں توقع ہے اُس سے بہت بڑھ کر اُس دُنیا میں ہے جس کو کبھی فنا نہیں +

تعصب

اِنسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بھی ایک بدترین خصلت ہے۔ یہ ایسی بد خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے متعصب گو اپنی زبان سے نہ کہے مگر اُس کا طریقہ یہ بات جتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اُس میں نہیں ہے۔ متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اُس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُس کا تعصب اُس کے برخلاف بات کے سُننے اور سمجھنے اور اُسپر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے۔ بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے۔ تو اُس کے فائدے اور اُس کی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیونکہ اُس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں ملتا +

تعصب اِنسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اِنسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مُفید سمجھتا ہے۔ مگر صرف تعصب سے اسکو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ بُرائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے +

مذہبی تعصبات کی نسبت بھی ہم کچھ تھوڑا سا بیان کریں گے۔ مگر اوّل امور تمدن و معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہیں +

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی الطبع پیدا ہوا ہے وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کر سکتا اُس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا۔

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر متعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔

ہُنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ اِن میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلیٰ درجہ تک حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر متعصب اپنی بدخصلت سے ہر ایک ہُنر اور فن اور علم کے اعلےٰ درجہ تک پہونچنے سے محروم رہتا ہے۔

وہ ان تمام دلچسپ اور مُفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم و فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور ناواقف رہتا ہے اُس کی عقل اور اُس کے دماغ کی قوت محض بیکار رہ جاتی ہے۔ اور جو کچھ اُس میں سمائی ہوئی ہے اُس کے سوا اور کسی بات کے سمجھنے کی اُسمیں طاقت اور قوت نہیں رہتی۔ وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اسکو جو کچھ بالطبع آتا ہے اُس کے سوا اور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا۔

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہُنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شائستگی میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلےٰ درجہ سے نہایت پست درجہ ذلت اور خواری کو پہونچ گئی ہیں۔ اور بہت سی قومیں ہیں جنہوں نے اپنی بےتعصبی سے ہر جگہہ اور ہر قوم سے اچھی اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجہ

سے ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئیں۔

مجھ کو اپنے ملک کے بھائیوں پر اس بات کی بدگمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بدخصلت میں گرفتار ہیں اور اس سبب سے ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کر دکھانے سے محروم اور ذلت اور خواری اور بے علمی اور بے ہنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لئے میری خواہش ہے کہ وہ اس بدخصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہنر و کمال کے اعلیٰ درجہ کی عزت تک پہونچیں۔

ہم مسلمانوں میں ایک غلطی یہ پڑی ہے کہ بعضی دفعہ ایک غلط نمائیکی کے جذبہ سے تعصب کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شخص اپنے مذہب میں بڑا متعصب ہو اور تمام شخصوں کو جو اس مذہب کے نہیں ہیں اور تمام اُن علوم اور فنون کو جو اس مذہب کے لوگوں میں نہیں ہیں نہایت حقارت سے دیکھے اور بُرا سمجھے اُس شخص کو نہایت قابل تعریف اور توصیف کے اور بڑا پختہ اور پکا اپنے مذہب میں سمجھتے ہیں۔ مگر ایسا سمجھنا سب سے بڑی غلطی ہے جس نے حقیقت میں مسلمانوں کو برباد کر دیا ہے۔

ہمارا مذہب اور مذہبی علوم اور دنیا اور دنیاوی علوم بالکل علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پس بڑی نادانی ہے جو دنیاوی علوم اور فنون کے سیکھنے میں کسی قسم کے تعصب مذہبی کو کام میں لاویں۔

اگر یہ خیال ہو کہ اُن دُنیاوی علوم کے سیکھنے سے ہمارے عقائد مذہبی میں سستی آتی ہے کیونکہ مذہبی مسائل اُن دُنیاوی علوم کے پڑھنے سے مشتبہ یا غلط معلوم ہوتے ہیں تو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان اپنے ایسے روشن اور مستحکم سچے مذہب کو ایسا ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں کہ دنیاوی علوم کی ترقی سے اُسکی برہمی کا خیال کرتے ہیں نعوذ باللہ منہ

مذہب اسلام ایسا مستحکم اور سچا مذہب ہے کہ جس قدر دینی اور دنیاوی علوم کی ترقی ہوتی جاوے اُسی قدر اُس کی سچائی زیادہ تر ثابت ہوگی؛

اب ہم یہ بات بتاتے ہیں کہ اپنے مذہب میں پختہ ہونا جُدا بات ہے اور یہ ایک نہایت عُمدہ صفت ہے۔ جو کسی اہل مذہب کے لئے ہوسکتی ہے۔ اور تعصب گو کہ وہ مذہبی باتوں میں کیوں نہ ہو نہایت بُرا اور خود مذہب کو نہایت نقصان پہونچانیوالا ہے؛

غیر متعصب مگر اپنے مذہب میں پختہ ہمیشہ سچا دانا دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے اُسکی خوبیوں اور نیکیوں کو پھیلاتا ہے۔ اُس کے اصول کو دلائل و براہین سے ثابت کرتا ہے مخالفوں اور معترضوں اور بُرا کہنے والوں کی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنتا ہے۔ اور خود بھی اُس کے دفعیہ پر مستعد ہوتا ہے اور اَور لوگوں کو بھی اُسکے دفعیہ کا موقع دیتا ہے؛

برخلاف اس کے متعصب نادان دوست اپنے مذہب کا ہوتا ہے وہ سراسر اپنی نادانی سے اپنے مذہب کو نُقصان پہونچاتا ہے۔ پہلی بسم اللہ ایسی بدخصلت اختیار کرنے سے جو ہر عقلمند کے نزدیک نفرت کے قابل ہے اپنے مذہب کے حُسن اخلاق اور اُس کے نیتجوں کی خوبی پر داغ لگاتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں کے پھیلنے اور لوگوں کو اُسکی طرف راغب کرنے کے بدلے اُلٹا اسکا ہارج قوی ہوتا ہے۔ اپنے تعصب کے سبب بداخلاق اور مغرور متقشف سخت دل ہو جاتا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک اس آیت کریمہ لوکنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک سے مخالفت صریح کرتا ہے؛

مذہبی متعصب شخص دوسروں کے اعتراضوں کو جو اس کے مذہب پر ہیں سُننا یا مشہور ہونا پسند نہیں کرتا اور اس سبب سے ضمناً وہ اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ مخالفوں کے اعتراض بلا تحقیقات رہ گئے اور بلا جواب رہتے باقی رہ جاویں وہ اپنی نادانی سے تمام دُنیا

پر گویا یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اُس کے مذہب کو مخالفوں کے اعتراضوں سے نہایت اندیشہ اور اُس کے برہم ہو جانے کا خوف ہے پس یہ تمام باتیں مذہب کی دوستی کی نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی نفسیاتی اور میدان جیت لینے کی ہیں ٭

غرضکہ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں۔ نہایت بُرا اور بہت سی خرابیوں کا پیدا کرنے والا ہے ٭

مغرور و متکبر ہو جانا اور اپنے ہم جنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا متعصب کا خاصہ ہوتا ہے ٭

اُس کے اصول کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزیں ہو۔ مگر ایسا کر نہیں سکتا اور بمجبوری ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپر سے دل سے اُن کا ادب اور اپنی جھوٹی نیازمندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بدخصلت نفاق اور کذب اور دغابازی اور فریب و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے ٭

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اُٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بدنصیب رہتا ہے ٭

علم میں اُس کو ترقی نہیں ہوتی۔ ہنر و فن میں اُس کو دستگاہ نہیں ہوتی۔ دنیا کے حالات سے ناواقف رہتا ہے۔ عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم ہوتا ہے حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تموّل مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہے ٭

اُس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا

کہ اُس کے اور ہمجنس کیا کر رہے ہیں بلبل کیا چہچہاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے۔ بیا کیا بن رہا ہے اور مکھی کیا چن رہی ہے۔

وہ بجز کوڑے پر کی گھاس چرنے کے اور کچھ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے۔

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جبتک وہ نہیں جاتا کوئی ہنر و کمال اُسمیں نہیں آتا۔ تربیت و شائستگی۔ تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جبکہ وہ مذہبی غلط نمائیکی کے پردہ میں ظہور کرتا ہے تو اور بھی سم قاتل ہوتا ہے۔ کیونکہ مذہب کو اور تعصب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اِنسان کے خراب و برباد کرنیکے لئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کر کر دکھانا ہے۔

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہے اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہے۔ وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے۔ پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بری خصلت ہے چھوڑنا چاہئیے۔ تمام بنی نوع اِنسان ہمارے بھائی ہیں۔ ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے۔ پس اسی کی ہمکو پیروی چاہئیے۔

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے "ہر کمالے را زوالے" مگر اس کے معنی اور اسکی وجہ بخوبی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان

کیا ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ "ہمکو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہونچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے" اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آجاتا ہے۔

کامل مطلق بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہے پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اُس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی یا کہی ہو کامل نہیں ہے۔ کیونکہ قابل سہو خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی پس اُن تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھ لینا ہماری تصیبت غلطی اور ہمارے تنزل وادبار کی ٹھیک نشانی ہے۔

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے۔

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اُس کو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں۔

ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اُس کے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں۔

لوگوں کے اعتراضوں کے سُننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب سے اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جہل مُرکّب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے اُس کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں

خدا نے جو ہم کو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اُس کو کام میں

لادیں اَوروں پر بھروسہ کر کر اُسکو بیکار کر دیتے ہیں ✦

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نُقصان نہیں کرتے بلکہ آئیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آئیندہ نسلوں کی عقل اور جودتِ طبع اور تیزیٔ ذہن اور طاقت انتقال ذہنی اور قوت ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اَوروں کی ٹھگاری پر ہماری چال رہجاتی ہے۔ اور ہم ٹھیک اس مثل کے مصداق ہوجاتے ہیں "چارپائے بروکتابے چند" ✦

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اِس نقص کو نہایت درجہ پر پہونچادیا ہے اور جو نقصان دینی یا دنیوی اُس سے ہم نے اُٹھائے ہیں اُن کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اس وقت رہنے دو اور صرف اس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دُنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اور قوموں نے اِن باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اُسی طرح کیوں نہ ترقی کریں ✦

ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الٰہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بُوعلی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اُس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اُنہی پر پابند رہنے کے لئے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالیٰ کی عجائبات قدرت کے نمونے میں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُن کو کیوں نہ دیکھیں ✦

جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت دُنیا میں ہمارے سامنے اُس کی مثالیں بھی موجود ہیں ✦

ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہونچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمتے رہے اور اُسکی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتے رہے۔ اب دیکھو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے +

ہندو اور مسلمان وہ قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کامل سمجھ کر اُسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز۔ فرنچ اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم و ہنر و تربیت و شائستگی میں اپنے دور میں اپنی ہمعصر قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں اور شاید مسلمانوں کو یہ بھی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لئے بمنزلہ اُستاد کے گنے جاتے تھے۔ مگر اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اُسی خوبی نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہے ٹھیک ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیا کی قوموں سے علم و ہنر تربیت و شائستگی میں اعلےٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیئے کہ اپنے دماغ کو ان بیہودہ اور لغو خیالات سے جنہوں نے اُن کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے۔ اور اور اُن کی تمام خوبیوں کو خیالات فاسد کے کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ کر دیا ہے خالی کریں اور علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شائستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیسی بدنامی ہے۔ اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالےٰ نے مذہب اسلام کی بدولت اُن کو دئیے تھے بُری طرح سے استعمال میں لانے اور اُن کو بدصورت کر دینے

سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں۔ کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اسپر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں ان کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے۔ اسلام کوئی مٹی کا پتلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے مسلمانوں کی حالت اور ان کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے سو انہوں نے اس کو ایسا بدصورت بنایا ہے کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں پس اب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب و شائستگی کی درستی میں کوشش کرکر اپنے حال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کرکر اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھاویں +

رسم و رواج کی پابندی کے نقصانات

ہم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحریروں سے اخذ کرکر لکھتے ہیں کیا عمدہ قول ایک بڑے دانا کا ہے کہ "انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اس کے تمام قویٰ اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ہوں اور ان میں باہم نامناسبت اور تناقص واقع نہ ہو بلکہ سب کا ملکر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو" مگر جس قوم میں کہ پورانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی ان رسموں پر نہ چلنے والا مطعون اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشاء معلوم ہو جاتا ہے +

ایک اور بڑے دانا شخص کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہانتک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہونچے ہر انسان کی خوشی اور اس کا حق ہے۔ پس جہاں نہیں معاشرت کا قاعدہ جسپر کوئی چلتا ہے خاص اسکی خصلت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اگلی روایتوں پر یا پرانی رسم و رواج پر مبنی ہے۔ تو وہاں انسانوں کی خوشحالی کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ہے

اور جو کہ خوشحالی ہر فرد بشر کی اور نیز کل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُس ملک میں جہاں رسموں کی پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے۔

بکسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اور کچھ مطلق نہ کرنا چاہیئے اور نہ کوئی شخص یہ کہیگا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسری کے طریقے اور اپنی کاروبار کی کاروائی میں اپنی خوشی اور اپنی رائے کے مطابق کوئی بات بھی کرنی نہ چاہیئے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو اُس کی جوانی میں اس طرح سے تعلیم ہونی چاہیئے کہ اور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہو چکے ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُس کی عقل پختگی پر پہونچے تو خود اُن کی بھلائی اور برائی کو جانچے۔

بے سونچے اور بے سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہوں آدمی کی اُن صفتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ نے ہر آدمی کو جدا جدا عنایت کی ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی برائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور برائی تجویز کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورت میں ممکن ہے جبکہ ہمکو ہر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اس صورت میں حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ استعمال میں لائی جاویں اُن قوتوں کو اوروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے لئے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بندر میں ہوتی ہے اور کسی قوت کی حاجت نہیں۔

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے۔ زمانۂ حال پر نظر کرنے کے لئے اُسکو قوت تحقیق درکار ہوتی ہے۔ اور انجام کار پر غور کرنے کے لئے قوت تجویز اور اسکا تصفیہ کرنے کی قوت استقرا، اور بھلا بُرا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تصفیہ کے بعد اُسپر قائم رہنے کے لئے قوت استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرر کردیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور جن کے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چہار طرف پھیلے اور بڑھے پھولے اور پھلے۔

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی فہم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم و رواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں یعنی جو عمدہ اور مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُنکی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ اندھوں کیطرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے پلٹے رہیں۔

یہ بات خیال کیجاتی ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو شگفتہ اور شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پژمردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی

جوہر انسان کے دل میں ہے پژمردہ نہ ہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا
ارتکاب نہ ہو ۔

ہمارے زمانہ میں ہر شخص اعلےٰ سے لیکر ادنےٰ تک رسم و رواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی
شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے
دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند اور ہماری
پسند کے لائق کیا بات ہے یا جو عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں اُن کا ظہور نہایت عمدگی سے کس طرح
پر ممکن ہے اور کون سی بات اُن کی ترقی اور شگفتگی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے
ہیں کہ میری حالت اور رتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے ۔ میرے رتبہ اور مقدور کے آدمی کس
رسم و رواج کے مطابق کام کرتے ہیں ۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہوا تو وہ اپنے
دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے برتر ہیں
اور رتبہ و مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجا لاتے ہیں تاکہ یہ شخص بھی ویسا ہی کر کے انہی
کی شان میں شامل ہو ۔

اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجا لاتے ہیں وہ اپنی
خواہش اور مرضی سے اُن رسومات کو اَور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دیکر پسند کرتے
ہیں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات
کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لئے طبیعت خود متحمل اور مطیع رسموں کی
پابندی کی ہو جاتی ہے یہانتک کہ جو باتیں دل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں اُن میں بھی اَوروں
کے مطابق کام کرنے کا خیال اوّل دلمیں آتا ہے ۔ غرض کہ اُن کی پسند وہی ہوتی ہے جو بہت سے
لوگوں کی ہے ۔ وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں ۔

اور مذاق اور اصلی سلیقہ جو رسم و رواج کے مطابق نہ ہو اُس سے ایسی ہی گریز کیجاتی ہے جیسی کہ جرموں سے۔ یہانتک کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نہ کرتے کرتے اُن میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور اُن کی ذاتی قوتیں بالکل پژمردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکلیہ ضائع ہو جاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً ایسی طبع زاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص اُنکی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں اَب غور کرنا چاہیئے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ✦

رسومات جو مقرر ہوئی ہیں غالباً اُس زمانہ میں جبکہ وہ مقرر ہوئیں مفید تصور کی گئیں ہوں مگر اس بات پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہ ہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق ہو یا اُس تجربہ کا حال صحیح صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور اُس زمانہ میں مُفید ہو آلاحال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ مُضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قایم کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہ ہو غرضکہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہر طرح پر نقصان کا باعث ہے اگر کوئی نقصان نہ ہو تو یہ نقصان تو ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوت ایجاد باطل ہو جاتی ہے ✦

یہ بات بیشک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسومات کی پابندی میں اُس کی بھلائی و بُرائی و مفید و غیر مفید و مناسب حال و مطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے

سمجھے اُس کی پابندی کیجاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور
اِس لئے دوسری حالت میں جو قوتیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم و مفقود نہیں ہوتیں
الّا پہلی حالت میں معدوم و نابود ہو جاتی ہیں +
رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع و مزاحم ہے. چنانچہ وہ پابندی ایسی قوت
طبعی کے جس کے ذریعہ سے بہ نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنیکا قصد کیا جاوے
برابر مخالف رہتی ہے اور انسان کی تنزل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے +
اب اِس رائے کو دُنیا کی موجود قوموں کے حال سے مقابلہ کرو. تمام مشرقی یا ایشیائی
مُلکوں کا حال دیکھو کہ اُن مُلکوں میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم و رواج پر ہے. اُن
مُلکوں میں مذہب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی
ہے پس اب دیکھ لو کہ مشرقی اور ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا ابتر اور
خراب اور ذلیل حال ہے +
اِن مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوت عقل اور جودت طبع اور مادہ ایجاد
ضرور موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب رسمیں ہیں اِس لئے کہ اِن کے
بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور حسن معاشرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے
تھے. بلکہ یہ سب باتیں اُنہوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ایجاد کی تھیں
اور اِنہی وجوہات سے دُنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہو گئے تھے. مگر اب
اِن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسومات کی پابندی سے اُن کا مآل یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی
قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہیں جن کے آباؤ اجداد اُسوقت جنگلوں
میں آوارہ پڑے پھرتے تھے جس وقت اُن قوموں کے آبا و اجداد عالیشان محلوں میں رہتے

تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنوانے بنانے کا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں اُن قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کبھی قدر تھی تو اُس کے ساتھ ہی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا +

تواریخ سے ثابت ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اُس کے بعد ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے یہ اُسی وقت مسدود ہوتی ہے جبکہ اُس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اِس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیونکہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گذر گیا اور تنزل اور ذلت و خواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہونچ گیا ہے +

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یورپ کی قوموں میں بھی جو اِس زمانہ میں ہر قسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہوتی ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور اُن رسموں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں +

یہ اعتراض صحیح ہے اور درحقیقت یورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی جیسی کہ اب تک ہوتی رہی ہے تو اُن کو بھی بدنصیبی کا دن پیش آئے گا۔ مگر یورپ میں اور مشرقی مُلکوں کی پابندی رسومات میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اور نئی بات ہونے کو تو مانع ہے مگر رسومات کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں۔ اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لوگ پسند کریں فی الفور پُرانی رسم چھوڑ دی جاوے گی اور نئی رسم اختیار کر لیجاوے گی اور اِس سبب سے اُن لوگوں کے قوائے عقلی اور حالت تمیز اور قوت ایجاد ضائع نہیں ہوتی +

تم دیکھو کہ یہ پوشاک جو اب انگریزوں کی ہے اُن کے باپ دادا کی نہیں ہے۔ بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے۔ ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اُس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سا مثل اَوروں کے لباس پہنے۔ اس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اُس کے برخلاف مگر اُس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اُسپر اتفاق کریں اُسیوقت تبدیل نہ ہوسکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ اُنکی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تا وقتیکہ اُن کی جگھہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہوجاویں وہ بدستور رہتی ہیں۔ ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور ناواقفیت کا سبب ہے ✦

البتہ یورپ میں اور بالتخصیص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابل تعریف اور لائق خواہش کے ہے اور درحقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہوسکتی وہی بات اُسکی تنزل کا باعث ہوگی بشرطیکہ اُس کی اصلاح نہ ہوتی رہیگی اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو حبّ وطن میں نامی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کُل قوم کے لوگ یکساں ہوجائیں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں مسائل اور قواعد کے تحت حکومت کردیں اور اِن کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اب خاص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جاتے ہیں اور جن کے سبب اُنکی خاص خاص عادتیں قایم ہوئی ہیں وہ اب روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگ اور مختلف ہمسایوں کے لوگ مختلف پیشہ والے گویا جُدی جُدی دُنیا میں رہتے تھے۔ یعنی سب کا طریقہ اور عادت جُدا جُدا

تھی۔ اب وہ سب طریقے اور عادتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہو گئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک
محلّہ کے رہنے والے ہیں۔ انگلستان میں بہ نسبت سابق کے اب بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے
کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سی باتیں سنتے ہیں اور ایک ہی سی
چیزیں دیکھتے ہیں۔ اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے
ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی سب کو حاصل
ہے اور اُن حقوق اور آزادیوں کے قائم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں اور یہ مشابہت اور
مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی مشابہت و مساوات سے اُس کو
اور زیادہ وسعت ہوتی ہے تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے
کے پابند ہوتے جاتے ہیں۔ اور جو عام ذخیرہ حقایق اور مسائل اور رایوں کا موجود ہے اُسپر
سب کو رسائی ہوتی ہے۔ آمد و رفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع
اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت
مذکور ترقی پاتی ہے۔ کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسایش اور آرام کے وسیلے اور فائدے
زیادہ شائع ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کی عالی ہمتی بلکہ بڑی سے بڑی اولو العزمی کے کام ایسی حالت
کو پہونچ گئے ہیں کہ ہر شخص اُن کے کرنے کو موجود و مستعد ہوتا ہے کسی خاص شخص یا گروہ پر منحصر
نہیں رہا ہے بلکہ اولو العزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی
اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگلستان کے تمام لوگوں
کی رائیں اور عادتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت یکساں
ہوتے جاتے ہیں۔ اور بلاشبہ ملک اور قوم کے مہذب ہونیکا اور ترقی پر پہونچنے کا یہی نتیجہ
ہے اور ایسا عمدہ نتیجہ ہے کہ اُس سے عمدہ نہیں ہو سکتا۔

مگر باوصف اس کے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اسکی اصلاح نہ ہوتی رہے باعث تنزل
قرار دیتے ہیں تو ضرور ہمکو کہنا پڑے گا کہ کیوں یہ عمدہ نتیجہ باعث تنزل ہوگا۔ سبب اس کا یہ
ہے کہ جب سب لوگ ایک سی طبیعت اور عادت اور خیال کے ہوجاتے ہیں تو اُن کی
طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جو نئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عمدہ عمدہ خیالات کے پیدا
کرنے اور قواعد حسن معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زائل اور کمزور ہوجاتی ہیں اور ایک زمانہ
ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے۔ اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزل شروع ہوجاتا ہے۔

اس معاملہ میں ہم کو ملک چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے۔ چینی
بہت لئیق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو عقلمند بھی ہیں اور اس کا
سبب یہ ہے کہ اُن کی خوش قسمتی سے ابتدائی ہی میں اُن کی قوم میں بہت اچھی اچھی رسمیں
قائم ہوگئیں اور یہ کام اُن لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے +

چین کے لوگ اس باب میں مشہور و معروف ہیں کہ جو عمدہ سے عمدہ دانش اور عقل
کی باتیں اُن کو حاصل ہیں اُن کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس
بات کے لئیے کہ جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں اُن کو بڑے بڑے عہدے
ملیں نہایت عمدہ طریقے اُن میں رائج ہیں۔ اور وہ طریقے حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں
بیشک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستور قائم رکھا انھوں نے انسان کی ترقی کے اسرار
کو پالیا اور اس لئیے چاہیئے تھا کہ وہ قوم تمام دُنیا میں ہمیشہ افضل رہتی مگر برخلاف اس کے
اُن کی حالت سکون پذیر ہوگئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر اُن کی کبھی
کچھ اور ترقی ہوگی تو بیشک غیر ملکوں کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اس خرابی کا سبب
یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہوگئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت

ایک سے ہوگئے اور سب کے سب یکساں قواعد و مسائل کی پابندی میں پڑگئے اور اس سبب سے وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے اُن میں سے معدوم ہوگئیں۔

پس جبکہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسومات بھی عمدہ اصول اور قواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم اتفاقیہ اور کوئی رسم بلا خیال اور قوموں کے اختلاط سے آگئی ہے جن میں ہزاروں نقص اور برائیاں ہیں اور پھر ہم اُن رسوموں کے پابند ہوں اور نہ اُن کی بھلائی برائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھوندی سے اُنہی کی پیروی کرتے چلے جاویں۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا حال کیا ہوگیا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہوگئی ہے اور اب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کرسکیں اس لئے بجز اس کے کہ دوسری قوم ہماری ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اس کے کہ ہمارے قوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو تب ہم پھر اس قابل ہونگے کہ خود اپنی ترقی کے لئے کچھ کرسکیں۔

مگر جب ہم دوسری قوموں سے ازراہ تعصب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا گو وہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے تعصب یا رسم و رواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو پھر ہمکو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے۔

مگر جوکہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اس لئے ہم کو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی بسر کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اُس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات

شرعیہ میں سے ہے یا محرمات شرعیہ میں سے۔ درصورت ثانی بلا شبہ ہم کو احتراز کرنا چاہیئے اور درصورت اوّل بلا لحاظ پابندی رسوم کے اور بلا لحاظ اس بات کے کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں یا بھلا اُس کو اختیار کرنا ضرور بلکہ واسطے ترقی قومی کے فرض ہے ٭

خدا ہمہ مسلمانان را بریں کار توفیق دہد ٭ آمین۔

طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت اُن کی رسم و رواج اور اُن کے طریقہ زندگی اور کبھی کبھی اُن کے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہے۔ تمام قوموں میں بہت سی رسمیں وحشیانہ اور ناتربیت یافتہ زمانہ کی اب تک چلی آتی ہیں۔ مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خراش کر ایسا کر لیا ہے کہ اُن میں وحشیانہ پن مطلق نہیں رہا۔ بلکہ نہایت فرحت بخش اور دلکش ہوگئی ہیں اور ناتربیت یافتہ قومیں اب تک بدستور وحشیانہ طور سے اُن کو برتتی آتی ہیں اور اسی لئے پہلی قومیں پچھلی کو ذلت اور حقارت سے دیکھتی ہیں ٭

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک مُلک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و حقارت آمیز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلےٰ درجہ کی ترقی اور شائستگی پر پہونچا دیا اور ناتربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پڑی رہیں اور اسی لئے پہلی قوموں کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہیں ٭

یہ امر بھی بہت واقع ہوا ہے کہ بسبب نہ ہونے فن و ہُنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہوگیا ہے چنانچہ جس قدر فن و ہُنر و صنعت کاری نکلتی آئی اُسی قدر تربیت یافتہ قوموں نے سازو سامان سے

اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کرلیا اور جنہوں نے ایسا نہ کیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل نا تربیت یافتہ ہیں ؛

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر ہم چند مثالوں سے اس کو اور زیادہ واضح کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہے اور نہایت میلا بدن اور نجس ہاتھ پاؤں رکھتی ہے اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہے۔ غذا بھی اُن کی نہایت کثیف ہے اور طرز کھانے کا بھی ایسا بُرا ہے جسے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذلیل ہونے کے سبب ہماری آنکھ میں کیسی ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہے ؛

اب اُن قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چمار جن کا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چماروں کی بہ نسبت عام غریب گنواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ اور اچھا ہے وہ ہماری آنکھ میں چنداں ذلیل نہیں۔ ہم کبھی اُن کے گھر بھی جاتے ہیں اُن کے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں۔ اُن کے گھر کی پکی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں۔ اور کچھ نفرت نہیں کرتے ؛

علاوہ ان کے تین قومیں اور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مؤدب و مہذب تربیت یافتہ و شائستہ سمجھتی ہیں ؛

ہندو۔ مسلمان۔ انگریز ان تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اُٹھنے بیٹھنے کی عادت ہے اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلےٰ ہے وہ قوم

باقی دو قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہے جیسے کہ
ہم اپنے سے ادنٰے قوموں کو سمجھتے ہیں +

مسلمان اپنی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و
شوکت کرتے ہیں اور اپنے دسترخوانوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور
خوبصورت خوبصورت سونے اور چاندی اور چینی اور بلورین برتنوں سے آراستہ کرتے
ہیں مگر جو قوم کہ اُن سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی
ہے وہ اُن کو اُسی حقارت اور ذلت سے دیکھتی ہے +

جو لوگ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کانٹے چمچے بدلتے
جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُن کو نہایت
نفرت اور کراہیت آتی ہے +

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل دیا ہے مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا
رکھ کر اور ہاتھ سے کھاتی ہیں تھوڑے دن ہوئے کہ پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت
انگلستان معہ پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے۔
اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی ماں نے پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کی محلسرائے زنانہ میں دعوت کی
اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پرنسس آف ویلز کے ساتھ آنریبل مسس ولیم گری صاحبہ بھی بطور
مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں۔ اُنہوں نے وہاں سے واپس آکر سفر کا حال
لکھا ہے چنانچہ جو کچھ اُنہوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہے اُسکا انتخاب ہم اِس
مقام پر لکھتے ہیں تا کہ یہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہے ہمارے
کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہے +

مسس صاحبہ ممدوحہ اس طرح پر لکھتی ہیں کہ "کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک گول میز بچھی ہوئی تھی۔ فرش سے ایک فٹ اونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتی تھی اُس کے گرد گیہے بچھے ہوئے تھے۔ ہم سب آلتی پالتی مار کر میز کے گرد گیہوں پر ہو بیٹھے۔ خدیو مصر کی ماں کی دائیں طرف پرنسس آف ویلز بیٹھیں۔ اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بیٹھیں ٭

سب سے پہلے ایک قاب میں مُرغ کا شوربا اور چانول یعنی خشکہ آیا اور سیپی کے چمچے ملے مگر نہ چھُری تھی نہ کانٹا تھا۔ اُس کے بعد بڑا مٹن آیا اور دفعہ دفعہ بیس قسم کے کھانے آئے جو ہاتھوں سے اور اُنگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے ٭

جس قدر مجھ کو اس سے نفرت ہوئی اور پھریری آ آ کر تنے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے میں اُنگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھ کر اور انگلیوں سے توڑ کر کھانے سے ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ میں نے ایک آدھ دفعہ تو کھانے سے انکار کر دیا مگر جو بیگم کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنھوں نے جانا کہ میں شرماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھ سے لیکر میری رکابی میں رکھ دیتی تھیں اور ایک دفعہ شوربے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے رکھدی اور میرا جی متلاتا جاتا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی۔ انتہیٰ مخلصاً ٭

مسس گرے صاحبہ کا جو یہ حال ہوا بلاشبہ زیادہ اُس کا سبب یہ تھا کہ اس طرح پر کھانے کی اُن کو عادت نہ تھی مگر انصاف سے ہمکو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ چھُری اور چمچہ سے کھانا اور ہر قسم کے کھانے کے لیئے جُدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ عُمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے ٭

یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہاتھ سے کھانا مسنون ہے اور اُسکو حقیر سمجھنا کُفر تک نوبت

پہونچا دیتا ہے۔ ہم اس رائے کی صحت وسقم کی بحث سے قطع نظر کر کے اُسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہے۔ اگر مسلمان یہ بھی گوارا کریں کہ مرغن کھانے جس سے ہاتھ اور مُنہ بھر جاتا ہے اور یہی امر باعث نفرت اور گھن آنیکا ہوتا ہے چھوڑ دیں اور جَو کے بن چھنے آٹے کی سوکھی روٹی ککڑی یا کھجور سے کھا لیا کریں تو اُن بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُس وقت میں کوئی بھی ہاتھ سے کھانے پر نفرت نہ کرے گا۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کھانے تو ہوویں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی ۔

ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس نے ہم کو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُن کو استعمال کریں اور عملی طور پر اُسکا شکر بجا لاویں اور جبکہ ہم یہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بنظر تکبر و غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور ادائے شکر ولی النعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہے اُس سے نکالتے ہیں جس میں اسلام کی بھی عزت ہے تو اُس وقت تو ہم چمچہ اور چھری کانٹے سے کھانا مندوبات اور مستحبات سے کم نہیں سمجھتے کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انما الاعمال بالنیات ۔

ریا

دُنیا میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ دُنیا دار اور رند مشرب آدمی جس قدر کہ در اصل وہ بد ہیں اُس سے زیادہ اپنے تئیں بد بناتے ہیں۔ دینداری کی بناوٹ کرنے والے جس قدر کہ ہوتے ہیں اُس سے زیادہ نیک اپنے آپ کو جتلاتے ہیں۔ وہ تو دینداری کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی بھاگتے ہیں اور دن رات عشق و تماش بینی

اور پیچ پنے کی باتوں کی جن کو دراصل اُنہوں نے کیا بھی نہیں گپیں اُڑاتے ہیں۔ اور یہ
حضرت بے شمار گناہوں اور بدیوں کو ایک ظاہری دینداری کے پردہ میں چھپاتے
ہیں اور ٹٹی کے اوجھل شکار کھیلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کے آدمی چنداں برے
نہیں ہیں۔ مگر ایک اور تیسرے قسم کے لوگ ہیں جو ان دونوں قسموں سے علیحدہ ہیں اور اُنہیں
کا کچھ ذکر میں اس تحریر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اِن کی بناوٹ ایک اور ہی عجیب قسم کی ہے
وہ اپنی بناوٹ سے دُنیا کے لوگوں ہی کو فریب نہیں دیتے بلکہ اکثر خود آپ بھی دھوکہ
میں پڑتے ہیں وہ بناوٹ خود اُن سے اُنہیں کے دل کے حال کو چھپاتی ہے۔ جس قدر کہ
درحقیقت وہ نیک ہیں اس سے زیادہ اُن کو نیک جتاتی ہے۔ پھر تو وہ لوگ یا اپنی بدیوں پر خیال
ہی نہیں کرتے یا اُن بدیوں کو نیکیاں سمجھتے ہیں۔ مقدس داؤدؑ نے نہایت دلچسپ لفظوں
میں اس بُرائی سے پناہ مانگی ہے اور اس طرح پر خدا کی مناجات کی ہے "کون اپنی غلطیوں
کو سمجھ سکتا ہے تو ہی مجھکو میرے پوشیدہ عیبوں سے پاک کر" جو لوگ علانیہ بدی کرتے
ہیں اگر اُن کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کے لئے نصیحت کی ضرورت ہے۔ تو وہ لوگ
جو درحقیقت موت کی راہ چلتے ہیں اور اپنے تئیں نیکی اور زندگی کے راستہ پر سمجھتے ہیں کس قدر
رحم کے لائق ہیں اور کتنی نصیحت کے محتاج ہیں پس میں چند قاعدے بیان کرنا چاہتا
ہوں جن سے وہ بدیاں جو دل کے کونوں میں چھپی ہوتی ہیں اور جنکے چھپے رہنے سے انسان
خود اپنے دل کا سچا حال آپ نہیں جان سکتا معلوم ہوسکیں ۔

عام قاعدہ تو اسکے لئے یہ ہے کہ ہم خود اپنے آپ کو اُن مذہبی اصولوں سے جو
ہماری ہدایت کے لئے مقدس کتاب اللہ میں لکھے ہیں جانچیں اور اپنی زندگی کو اُس
پاک شخص کی زندگی سے مقابلہ کریں جس نے یہ فرمایا کہ " انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم

الله واحدہٗ اور جو اس درجہ کمال تک پہونچا جہاں تک انسان کا پہونچنا ممکن ہے۔ اور جسکی زندگی ہماری زندگی کے لئے نمونہ ہے اور جو اپنی پیروی کرنے والوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے بڑا ہادی اور بہت بڑا اُستاد ہے۔ ان دونوں قاعدوں کے برتنے میں بڑی بڑی غلطیاں پڑتی ہیں کچھ تو لوگوں کی سمجھ میں غلطیاں ہوتی ہیں اور کچھ آپس میں اختلاف رائے ہوتا ہے جو بن ہوئے رہ نہیں سکتا۔ اور کچھ زمانہ کے گذرنے سے ٹھیک ٹھیک حالت اور کیفیت اُن واقعات کی جو گذرے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اس لئے برخلاف اگلے مسلمان مُصنّفوں کے صرف انہی قاعدوں کے بیان کرنے پر میں اکتفا نہیں کرتا بلکہ اور بھی قاعدے بیان کرتا ہوں جو انسان کو ٹھیک ٹھیک مطلوبہ راہ پر لے آتے ہیں +

اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہمکو کیا کہتے ہیں۔ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب اُن کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ اسکو رنجیدہ نہ کرنے کے خیال سے اُن کو چھپاتے ہیں۔ یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ اُن کو نہایت ہی خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہمکو خوب ٹٹولتا ہے اور کونے کونے سے ڈھونڈھ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے جھوٹی بات کو بہت بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اُسکی کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے +

تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

دوست ہمیشہ اپنے دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو۔ اس لئے ہمکو اپنے دشمن کا زیادہ احسانمند ہونا چاہئیے کہ وہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مُطلع کرتا ہے۔ اگر ہم نے اُس کے طعنوں کے سبب اُن عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہمکو وہی نتیجہ ملا جو ایک

شفیق اُستاد سے ملنا چاہیئے۔

دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے۔ ہمارے فائدے سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا ہے تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں۔ سچ ہے کہ "دشمن از دوست ناصح تر است این جز نکوئی نہ گوید واین جز بدی نجوید"

پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے۔ اُس میں اُس نے یہ بات لکھی ہے کہ "دشمن جو ہمکو بدنام کرتے ہیں اُس سے ہمکو ہماری بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔

علےٰ ہذا القیاس اگر ہم خود اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو ہم کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں اُس میں سے ہم کس قدر کے مستحق ہیں اور پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ جن کاموں کے سبب سے وہ تعریف کرتے ہیں وہ کام ہم عمدہ غرض سے اور نیک نیتی سے دُنیا کو فائدہ پہونچانے کے لئے کرتے ہیں یا نہیں اور پھر ہم کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیکیاں جن کے سبب ہماری تعریف کرنے والے ہماری تعریف کرتے ہیں در اصل ہم میں کہاں تک ہیں۔ ان باتوں پر انسان کو بخوبی غور کرنا نہایت ضرور ہے۔ کیونکہ ہمارا یہ حال ہے کہ کبھی تو ہم لوگوں کی رایوں کو جو ہماری نسبت ہیں پسند کر کے اپنے تئیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی اُن کو ناپسند کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دل کہتا ہے اُس کے مقابلہ میں اُن تمام رایوں کو نہیں مانتے۔

ہم کو ایسی نیکی پر بھی جس کو ہم نے اپنے خیال میں نیک سمجھا ہے مگر درحقیقت اُسکی نیکی

مشتبہ ہے زیادہ اصرار کرنا نہیں چاہئیے بلکہ اُن لوگوں کی رایوں کی بھی نہایت قدر و
منزلت کرنی چاہیئے جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں اور جو عقلمند اور نیک دل ہیں اور جسطرح
ہم نیک دلی سے بات کہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نیک دلی سے ہم سے مخالفت کرتے ہیں
مگر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اُن اختلاف کرنے والوں نے صرف آزادی رائے اور اُس دلی
نیکی سے جس کے سرچشمہ کی سوت قدرت نے ہر ایک انسان کے دل میں کھولی ہے اختلاف
کیا ہے یا کسی بیرونی دباؤ یا پابندی رسم و رواج اور تعصب اور تقلید نے اُن کے دل کو پھیر
ہے کیونکہ اگر یہ پچھلی بات اختلاف رائے کا سبب ہو تو وہ نہایت بیقدر ہو جاتی ہے +

جہاں ہم کو دھوکا کھانے کا احتمال ہے وہاں ہمکو نہایت ہوشیاری اور بہت خبرداری
سے کام کرنا چاہیئے۔ حد سے زیادہ سرگرمی اور تعصب اور کسی خاص فرقہ کو یا کسی خاص رائے
کے لوگوں کو بُرا اور حقیر سمجھنا یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہزاروں آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ فی نفسہ
نہایت ہی بُری ہیں گو کہ وہ ہم سے کمزور دل آدمیوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اسپر بھی خیال
رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی دُنیا میں ہیں جو دینداری اور نیکی کے لئے نہایت مشہور ہیں مگر
نہایت لغو اور نرے شیطانی اصولوں کو نیکی سمجھکر اپنے دلوں میں اُسکی جڑ گاڑدی ہے۔ میں اس
بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے آجتک کوئی ایسا عقلمند اور انصاف پسند شخص نہیں دیکھا
جس میں پوری پوری یہ سب باتیں ہوں اور پھر بھی وہ گناہ سے پاک ہو +

اسی طرح ہم کو اُن کاموں سے بھی ڈرنا چاہیئے جو انسان کے کمزور دل کی قدرتی
بناوٹ سے یا کسی خاص شوق سے یا کسی خاص تعلیم کے اثر سے یا کسی اور سبب سے ہوتی
ہیں جس میں ہمارا دنیوی فائدہ ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی سمجھ نہایت آسانی سے حق بات
کی طرف سے پھر جاتی ہے اور اُس کا دل غلطی کیطرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی باتیں ہیں

جن کے سبب سے تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ برائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اُس میں کوئی نہ کوئی برائی چھپی ہوئی ہو گی ◆

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دِل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذبوں کو ڈھونڈھنا ہمارے لئے اُس سے بڑھکر کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے۔ جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جا پنچے گا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لئے کوئی راہ نہیں۔ ہمارے بانئے اسلام نے جب ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریا کاری کی بڑائی ہم کو بتلادی جس سے انسان دُنیا کو دھوکا دیتا ہے۔ اور خود اپنے آپ کو بھی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤدؑ نے بھی اپنی مناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے۔ جہاں اُس نے کہا ہے کہ اے خدا مجھ کو جانچ۔ میری دل کی تہ کو ڈھونڈھ۔ میرے خیالوں کو دیکھ مجھ کو ٹٹول۔ مجھ کو بخوبی پرکھ کہ مجھ میں کس برائی نے راہ کی ہے اور مجھکو ایسی راہ پر لے چل جو ہمیشہ کو قائم رہے ◆

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچّی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لئے یا کسی گروہ کے لئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت، اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزّت، جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزّت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں، خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں (یہ امر بدیہی اور لازمی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزّت ہوتے جاتے ہیں۔ اے میرے ہموطن بھائیو۔ کیا تمہارا یہی حال نہیں ہے؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزّت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا

جن کے سبب سے تعصب اور ہزاروں غلطیاں اور پوشیدہ بُرائیاں اور لامعلوم عیب انسان کے دل میں گھُس جاتے ہیں۔ جس کام کے کرنے میں عقل کے سوا اور جذبوں کی بھی ترغیب ہو اُس کے کرنے میں عقلمند آدمی کو ہمیشہ ڈرنا اور ہمیشہ اُس پر شبہ کرنا چاہیئے کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی بُرائی چھپی ہوئی ہوگی +

ان اصولوں پر اپنے خیالوں کو جانچنا اور اپنے دل کو ٹٹولنا اور دل کے تاریک جذبوں کو ڈھونڈھنا ہمارے لئے اُس سے بڑھکر کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے دل میں ایسی مضبوط نیکی بٹھانی چاہیں جو قیامت کے دن ہمارے کام آوے۔ جس دن کہ ہمارے بھیدوں کا جاننے والا ہمارے دل کو جانچے گا جس کی عقل اور انصاف کی کچھ انتہا نہیں تو ان اصولوں پر چلنے سے بہتر ہمارے لئے کوئی راہ نہیں۔ ہمارے بانئے اسلام نے جب ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ہمارے دل کے چھپے بھیدوں کو جانتا ہے تو اُس نے کس خوبی اور خوبصورتی سے اُس ریاکاری کی بُرائی ہم کو تبلادی جس سے انسان دُنیا کو دھوکا دیتا ہے۔ اور خود اپنے آپ کو بھی فریب میں ڈالتا ہے۔ داؤدؑ نے بھی اپنی مناجات میں اُس ریاکاری کے خوف کو جس سے انسان خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ نہایت دلچسپ لفظوں میں ادا کیا ہے۔ جہاں اُس نے کہا ہے کہ اے خدا مجھ کو جانچ۔ میری دل کی تہ کو ڈھونڈھ۔ میرے خیالوں کو دیکھ مجھ کو ٹٹول۔ مجھ کو بخوبی پرکھ کہ مجھ میں کس بُرائی نے راہ کی ہے اور مجھکو ایسی راہ پر لے چل جو ہمیشہ کو قایم رہے +

اپنی مدد آپ

خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی آپ مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جبکہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے۔ تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جبکہ کسی شخص کے لئے یا کسی گروہ کے لئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اُس کے دل سے مٹتی جاتی ہے۔ اور اُسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے۔ اور اُسی کے ساتھ عزت۔ جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے۔ از خود جاتی رہتی ہے۔ اور جبکہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو۔ تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں، خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں (یہ امر بدیہی اور لازمی ہے) کہ وہ اُسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔ اے میرے ہموطن بھائیو۔ کیا تمہارا یہی حال نہیں ہے؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں۔ کہ اچھا بادشاہ رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی و خوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ خواہ وہ انتظام باہمی قوم کے رسم و رواج کا ہو۔ یا گورنمنٹ کا۔ اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت بڑا

ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کر۔ اُن کا درجہ سب سے اعلےٰ اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے۔ مگر حقیقت میں یہ سب خیال غلط ہیں۔ ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں آئرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا ممبر ہی کیوں نہ ہو جاوے۔ یا کلکتہ میں وائسرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہی ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔ قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا کر سکتا ہے۔ برس دو برس میں کسی بات پر ووٹ دیدینے سے گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو۔ قوم کی کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اُس کے چال چلن پر۔ اُس کے برتاؤ پر بھی اُس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا کر سکتا ہے۔ ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔ مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ (آدمی آزادی سے) اپنے قوا کی تکمیل اور اپنی شخصی حالت کی ترقی کر سکتا ہے۔

یہ بات روز بروز روشن ہوتی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کا فرض بہ نسبت مثبت اور معمل ہونے کے زیادہ تر منفی اور مانع ہے۔ اور وہ فرض جان اور مال اور آزادی کی حفاظت ہے۔ جبکہ قانون کا عملدرآمد دانشمندی سے ہوتا ہے۔ تو آدمی اپنی جسمی اور ذہنی محنت کے ثمروں کا بے خطرہ خطا اُٹھا سکتا ہے جس قدر گورنمنٹ کی حکومت عمدہ ہوتی ہے۔ اُتنا ہی ذاتی نقصان کم ہوتا ہے۔ مگر کوئی قانون گو وہ کیسا ہی اُبھارنے والا کیوں نہ ہو سست آدمی کو محنتی۔ فضول خرچ کو کفایت شعار۔ شراب خوار کو تائب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ باتیں شخصی محنت۔ کفایت شعاری نفس کُشی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ قومی ترقی۔ قومی عزت۔ قومی اصلاح۔ عمدہ عادتوں عمدہ چال چلن۔ عمدہ برتاؤ کرنے سے ہوتی ہے۔ نہ گورنمنٹ میں بڑے بڑے حقوق اور اعلےٰ اعلےٰ درجہ حاصل کرنے سے۔

پُرانے لوگوں کا مقولہ ہے کہ "النّاس علےٰ دین ملوکھم" اگر اس مقولہ میں "النّاس" سے چند

خاص آدمی مراد لئے جاویں۔ جو بادشاہ کے مقرب ہوتے ہیں۔ تو تو یہ مقولہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ معنی لئے جاویں۔ کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے۔ تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی۔ بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے نہایت ٹھیک بات ہے کہ گورنمنٹ عموماً اُن لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے عکس ہوتی ہے۔ جو رنگ اُن کا ہوتا ہے۔ اُسی کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب و شائستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اُس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے۔ اور جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے کمتر اور تہذیب و شائستگی میں پیچھے ہوتی ہے۔ وہ ترقی کی دوڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھنچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان و انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں اُس زمانہ کی گورنمنٹ سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اُس نے زبردستی سے گورنمنٹ کو اپنے ساتھ آگے کھینچ لیا۔ ہندوستان کی رعایا تہذیب و شائستگی میں موجودہ گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے پڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھنچتی بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھینچ لاتی ہے +

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے۔ کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اُسی کے موافق اُس کے قانون اور اُسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنسال میں آجاتا ہے۔ اُسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔ اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے +

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی مُلک کی خوبی و عُمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن۔ اخلاق و عادت۔ تہذیب و شائستگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک قوم

کی تہذیب درحقیقت اُن مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے جن سے وہ قوم بنی ہے۔

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت۔ شخصی عزت۔ شخصی ایمانداری۔ شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی۔ شخصی بےعزتی۔ شخصی بےایمانی۔ شخصی خودغرضی کا اور شخصی برائیوں کا ناتہذیبی۔ بدچلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان بُرائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں تو یہ بُرائیاں کسی اور نئی صورت میں اُس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیز ہموطنو۔ اگر یہ رائے صحیح ہے۔ تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیرخواہی کرو۔ غور کرو کہ تمہاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو۔ تاکہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا۔ بات چیت کا۔ وضع و لباس کا۔ سیر سپاٹے کا شغل اشغال کا تمہاری اولاد کے لئے ہے اُس سے اُنکی شخصی چال چلن۔ اخلاق و عادات نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلّا۔

جبکہ ہر شخص اور کل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔ تو اس بات کی اُمید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے۔ کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔ وہ شخص درحقیقت غلام نہیں ہے جس کو ایک خداترس نے جو اسکا ظالم آقا کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے۔ یا ایک ظالم اور خودمختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے۔ جو بداخلاقی۔ خودغرضی۔ جہالت اور شرارت کا مطیع۔ اور اپنی خودغرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بےپرواہ ہے۔ وہ قومیں جو

اِس طرح دلمیں غلام ہیں۔ وہ بیرونی زوروں سے یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہوسکتیں۔ جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح اور ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے۔ اُس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کیجاویں۔ وہ تبدیلیاں فانوس خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں •

مستقل اور مضبوط آزادی سچی عزت۔ اصلی ترقی شخصی چال چلن کے عمدہ ہونے پر منحصر ہے اور وہی شخصی چال چلن معاشرت و تمدن کا محافظ۔ اور وہی شخصی چال چلن۔ قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے۔ جان اسٹیورٹ مل جو اسی زمانہ میں ایک بہت بڑا دانا حکیم گذرا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے پیدا نہیں کرسکتی۔ اگر اسکی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود ہے۔ اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے درحقیقت وہی شے اُس کے لئے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے۔ پھر اُس شے کو جس نام سے چاہو پکارو۔ اس مقولہ پر میں اس قدر اور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی مٹ گئی ہے یا دب گئی ہے۔ وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قایم کی جاوے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کرسکتی۔ اور اس اپنے مقولہ کی تصدیق کو ہندوستان کی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اے مسلمان بھائیو۔ کیا تمہاری یہی حالت نہیں ہے؟ تمنے اس عمدہ گورنمنٹ سے جو تمپر حکومت کر رہی ہے کیا فائدہ اُٹھایا ہے؟ تمہاری

آزادی کے محفوظ رکھنے کا تمکو کیا نتیجہ حاصل ہوا ہے؟ سچ سچ اس کا سبب یہی ہے کہ تم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ نہیں ہے ؞

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے۔ گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہر چیز ہمارے لئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی اور رہنما بنایا جاوے تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کر دے اور آدمیوں کو انسان پرست بنا دے حقیقت میں ایسا ہونا قوت کی پرستش ہے اور اُس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کیا لالہ اشرفی مل جو ہر روز لچھمی کی پوجا کرتے ہیں۔ اور بے انتہا دولت رکھتے ہیں۔ انسانوں میں کچھ قدر و منزلت کے لائق گنے جاتے ہیں؟ ؞

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے جس وقت لوگ اُس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاوینگے تو پھر خضر کو ڈہونڈنا بھول جاویں گے۔ اوروں پر بھروسہ۔ اور اپنی مدد آپ۔ یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور پہلا خود انسان کو ؞

قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش۔ یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے سچا اصول وہ ہے جو ولیم ڈرگن نے ڈبلن کی نمایش گاہ دستکاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیر خواہ آئرلینڈ کا تھا ؞

اُس نے کہا کہ "جس وقت میں آزادی کا لفظ سنتا ہوں۔ اُسی وقت مجھ کو میرا ملک

اور بہرے شہر کے باشندہ یاد آتے ہیں۔ہم اپنی آزادی کیلئے بہت سی باتیں سُنتے آئے ہیں مگر میں ہم دلمیں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت ہماری آزادی ہمارے اوپر منحصر ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم محنت کئے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں تو اس سے زیادہ ہمکو کوئی توقع یا آیندہ کی قوی توقع اپنی بہتری کے لئے نہیں ہے استقلال اور محنت کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔اگر ہم دلی ولولہ اور محنت سے کام کئے جائینگے تو مجھے پورا یقین ہے کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام وخوشی وآزادی کی ہوجاوے گی۔

انسان کی اگلی پُشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسان کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنیوالوں۔زمین کے جوتنے والوں۔کانوں کے کھودنے والوں۔نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنیوالوں۔مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں۔آلات جر ثقیل سے کام لینے والوں اور ہر قسم کے پیشہ کرنیوالوں۔ہنرمندوں۔شاعروں۔حکیموں۔فیلسوفوں۔ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہونچانے میں بڑی مدد دی ہے ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے۔اور اُسکو ایک اعلیٰ درجہ تک پہونچایا ہے۔ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب وشایستگی کی عمارت کے معمار ہیں لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم اور ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اُس زرخیز اور بے بہا جائداد کا وارث کیا ہے۔جو ہمارے پرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے جمع ہوئی تھی۔اور وہ جائداد ہمکو اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثل مار گنج

اُسکی حفاظت ہی کیا کریں۔ بلکہ ہمکو اس لیئے دی گئی ہے کہ اُسکو ترقی دیں۔ اور ترقی یافتہ حالت میں۔ آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جاویں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے اُن پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا۔

انگریزوں کو جو دنیا کے اس دور میں اسقدر ترقی ہوئی۔ اُس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ اُن کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رہا ہے اور اُس قوم کی شخصی محنت اُسپر گواہ عادل ہے۔ یہی مسئلہ اپنی مدد آپ کرنے کا انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچا پیمانہ رہا ہے۔

انگریزوں میں اگرچہ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو تمام لوگوں سے اعلےٰ درجہ کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزّت بھی کرتے تھے۔ لیکن کم درجہ کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہ میں سے بھی اُس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ گو کسی لڑائی اور میدان کارزار کی فہرست اور تاریخ میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں لیکن وہ فتوحات اُن کو زیادہ تر اُنہیں محنتی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہے۔ عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنیوالے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے شخص ہیں جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا لیکن تہذیب و شائستگی اور ترقی پر اُن کا بھی ایسا ہی قوی اثر ہوا ہے۔ جیسا کہ اُن خوش نصیب مشہور نامور آدمیوں کا ہوا ہے جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں۔

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی۔ جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔ اُس شخص کا اُسکے زمانہ میں اور آئندہ زمانہ میں اُسکے ملک اُسکی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسکی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم

نہیں ہوتا مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آئندہ کی نسل کے لئے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔

ہر روز کے تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی ہی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرسۃ العلوم کی تعلیم اس عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کے علم کا جس کو انگریزی میں "لیف ایجوکیشن" کہتے ہیں۔ انسان پر قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرسۃ العلوم کا علم طاق میں۔ یا صندوقوں میں۔ یا الماری میں۔ یا کسی بڑے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملتے میں۔ گھر کے رہنے سہنے میں۔ شہر کی گلیوں میں پھرنے میں۔ صرافہ کی دوکان کرنے میں ہل جوتنے میں۔ کپڑا بننے کے کارخانہ میں کلوں سے کام کرنے کے کارخانہ میں ا[illegible] ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کئے۔ لوگوں میں صرف اسکے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے۔

یہ پچھلا علم وہ علم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے۔ عمل چال چلن۔ تعلیم نفسی نفس کشی۔ شخصی خوبی۔ قومی مضبوطی۔ قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے۔ کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے۔ اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے۔ اور اور زندگی کے کاروبار کرنے۔ اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لایق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے کہ "علم سے عمل نہیں آجاتا۔ علم کو

عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے - اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اُسکے علم کو باعمل یعنی اُسکے برتاؤ میں کر دیتا ہے - علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابل ادب بناتا ہے ؛

یہی وجہ ہے جو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے بانیوں نے یہ تجویز کی ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے گھروں سے اور بد صحبتوں سے علیحدہ مدرسۃ العلوم میں عالموں اور اشرافوں اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رکھے جاویں ؟ ؛

مہذب قوموں کی پیروی

چھوٹا بچہ اپنے سے بڑے لڑکے کی باتوں کی پیروی کرتا ہے - اور کم سمجھ والا اُسکی جس کو وہ اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہے اور ناواقف اُس کی جس کو وہ اپنے سے زیادہ واقف کار جانتا ہے - اسی طرح نامہذب قوم کو تہذیب یافتہ قوم کی پیروی کرنی ضرور پڑتی ہے - مگر بعضی دفعہ یہ پیروی ایسی اندھا دھندی سے ہوتی ہے جس سے بجائے اس کے کہ اُس پیروی سے فائدہ اُٹھاویں اُلٹا نقصان حاصل ہوتا ہے اور جس قدر ہم نامہذب ہوتے ہیں اُس سے اور زیادہ ناشایستہ ہو جاتے ہیں ؛

نامہذب آدمی جب تربیت یافتہ قوم کی صحبت میں جاتا ہے تو اُن لوگوں کو بہت عمدہ پاتا ہے اور ہر بات میں اُن کو کامل سمجھتا ہے - ہر جگہ اُن کی تعریف سُنتا ہے - مگر اُن میں جو خراب عادتیں ہیں اُن کو بھی دیکھتا ہے - مثلاً شراب پینا جُوا کھیلنا وغیرہ - پس یہ شخص ان باتوں کو بھی اُن کے کمالوں ہی میں تصور کر لیتا ہے - اُن میں جو خوبیاں اور کمالات درحقیقت ہیں اُن کو تو وہ حاصل نہیں کرتا اور نہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے - مگر جو بُری باتیں اُن

ہیں ہیں اُن کو بہت جلد سیکھ لیتا ہے +

ایسا کرنا درحقیقت اُس آدمی کی غلطی ہے کہ اُس نے اُن کے نقصوں کو اُن کا کمال سمجھا ہے۔ وہ لوگ بسبب کسی دوسرے کمال و لیاقت اور خوبی کے جو اُن میں ہے اور بسبب دوسری عُمدہ خصلتوں کے جو اُنھوں نے حاصل کی ہیں مہذب و شائستہ کہلاتے ہیں نہ بسبب اُن باتوں کے جن کو اُس نے سیکھا ہے۔ بلاشبہ مہذّب آدمیوں کی بُرائیاں اُن کی بہت سی خوبیوں اور کمالوں کے سبب چھپ جاتی ہیں۔ اور لوگ اُن پر بہت کم خیال کرتے ہیں تاہم وہ بُرائیاں کچھ ہنر نہیں ہو جاتیں بلکہ جو بُرائی ہے وہ بُرائی ہی رہتی ہے گو کہ ایک مہذّب قوم ہی میں کیوں نہو +

ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم وہ کیسی عُمدہ اور مہذّب ہو مگر جو بُرائیاں اُس میں ہیں وہ اُس کے وصف نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے کمال کی کمی ہے جس کی پیروی ہم کو کرنی نہیں چاہیئے۔ اگر ایک خوبصورت آدمی کے مُنہ پر ایک مسّہ ہو تو ہم کو خوبصورت بننے کے لئے ویسا ہی مسّہ اپنے مُنہ پر نہ بنانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مسّہ اُس کی خوبصورتی نہیں ہے۔ بلکہ اُسکی خوبصُورتی کا نقصان ہے۔ ایسی حالت میں ہم کو یہ خیال کرنا مناسب ہے کہ اگر یہ مسّہ بھی اُس کے مُنہ پر نہ ہوتا تو کتنا اور خوبصُورت ہو جاتا +

ہم بلاشبہ اپنی قوم کو اپنے ہموطنوں کو سولیزڈ قوم کی پیروی کی ترغیب کرتے ہیں۔ مگر اُن سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن میں جو خوبیاں ہیں اور جن کے سبب وہ معزّز اور قابل ادب سمجھی جاتی ہیں اور سولیزڈ شمار ہوتی ہیں اُن کی پیروی کریں نہ اُن کی اُن باتوں کی جو اُن کے کمال میں نقص کا باعث ہیں +

اسی سبب سے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری قوم نے کسی سولیزڈ قوم کی عمدہ خصلتوں اور عادتوں

میں پیروی کی تو ہم کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اور جب یہ سُنتے ہیں کہ اس نے انکی برائیوں کی پیروی کی اور شراب پینی شروع کی اور پکّا متوالا ہو گیا اور جوا کھیلنا سیکھا اور بے قید ہو گیا تو ہم کو نہایت افسوس ہوتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری قوم عمدہ باتوں کو سیکھیگی اور بُری باتوں کو ہمیشہ بُرا سمجھے گی۔

قومی عزت

ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ کسی اگلے زمانہ میں مسلمان علوم کے عالم اور فنون کے ماہر تھے۔ اور تہذیب و شائستگی اور انسانیت کو بذریعہ تعلیم و تعلم کے اُنہوں نے بخوبی حاصل کیا تھا لیکن اب اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ آیا فقط اس بات کا ثابت کر دینا ہماری عزت کے لئے کافی ہے یا ہم کو اسپر فخر و ناز کرنا زیبا ہے یا دوسری قوموں کی نظروں میں یہی امر ہماری عزت کے لئے بس ہے یا تہذیب و شائستگی پر ہمارے یہی ثبوت کافی ہے۔ اگر ایسا ہو تو ہم اپنی عزت کے ثبوت میں موٹی موٹی کتابیں لکھدیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اچھے اچھے نامی آدمیوں کی سند سے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیں لیکن حقیقت میں یہ کافی نہیں ہے بلکہ ہماری حالت موجودہ ہی ہماری عزت اور ذلت کی باعث ہے۔ اس لئے ہمکو اپنی حالت موجودہ پر نظر کرنی چاہیئے کہ آیا آج ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس امر کے لئے ہمیں اپنی ملکی اور قومی تعلیم پر لحاظ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ علم ہی عزت اور ذلت کی کسوٹی ہے پس اگر ہماری تعلیم آج کل اور قوموں سے بہتر ہو اور دُنیا کے اور ملکوں کے رہنے والے ہمارے علوم کی قدر و منزلت کرتے ہوں اور ہمارے ملک سے علوم و فنون کی تحصیل کرتے ہوں تو بے شک ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے اور

اگر ایسا نہو تو ملکی فخر اور قومی عزت کا ہمکو نام لینا زیبا نہیں *

ہم کو اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اتنی بات ثابت کر دینا ہی کافی نہیں ہے کہ جو علوم ہمارے بزرگوں نے نکالے یا اور قوموں سے لیکر اپنے ہاں جاری کئے تھے۔ وہ ہم میں جاری ہیں اور جن علوم و فنون کی اُن کے زمانہ میں تعلیم ہوتی تھی وہی ہماری قوم میں رائج ہیں۔ کیونکہ عزت اور ذلت اور ترقی اور تنزل امور اضافی ہیں اُن کا اطلاق بہ لحاظ حالات زمانہ کے ہوتا ہے۔ پس ہمارے بزرگوں کو علوم و فنون کے سبب سے جو عزت تھی وہ اُس زمانہ کے موافق تھی کیونکہ جو علوم و فنون اُس وقت اور قوموں میں جاری تھے اُن سب کو اُنہوں نے سیکھا اور علم و ہنر کے خزانے جو اور ملکوں میں گڑے ہوئے تھے اُن پر رسائی حاصل کی اور جو پڑانے جواہر تھے اُن کی جلا کاری کی اور اُن کو تراش خراش سے جگمگا کر خوبصورت بنایا۔ اور پھر بہت سے بیش قیمت علم کے نئے جواہر خود تلاش کئے۔ آخر اُن کا خزانہ علوم و فنون کا ایسے شاہوار موتیوں اور نایاب جواہر سے بھر گیا جن سے اور قوموں کے خزانے خالی تھے لیکن چونکہ اب ہمارے زمانہ میں علم و ہنر کو اور قوموں نے نہایت ترقی پر پہنچایا اور علوم و فنون کے نورانی چہرہ سے پردہ اور حجاب اُٹھا دیا ہے اور اس دریائے ناپیدا کنار میں سے اور بہت سے نئے نئے اور عمدہ عمدہ موتی و جواہر ڈھونڈھ کر نکالے ہیں پس اگر ہمارے علوم و فنون اُن سے بڑھ کر ہوں اور ہمارے ملک اور قوم کے لوگ علوم و فنون میں اور قوموں سے فایق ہوں تو بے شک آج ہم کو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے لیکن چونکہ یقینی معلوم ہے کہ بمقابل یورپ کے یہ فخر و عزت ہمارے ملک کو حاصل نہیں ہے اس لئے اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا مثل اُن کے علوم و فنون میں ہم کو دستگاہ بھی ہے یا نہیں اور جو صورت تعلیم کی اُس ملک میں ہے وہ ہمارے ملک میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا

ہو تب بھی برابری کا دعوےٰ ہم کر سکتے ہیں لیکن جب ہم اپنی ملکی تعلیم پر لحاظ کرتے ہیں اور اپنے
ہاں کے علوم و فنون پر نظر کرتے ہیں تو ملکی فخر و عزت کا دعویٰ کرنا کیسا اپنی جہالت اور نادانی
کے خیال سے اور اپنی بے تہذیبی کے لحاظ سے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ طبیعت بے اختیار
چاہتی ہے کہ کاش ہم اس ملک سے منسوب نہوں اور ہمکو کوئی اس قوم سے نسبت نہ کرے
کیونکہ ہم بجائے اس کے کہ کچھ پیدا کرتے اپنے بزرگوں کی کمائی ہوئی دولت کو کھو بیٹھے اور
علم کی دولت میں ترقی کرنے کے بدلے بزرگوں کے پیدا کئے ہوئے سرمایہ کو بھی ہم نے ضائع
کر دیا۔ ایسی غفلت کی نیند میں سوے کہ ہمارے بزرگوں کے سرمایہ کو اور لوگ لوٹ لے گئے اور
ہم خالی ہاتھ رہ گئے اور دنیا کی اور اقبال مند قومیں تو علوم و فنون میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کر گئیں
اور ہم ذلت اور نکبت کی حالت میں مبتلا ہو گئے پس اب ہم کو اپنی ذلت کی حالت پر رونا چاہیئے
نہ کہ اپنے بزرگوں کے ناموں پر مغرور ہونا ۔

یہ ملکی ذلت اگرچہ نہایت قابل افسوس کے ہے مگر جب سلسلہ کلام کا قومی ذلت پر پہونچتا
ہے اور خاص مسلمانوں کی تعلیم پر نظر کی جاتی ہے تو نہ زبان سے کچھ کہا جاتا ہے نہ قلم سے
کچھ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اور قومیں ہمارے ملک کی کچھ کچھ خواب غفلت سے بیدار ہوتی جاتی
ہیں۔ اور تعلیم اور تربیت پر اپنی مستعدی ظاہر کرتی ہیں۔ گو اُن کو اب تک کچھ کامل ترقی نہیں ہوئی
مگر بعض بعض قوموں کے آثار نیک نظر آتے ہیں اور اُن کی عزت اور بہتری کے سامان دکھلائی
دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حال پر افسوس اور ہزار افسوس ہے کہ اُن کی آنکھوں میں
غفلت کی نیند ویسی ہی بھری ہوتی ہے اور اُن کے چونکنے اور جاگنے کی کوئی نشانی
اب تک دیکھنے میں نہیں آتی کیسے افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ آج
کیمبرج یونیورسٹی کے موافق مسلمانوں کا کوئی عربی مدرسہ علوم دہلی میں ہوتا یا مثل اکسفورڈ یونی

ورسٹی کے ہماری تربیت کے لئے کوئی دارالعلوم لکھنؤ میں ہوتا اور جو علوم وفنون اُن یونی ورسٹیوں میں انگریزی زبان کے ذریعے سے سکھائے جاتے ہیں ہم مسلمانوں کے مدرسوں میں بھی بذریعہ عربی یا دیسی زبان کے تعلیم دیئے جاتے کوئی چھوٹا سا مکتب بھی تو نظر نہیں آتا جس میں کسی قسم کے علم وفن کی تعلیم ہوتی ہو اور کسی شہر میں ایک بھی مقام تو ایسا سننے میں نہیں آتا جہاں کچھ بھی تہذیب وشائستگی کی باتیں سکھائی جاتی ہوں۔

اگر ہم عربی یا دیسی زبان سے بھی قطع نظر کریں اور اپنے بھائیوں کو اس لائق بھی نہ جانیں لیکن اس غفلت کی کیا انتہا ہے کہ جو مدرسے گورنمنٹ نے ہماری تعلیم کے لئے جاری کئے اور جن میں علوم اور فنون کی تعلیم ہمارے مُلک کے فائدے کے لئے شروع کی اُن میں بھی ہماری قوم کے آدمیوں کی صورتیں کم ہی دکھلائی دیتی ہیں اور مسلمان لڑکے تعلیم کے لئے بہت ہی تھوڑے جاتے ہیں۔

ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم وفنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور کیمبرج اور اکسفورڈ یونی ورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں رہی بلکہ کسی اونے درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ لیکن وہ کونسی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لئے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے۔ اور وہ کونسی بات ہے جو اُنکو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ سب کے سب آنکھ پر پردہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور موُنھ پر خاموشی کی مُہر لگائے بیٹھے ہیں نہ کسی کے دل میں تعلیم کے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات کے اسباب بیان کرنے کے لئے کھولتا ہے سب کے سب چُپ چاپ خاموش

بیٹھے ہوئے ہیں۔

تدبیر و اُمید

یہ عام اور غیر مبدل قاعدہ قدرت کے قانون کا کہ ہر ایک چیز کے ہونے کے لئے اُس سے پہلے اُن چیزوں کا ہونا ضرور ہے جو کہ اُس کے ہونے کے لئے ایک ضروری سبب ہیں ایسا ہے کہ کوئی چیز مادی ہو یا غیر مادی۔ خارجی ہو یا ذہنی اُس سے مستثنٰے نہیں جتنی چیزیں ہماری آنکھ کے سامنے آتی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو اُن چیزوں کے بغیر ہو گئی ہو جو اُسکے ہونے کے لئے قدرتاً مقدم ہیں۔ جتنے خیالات ہمارے ذہن میں گذرتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسکی پہلے وہ باتیں ہمارے ذہن میں نہ آجاتی ہوں جو اُس خیال کے پیدا ہونے سے پہلے عادتاً ضروری ہیں۔ جتنی چیزیں ہیں اُن میں قدرت نے باہم ایسا تسلسل اور ارتباط رکھا ہے کہ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پیدا ہوتی ہے پس ہر چیز کے حاصل کرنے کے لئے اُن چیزوں کا پہلے مہیا کرنا جو اُس کے لئے بطور آلات اور معدات اور مقدمات کے ہیں تدبیر ہے اُن کے مہیا کرنے پر اُس چیز کے حاصل ہونے کی توقع کرنا امید ہے اور بغیر اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے کا خیال کرنا جنوں و نادانی ہے اور بلا مہیا کرنے اُن اسباب کے اُس شئے کے حاصل ہونے کی توقع کرنا حماقت ہے اور جو چیزیں کسی چیز کے ہونے کی اصلی سبب نہوں اُن سے اُس شئے کے ہونے کی توقع کرنا تدبیر کی غلطی ہے۔

یہ بات جو ہم نے بیان کی اُسے نادان سے لیکر کامل حکیم تک اور جاہل سے لیکر عارف باللہ تک اور ملحد سے لیکر شارع تک سب نے تسلیم کیا ہے اور سب مانتے چلے آئے ہیں

اور ہم سب ہر وقت اور بلحاظ ہر چیز میں اس قاعدہ کا برتاؤ دیکھتے رہتے ہیں چنانچہ ہم اسے ایک صاف اور روشن مثال میں سمجھاتے ہیں۔ دیکھو ایک دہقان غلّہ پیدا کرنے کے لئے کیا کرتا ہے اور اُسے غلّہ حاصل کرنے سے پہلے کس کس چیز کا مہیّا کرنا ضرور ہوتا ہے پہلے وہ اچھی زمین تلاش کرتا ہے جس میں زراعت کی قابلیت ہو پھر وہ اُن آلات کو جمع کرتا ہے جن کی زمین بنانے کے لئے ضرورت ہے۔ پھر وہ اُن آلات کو کام میں لاتا ہے۔ اور جو خودرُو گھانس یا پُرانی کھیتی کی بیکار اور نکمّی چیزیں اُس میں پڑی رہجاتی ہیں اُن صاف کرکے زمین کو اپنی اصلی ہیئت پر لاکر اُسے بناتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کس جنس کی اسوقت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی حاجت رفع ہو اور مجھے قیمت ملے۔ آخر وہ مختلف جنسوں میں سے ایک یا چند چیزوں کو اختیار کرکے اُسکا عمدہ بیج ڈھونڈتا ہے اور مختلف دوکانوں مختلف بازاروں میں خود پھر پھر کر اُسے تلاش کرتا ہے اور اپنے نزدیک وہ ایسا بیج جو نہ سڑا ہونہ گلا ہو۔ نہ بوسیدہ ہو نہ ناقص سوائی قیمت دیکر لیتا ہے پھر اُسے ایک اندازہ معیّن سے زمین میں ڈالتا ہے پھر اُسے مٹی میں ملاکر چھپا دیتا ہے پھر اُگنے کے بعد وقتاً فوقتاً پانی دیتا ہے۔ اور جو خودرُو گھانس پیدا ہو جاتی ہے اُسے دور کرتا رہتا ہے پھر سب سے زیادہ اُسے اُس وقت حفاظت کرنی پڑتی ہے جبکہ دانہ پڑتا ہے اور جس کے کھانے کے لئے چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ آتے ہیں۔ پھر جب ان تدبیروں کے کرنے کے بعد اُسکی کھیتی ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رہے اور اُن باتوں سے جو اُس کے اختیار سے خارج ہیں خدا نے اُس کی زراعت کو بچا یا تب وہ ایک ایک دانہ کے سَو سَو اور ہزار ہزار حاصل کرتا ہے اور اپنی محنت اور تدبیر کا ثمرہ پاتا ہے۔ پس ان سب چیزوں کا مہیّا کرنا اور اُس تسلسل اور ارتباط اور ترتیب کا لحاظ رکھنا تدبیر ہے اور بعد اس کے پھل پانے کی توقع کرنا سچی اُمید ہے اور ان میں سے کسی چیز کا

چھوڑ دینا یا کسی ترتیب وارتباط میں چوک جانا یا کسی امر کی تقدیم تاخیر کا لحاظ نہ کرنا یا وقت پر کسی چیز کو استعمال میں نہ لانا تدبیر کی غلطی ہے اور کسی چیز کا باوجود سعی کے نہ ملنا یا کسی اتفاقی امر کا پیش آجانا یا کسی ارضی وسماوی آفت سے اُس زراعت کا خراب ہو جانا تقدیر کی مخالفت ہے۔

اب ہم اس تدبیر و اُمید کو اپنی قوم کے حال سے ملاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنی ترقی کی اُمید کرتے ہیں اور جیسے وہ اُسکی تدبیر کر رہے ہیں وہ حقیقت میں سچی اُمید اور پوری تدبیر ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہماری قوم میں ایسا تو کوئی نہیں جو اپنی ترقی نہ چاہتا ہو یا اپنی دولت و عزت کی امید نہ رکھتا ہو مگر ایسے کم ہیں جو اُسکی تدبیر کرتے ہوں اور جو کرتے ہیں اُنمیں بھی ایسے بہت کم ہیں جو اُسمیں غلطی نہ کرتے ہوں اور جس ترتیب وارتباط کا لحاظ رکھنا اُس کے لئے ضروری ہے اُس کا خیال رکھتے ہوں۔

ہاں وہ تدبیر جو کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے کی ہے ہمارے نزدیک وہ ایسی تدبیر ہے جسکے پورے ہونے پر قومی ترقی کی سچی اُمید ہے کیونکہ اس کے بانی نے اول ہی قدرتی سلسلہ کا لحاظ رکھا ہے۔ وہ پہلے اس بات کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوا کہ قومی عزت کا اصلی سبب کیا ہے آخر اُس نے ثابت کیا کہ صرف علم ہے تب وہ اُس کا مستفسر ہوا کہ موانع اُس کے ہماری قوم میں کیا ہیں اس سوال کو اُسنے اپنی تمام قوم میں پیش کیا اور مختلف صوبوں کے مختلف لوگوں سے اُس کا جواب لیکر اُن موانع کو تحقیق کر کے ایک انجمن مقرر کی اور نہایت بحث و مباحثہ کے بعد اُن کے دُور کرنے کی تدبیر سوچی۔ آخر سب کے اتفاق سے سوا ئے قایم کرنے ایک مدرستہ العلوم کے دوسری صورت قرار نہ پائی چنانچہ اُس نے اُس کی بنیاد ڈالنے کی راہ نکالی۔ اور اُس کے قایم ہونے کے سامان جمع کرنے پر ہمت کی چنانچہ اُبتک جو کچھ اُسنے کیا ٹھیک ٹھیک کیا اور وہ ایک ہوشیار دہقان کی چال

پر چلا اُس نے زمین بھی اچھی تلاش کر لی ہے۔ اُس جنس کو بھی تحقیق کر لیا ہے جس کی ضرورت ہے۔ اور جو اسوقت بازار میں اچھے نرخ پر بک سکتی ہے۔ اُس کا بیج بھی تلاش کر لیا ہے۔ پس اب اُس قدر سرمایہ کا جمع ہو جانا چاہیئے جو اُسکی قیمت کے واسطے اور دیگر آلات کے جمع کرنے کے لئے کافی ہو +

یہ ہوشیار دہقان صرف اس تدبیر کے بتانے ہی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ سب کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھانے اور ساری محنت کو جو اس کھیتی میں ہوگی اپنے اوپر لینے پر مستعد ہے وہ اپنی قوم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ سامان خریدنے کے لائق سرمایہ جمع کریں اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں جب فصل تیار ہو جاوے تب اُسکا پھل لے لیں +

اب میں اپنی قوم کے دلوں پر نظر کرتا ہوں کہ بہ نسبت اس تدبیر کے اُن کے دلوں میں کیا خیال گذرتے ہیں۔ جہانتک میں واقف ہوں میرے نزدیک بہت ہی تھوڑے آدمی ہونگے جو اس تدبیر کو کامل اور اس تجویز کو مفید سمجھتے ہوں۔ مگر اُس کے انجام کو ایسا مشکل جانتے ہیں کہ قریب بہ محال سمجھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ فقط ایک خیالی عمارت ہے جو ہوا میں کھڑی کی گئی ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی تجویز ہے جو دل بہلانے کے لئے کی گئی ہے۔ کوئی اسے گورنمنٹ کا انتظام کہتا ہے کوئی اسے ایک محال اور غیر ممکن بات سمجھتا ہے لیکن یہ سب پست ہمتی کی نشانیاں اور ہمدردی اور محبت قومی نہ ہونے کے نتیجے ہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں دس لاکھ روپیہ کے جمع ہونے پر خیال کیجاتی ہیں۔ حالانکہ یہ روپیہ اس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک بڑے شہر میں ایک برس کے اندر کھیل تماشے میں امراء خرچ کر دیتے اور لڑکوں لڑکیوں کی شادی بیاہ میں برباد کر دیتے ہیں پس اگر ہم اپنی قوم کے اصراف توبہ توبہ اُن کے اسراف پر نظر کر کے اس سرمایہ کو زیادہ سمجھتے تو ہم بھی ایک تکلیف مالا یطاق اور

تدبیر محال کہتے ہیں۔ مگر جب ہم اب بھی اپنے امراء کے جود و سخا کی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ ایک ایک یا تھن ایسے ہیں جو لاکھ لاکھ روپیہ چندہ میں حاکموں کو خوش کرنے کے لئے دیدیتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اس سرمایہ کی بمقابل اُن کے حوصلہ کے کیا حقیقت ہو۔ رہا دینا یا نہ دینا۔ یہ ہمدردی اور محبت قومی پر منحصر ہے۔ اُسکی نسبت البتہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قحط بلا مغبہ ہماری قوم میں ہے۔ اور اگر اُسپر خیال کر کے کچھ مایوسی ہو تو عجب نہیں۔ مگر پھر ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا اور سعی میں کوتاہی نہ کرنا ضرور ہے۔ السعی مینی والاتمام من اللہ +

عزت

عزت ایک اچھا خیال ہے جو انسان کی خود اختیاری اچھی حالتوں کے سبب سے اُس کی بڑائی کی نسبت دل میں پیدا ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ حالتیں علمی ہوں یا عملی۔ قولی ہوں یا فعلی۔ باطنی ہوں یا ظاہری۔ لازمی ہوں یا متعدی۔ پس جو انسان جس قدر اپنی حالتوں کو درست کرے گا اور جتنا اچھے خیالوں۔ اچھی باتوں۔ اچھے کاموں۔ اچھی عادتوں سے موصوف ہو گا اُتنی ہی عزت کا مستحق ہو گا +

عزت ہی وہ شے ہے جس کے حاصل کرنے کا شوق انسان سے بڑی بڑی سخت محنتیں کراتا ہے اور اُسے بڑے بڑے رنج دیتا ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنی زندگی بڑی خوشی سے کاٹتا ہے۔ سارے رنج و غم بھول جاتا ہے۔ انسان مرجاتا ہے۔ اُسکی ہڈیاں خاک ہو جاتی ہیں۔ اس کی خاک کا نشان بھی نہیں ملتا۔ پر اُسکی عزت نہ مرتی ہے نہ خاک ہوتی ہے۔ ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے۔ اور درحقیقت موت کی گمنامی سے محفوظ رکھکر انسان کو زندہ جاوید رکھتی ہے +

عزت درحقیقت ایک نتیجہ اچھّے کمالات کا اور ایک ثمرہ عمدہ صفات کا ہے۔ اِسلئے جب تک کوئی کسی کمال سے مکمّل اور کسی صفات سے موصوف نہ ہو وہ عزّت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح جو اچھّے کمال کا جامع اور اچھّی صفت سے متصف ہو وہ عزّت کے استحقاق سے محروم نہیں رہتا۔

اِنسان کے اچھّے خیال۔ اچھّی باتیں۔ اچھّے کام عزّت کو ایسا کھینچ لیتے ہیں جیسا کہ مقناطیس لوہے کو یا کہربا گھاس کو وہ کسی سے اپنی بزرگی و عزّت کا طالب نہیں ہوتا۔ مگر لوگ خود بخود اُس کی بُزرگی کرتے ہیں۔ وہ کسی سے اپنی تعریف نہیں چاہتا۔ مگر سب اُس کی صفت خود کرتے ہیں۔ کیونکہ اِنسان کی اچھّی حالتوں کا یہ قدرتی خاصہ اور ذاتی تاثیر ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ پر جو شخص اچھّے خیال رکھتا ہے۔ اچھّی صفات کا جامع ہوتا ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھّا جانتا ہے اپنی آپ عزّت کرتا ہے۔ وہ مغرور تو نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو سچّی عظمت میں جانتا ہے۔ وہ کمینہ آدمی کیطرح جھوٹی شیخی تو نہیں رکھتا۔ مگر ممدوح خودداری کا خیال رکھتا ہے۔ اُس کا دل اُس سچّی عزّت اور ممدوح خودداری کے سبب سے ایک پُررعب شاہنشاہ کی مانند ہوتا ہے جسے اپنی شاہنشاہی پر خود ناز ہو اسیواسطے وہ مخالفوں کے ذلیل کیئے سے اپنے آپ کو ذلیل نہیں جانتا وہ دشمنوں کے حقیر کہدینے سے اپنی حقارت نہیں سمجھتا۔ اُس کا دل ایک سچّے آب دار موتی کے موافق جوہری کا طالب تو ہوتا ہے مگر جھوٹے موتی کی جھوٹی چمک دکھانے سے اپنی بے آبروئی نہیں سمجھتا۔ وہ لعل بدخشانی کیطرح سُلطانی تاج کی خواہش تو رکھتا ہے مگر کسی نادان مُفلس کے پھینک دینے سے اپنی بے قدری نہیں جانتا۔ درحقیقت سچّی عزّت ایک قدرتی چشمہ کے موافق ہوتی ہے جسے کوئی خس وخاشاک روک نہیں سکتا۔ اور ایک روشن آفتاب کی

مانند ہوتی ہے جسکی نورانی شعاعوں کو کوئی شپرہ چشم بند نہیں کر سکتا *

جو شخص کسی قوم میں ایسی عزت کا مستحق ہو وہ درحقیقت اُس قوم کا سہیل ہے جو اپنی قوم کے دلوں کو اپنے روشن خیالات کی برکت سے ساری غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک صاف کر کے ادیم یمنی کی طرح معطر اور منور کر دیتا ہے یا وہ نسیم بہاری کی خاصیت رکھتا ہے کہ اپنے نرم و لطیف روح افزا جھونکوں سے اپنے ملک کو باغ ارم بنا دیتا ہے جس قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ہو وہ خاروں کا ایک گلدستہ ہے جسمیں کوئی پھول نہو یا ریت کا ایک چٹیل میدان ہے جس میں کوئی بارور سایہ دار درخت نہو *

عزت کی خوبی جو کچھ ہم بیان کریں وہ کم ہے۔ لیکن جبکہ وہ موقوف ہے انسان کی اچھی حالتوں پر تو ہم کو اچھائی برائی کی تحقیق کے اصول بھی بیان کرنا ضرور ہے تاکہ ہم اصلی عزت کا ادراک کر سکیں، ورنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے خیال بعضے کام کسی ایک قوم یا کسی ایک فرقہ یا کسی ایک شخص کے نزدیک اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ عزت کے سبب تصور کئے جاتے ہیں اور وہی خیال وہی کام دوسری قوم یا دوسرے فرقہ یا دوسرے شخص کے نزدیک برے سمجھے جاتے ہیں اور ذلت کے باعث ہوتے ہیں۔ تو اگر اچھائی برائی کی تحقیق کے اصول اور اُن کے اختلافات ظاہر نہ کئے جاویں تو اصلی عزت کی تنقیح بھی مشکل ہو جاوے *

اچھائی برائی کی تحقیق کے لئے یہ ظاہر تین اصول ہیں۔ ایک عقل، دوسرا شرع، تیسرا عرف عام۔ مگر درحقیقت اصل اصول ایک ہی ہے یعنی عقل اور شرع اگر سچی ہو تو وہ اچھائی برائی کی ظاہر کر دینے والی ہے اور عقل اُس کی ثابت کر دینے والی۔ دونوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور عرف عام جسے رسم و رواج کہتے ہیں وہ فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے مگر ہم تینوں

سے کچھ کچھ بحث کرتے ہیں*

اکثر مذہبی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقل سے اچھائی بُرائی کی تنقیح نہیں ہوسکتی نہ وہ مذہب کی بتائی ہوئی اچھائی بُرائی کی حقیقت دریافت کرسکتی ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ اُن کی سمجھ کی غلطی ہے اور یہ قول اُن کا عقل اور مذہب دونوں سے باطل ہوتا ہے کیونکہ مذاہب مختلفہ میں سے ایک سچے مذہب کا تحقیق کرنا اور پھر سچے مذہب کی سچی باتوں کو جھوٹی اور ملائی ہوئی لوگوں کی باتوں سے جدا کرنا عقل ہی کا کام ہے ورنہ ہر مذہب کی حقیقت اور مذہب کی ہر سچی جھوٹی بات کی تصدیق لازم ہو جسے سوائے نادان کے کوئی نہ مانے گا۔ پھر سچے مذہب کی خوبیوں کے دریافت کرنے کا عقل ہی ایک کامل ذریعہ ہے اور مذہب نے بھی عقل ہی سے کام لینے پر ہدایت کی ہے۔ افلا تعقلون اور افلا تذکرون کا خطاب عقل ہی کے سبب سے ہے انہم لا یعقلون شیئا اور اولیٔک کالانعام کی جھڑکیاں عقل سے کام نہ لینے ہی کے باعث ہیں پس جو لوگ اچھائی بُرائی کی تحقیق یا اُس کی تسلیم سے عقل کو عاجز جانتے ہیں درحقیقت وہ انسان کی اُس قوت سے منکر ہیں جو خدا نے اُسے بھلائی برائی کے سمجھنے کے واسطے دی ہے۔ اُن کے نزدیک حیوان اور انسان میں کچھ فرق نہیں حقیقت میں ایسے لوگ خود نادان ہیں*

جو لوگ عقل کو حسن و قبح اشیاء کی تحقیق سے معطل جانتے ہیں اُن کو وہ اختلاف جو مذہبی باتوں اور عقلی تحقیقاتوں میں ہے اس خیال پر داعی ہوا ہے مگر اُن سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک تو اُنہوں نے شخصی اور جزئی عقل کو پیش نظر رکھا اور عقل انسانی اور عقل کلی کو چھوڑ دیا۔ دوسرے ظاہری اختلافات شرع اور عقل کو اپنی عقل کے نقصان کے سبب سے دور نہ کرسکے اور تحقیق اور تسلیم میں جو فرق بین ہے اُس سے بھی واقف نہ ہوئے ورنہ وہ ایسے غلط

خیال میں نہ پھنستے اِس لئے اب ہم اُن کو بتاتے ہیں کہ ہماری مراد عقل سے عقل شخصی نہیں ہے بلکہ عقل اِنسانی ہے جو لوگوں کے تجربہ اور تحقیقات اور علم سے کامل ہو جاتی ہے اور ساری غلطیوں کو دور کر دیتی ہے اور آخر سچی بات کو ایسا تحقیق کر دیتی ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا *

پھر مذہب کی اچھی باتوں کو گو اول عقل ظاہر نہ کر سکے مگر بعد ظاہر ہو جانے کے اُسکی اچھائی کو تسلیم کر سکتی ہے۔ اگر تسلیم کی استعداد بھی اُس میں نہ ہو تو ہمارے نزدیک تکلیف شرعی عبث اور عذاب و ثواب فضول ہو جاوے اور انسان کو ایمان کی تکلیف ایسی ہو جیسی کسی جانور کو صنعت اور حکمت کی تکلیف دینا۔ معاذ اللہ کہ خدا ایسی تکلیف دے۔ خود کسی بات کو تحقیق کرنے اور اُس کے تسلیم کرنے میں بڑا فرق ہے جسے ہم ایک ظاہری مثال سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً خیال کرو کہ اقلیدس نامی ایک دانا حکیم تھا اُس نے چند شکلوں کو ایجاد کیا اور اس ترتیب اور مناسبت سے تحریر کیا کہ جس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں اور اُن خطوط و نقوش میں اُن باتوں کا لحاظ رکھا کہ تمام انجنیری کاموں کا مدار اُسپر ہے تو اب خیال کرو کہ اُسکی تحقیق اور ہماری اُسکی صحت اور خوبی کی تسلیم میں فرق ہے یا نہیں در حقیقت بڑا فرق ہے گو ہر شخص بلکہ لاکھوں میں سے دس بیس بھی اُس کی سی ایجاد و ترتیب کی استعداد نہیں رکھتے مگر اُسکی صحت اور اچھائی کی تسلیم کی عقل سب کو ہے پس نادان ہے وہ جو ایسی تسلیم کرنے والی عقل سے منکر ہو۔

الحاصل ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سچے مذہب نے ہم کو وہی باتیں بتائی ہیں جو فی نفسہ اچھی ہیں۔ اچھے خیال ہم کو سکھائے۔ اچھی باتیں ہم کو بتائیں۔ اچھے کام کی ہمکو تاکید کی۔ اور چونکہ ہماری عقل کو اُسکی اچھائی کے تسلیم کرنے کی استعداد اور اُس کی

سمجھ کی قوت ہے۔ پس ہم اُسکی اچھائی کو جسے مذہب نے ظاہر کیا اپنی عقل سے ثابت کرسکتے ہیں اُسی طرح جیسے کہ اُقلیدس کی کھینچی ہوئی شکلوں کی اپنی عقل سے تصدیق کرسکتے ہیں پھر ہماری عقل مذہب کی ظاہری باتوں اور ظاہری لفظوں سے اپنے خیالات کی اصلی پاکی وصفائی اُسی طرح کرسکتی ہے جس طرح کہ ہم اقلیدس کی لکیروں اور شکلوں سے بڑے بڑے کام انجنیئری اور ریاضی کے اپنی سمجھ بوجھ کے کام میں لانے سے لے سکتے ہیں ہم اگر مذہب کی ساری باتوں کو یاد کرلیں اور اپنے خیال میں لکھ لیں پر عقل سے اُسکی حقیقت کا ادراک نہ کریں تو ہماری مثال بعینہ ایسی ہوگی جیسے کہ ہم تحریراً اقلیدس کے سارے خطوط ونقوش کو یاد کرلیں پر اُسکا مطلب سمجھ کر اُس سے کام نہ لیں اور اس بات کی تحقیق نہ کریں کہ اس شکل وخط کے کھینچنے والے کا اصلی مقصود ان لکیروں میں کیا تھا۔

ہم اس بحث کو اس وقت نہیں بڑھاتے اور ان دونوں اصول کی موافقت پر زیادہ دلیل نہیں لاتے کیونکہ اس وقت ہمارا مقصود دوسرا ہے اس لئے ہم اپنے اصلی مطلب پر رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کسی نے اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی اچھائی عقل سے ثابت کرلی تو وہ ضرور عزت کا مستحق ہوگا گو جب تک اوروں پر اُس کی اچھائی ثابت نہ ہو وہ اُس کی عزت نہ کریں گے لیکن آخر ایک روز اُس کی عزت ہوگی کیونکہ کوئی سچی بات جب ایک مرتبہ ظاہر ہوجاوے رُک نہیں سکتی کسی نہ کسی دن ظاہر ہوتی ہے۔

بہت سے حکیم فلسفی دانا آدمی گذرے جنہوں نے بہت اچھی باتیں ایجاد کیں اُن کے خیالات اُن کے کام اچھے ہوئے مگر مدت تک بجائے عزت کے لوگوں نے اُنکی حقارت کی اور اُن کو ذلیل جانا۔ اور اُن سے بمخالفت پیش آئے۔ مگر اُس سچی عزت نے جس کا خیال خود اُن کے دل میں تھا اُن کی خود عزت کی اور اُنھوں نے

کسی دن آپ کو ذلیل نہ جانا پر آخر جب اُن کے خیالات اور اعمال کی اچھائی ظاہر ہوئی تو مخالفوں نے اُن کی عزت کی اور اپنے آپ ہی کو حقیر جانا اور اپنی مخالفت پر نادم ہوئے پس جس بات کی سچائی اور اچھائی عقل سے ثابت ہوجاوے اُس کا حاصل کرنے والا سچی عزت کا مستحق ہوتا ہے *

اب ہم دوسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی شرع سے مذہبی باتوں کی اچھائی ثابت کرنا دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ ایک تو جھوٹے مذہبوں میں سے ایک سچے مذہب کی اچھائی پر یقین کرنا۔ دوسرے جو سچا مذہب مان لیا جاوے اُس کی اصلی اور سچی باتوں کو تحقیق کرنا۔ بغیر اس کے کوئی انسان مذہبی عزت کا مستحق نہیں ہوسکتا *

میں بہ نسبت اپنے مذہب اسلام کے جس کی سچائی اور اچھائی پر مجھے یقین ہے۔ دوسرے امر سے کچھ مختصر بحث کرتا ہوں۔ کہ اب ہمارے زمانہ میں مذہبی عزت کا استحقاق کیونکر حاصل ہوسکتا ہے *

اس پر تو غالباً سب مسلمان متفق ہونگے کہ مذہب موجودہ آمیزش سے غلط خیالات اور بے اصل باتوں سے خالی نہیں ہے۔ اور جیسا اُس کے بانی نے ہمکو بتایا تھا دیسا ہی پاک صاف نہیں ہے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن تحقیق کے اصول نہایت مختلف ہیں۔ ہمارے ہم مذہب کہتے ہیں کہ جو باتیں اب تک مذہب کے لوگوں نے بتائیں اور جیسا خیال خلفاً عن سلفاً چلا آیا ہے۔ اور جن کاموں کو مشہور مذہبی لوگ کرتے آئے اُن کی تقلید ہی اصلی مذہب کی اچھائی کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اسواسطے وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں۔ جو ویسے ہی خیال رکھتے ہوں۔ ویسے ہی کام کرتے ہوں۔ جو لوگ اُس کے

مخالف ہوں وہ از روئے مذہب کے ذلت کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اسی خیال سے لوگ اُن کی ذلت کرتے ہیں جو کہ اس اُصول کو نہیں مانتے اور اپنے مذہبی خیال اور مذہبی چال میں اُن سے موافقت نہیں رکھتے۔ ہمارے نزدیک وہ اس خیال میں معذور ہیں اور تا وقتیکہ وہ اپنی غلطی خیال کے قائل نہوں ایسی تحقیر و تذلیل میں لایق عفو ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ سمجھ اُن کی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سچے مذہب کی سچائی صرف اُسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے کہ سوائے بانی مذہب کے دوسرے کا قول یا عمل مثل بانی مذہب کے نہ مانا جاوے اور کوئی مثل اُس کے معصوم نہ تسلیم کیا جاوے کیونکہ جب ایسا ہوتا ہے تو اصل مذہب کی اصلی باتوں کو آدمی بھول جاتا ہے اور آہستہ آہستہ مذہب اَور کا اور بلکہ اندھے کی ٹھیڑھی لکیر ہو جاتا ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ مذہب کے جاننے والے یا اُس کے سچے طور پر ماننے والے نہیں ہوئے یا اُن کی باتوں سے ہم کو فائدہ نہیں پہونچا۔ ہم بڑے ہی نامنصف اور ناشکر ہوں بلکہ نادان جو ایسا خیال کریں۔ لیکن ہمکو اپنے مذہب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا اور اُسی پر اپنی نظر اپنا خیال جمانا چاہیئے۔ اور لوگوں کی تحقیقاتوں سے صرف استفادہ کرنا چاہیئے نہ کہ اُس کا کامل اتباع اور پوری تقلید کیونکہ جب ہم ایسا کریں گے تو وہ صاف نورانی شعاعیں مذہب کی ہمارے دل پر نہ پڑیں گی جن کو مذہب نے ساری دُنیا کے روشن کرنے کے لئے ظاہر کیا ہے اور ہمارے خیال لوگوں کے حجاب اور پردہ کی آڑ سے تاریکی میں پڑ جاویں گے۔ کیونکہ سب مذہبوں میں ایسا ہی ہوا ہے اور اُس کی نشانیاں ہمارے مذہب میں بھی موجود ہیں ٭

پس ہمارے نزدیک مذہب بھی اُسی کی عزت کرے گا جو کہ مذہب کی عزت کرے اور مذہب کی عزت یہ ہے کہ وہ اپنی سچائی پر قائم رہے۔ اِس لئے ہمارے نزدیک وہ لوگ

مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو کہ مذہب کی سچائی ظاہر کرنے اور اُسکی اچھائی ثابت کرنے پر مستعد ہوں اور جن کے مذہبی خیالات لوگوں کی پیروی سے جن کے مذہبی اعمال عامیوں کے چال چلن کی کثافتوں سے پاک وصاف ہوں +

جو لوگ مذہب کی جھوٹی باتوں کو مذہب سمجھتے ہیں اور اور مذہب کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں وہ غلطی سے اپنے آپ کو مذہبی عزت کا مستحق جانتے ہیں حقیقت میں وہ جھوٹی عزت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی عزت اُسی قدر ہو سکتی ہے جتنی کہ قلب زر اندود سکہ کی سوائے نام اور شکل کے سچائی سے خالی اور عیار ومحک سے ہمیشہ خائف ہے۔ مگر جو لوگ مذہب کو مذہب کے طور پر اُس کے بانی کی مرضی کے موافق مانتے ہیں اُن کی عزت ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسے کہ سونے کے ایک خالص ٹکڑہ کی جسے نہ نام وشکل پر دعویٰ سچائی کا ہے۔ بلکہ اپنی ذات اور اپنی سچائی پر وہ ہمیشہ عیار ومحک کا طالب ہوتا ہے۔ وہ اپنی صفائی کے امتحان کرنے کا خواہاں ہوتا ہے +

اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض ایسے مذہبی عزت کے مستحق گذرے ہیں مگر جھوٹی عزت رکھنے والوں نے اُن کی بڑی تحقیر کی اور بجائے عزت کرنے کے اُنکو ذلیل جانا مگر آخر اُن کی سچی عزت ظاہر ہوئی اور وہ اپنے استحقاق سے محروم نہ رہے +

اب ہم تیسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی عرف عام سے جتنا کہ یہ اصول بے بنیاد و باطل ہے اور اچھائی بُرائی کی تحقیق کا مزاحم ہے ویسا ہی وہ نہایت جاری اور مروج ہے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو وُہی عیار امتحان ہے +

ہمارے ہم مذہب رسم ورواج ہی کو شرع اور عقل سمجھتے ہیں اور اُسی کی موافقت اور مخالفت کو اچھائی بُرائی جانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک وہی شخص عزت کا مستحق ہے جو کہ اُن اچھی باتوں

پر چلتا ہو جسے سب لوگ اچھا جانتے ہوں۔ گو وہ عقل کے مخالف ہوں یا مذہب کے +

ہمارے ہم قوم بڑی ہی ذلت اور حقارت کی نظر سے اُسے دیکھتے ہیں جو کہ رسم کا پابند نہ ہو گو وہ کیسا ہی عقیل اور مذہب کا پابند ہو اُن کے نزدیک رسم کی مخالفت ہی ایک بُرا خیال ہے جس کے سبب سے انسان بڑی تحقیر اور ذلت کا مستحق ہوتا ہے +

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھکر کچھ رسمیں جاری کی ہوتیں اُن کی بُرائی بھلائی تحقیق کر کے اُن پر عامل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا اُن کا لایق لحاظ کے ہوتا۔ پر افسوس ہے کہ وحشیانہ تمدن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اُس کا لحاظ نہ کرایا اور اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اسکی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے اُمید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پا دیں اور اُن کی سچی عزت اُن کے مخالفوں کے دل میں ایسی سما جاوے جیسے کہ روشنی ایک تاریک گھر میں جبکہ اُس کا بند دروازہ توڑ دیا جاوے +

توکّل

جن باتوں سے کسی قوم پر ادبار آتا ہے اور تمام ہمتیں پست اور قوتیں سُست ہو جاتیں ہیں اُن میں جہاں عام رسم و رواج کی پابندی اور جاہلانہ تقلید اور اپنے آپ کو ہمہ دان اور سب سے برتر سمجھنا اور تعصب بیجا اور اور اسی قسم کی خرابیاں شامل ہیں اُن میں ایک حضرت توکل بھی ہیں جن سے خدا پناہ میں رکھے آج کل عرف میں جس کا نام توکل ہے وہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا مریض کبھی اچھا ہی نہیں ہو سکتا اور یہ وہ زہریلا اژدہا ہے جس کا کاٹا پانی نہ مانگے اچھا خاصا صحیح و سالم اور تندرست انسان جسکو خدا نے اشرف المخلوقات

بنایا ہے توکل کی شامت سے دن بدن ایسا زار و نحیف ہوتا چلا جاتا ہے کہ پھر اسکی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی اس آفت میں مبتلا ہیں ؛

ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہر شہر اور گاؤں میں ایسے ہیں کہ جب اُن سے مسلمانوں کی اصلاح اطوار و اوضاع میں اسغرض اور نیت سے گفتگو کی جاتی ہے کہ یہاں کے موجودہ مسلمان بھی کیوں اپنی ترقی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور کیوں ایسی کوششیں نہیں کرتے جیسی اُن کے اگلوں نے کی تھیں اور جواب بھی اُن کے بھائی مصر اور ٹرکی بلاد اسلام میں کر رہے ہیں اور جو خراب رسم و رواج ہندوستان کی قدیمی قوموں کی شامت اعمال سے اُن میں مل جل گئے کیوں ان سے کنارہ کش نہیں ہوتے تاکہ وہ بھی دنیا میں ایک مہذب قوم کہلاویں اور مرنے کے بعد اپنا مقدس اور پاک اور خالص مذہب اپنے قبضہ میں بچاویں اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں تو ان سب تقریروں کا جواب یہی ملتا ہے کہ ”میاں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کے کئے سے کچھ نہیں ہوتا خدا کو اگر منظور ہے کہ مسلمانوں کی عزت ہو تو ہر حال میں اُنکی عزت ہوگی اور اگر اسکو اُن کا ذلیل ہی کرنا منظور ہے تو لاکھ کوئی پیروی کرے مگر کیا ہوتا ہے اپنا تو خدا پر توکل ہے“ ؛

اس میں شک نہیں کہ جیسا اُنہوں نے خیال کیا ہے ہوگا وہی ۔

بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت ۔

لیکن چونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں اور یہ بات بھی انسان پر فرض ہوگئی ہے کہ اپنے حال کی اصلاح میں جہانتک ممکن ہو کوشش سے دریغ نہ کرے اس لئے متوکلوں کا یہ گمان اسبات کے لئے کافی حجت نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی اور اپنے اور بھائیوں کی اصلاح

حال میں بھی کوشش نہ کریں اس لئے کہ اس کا نام توکل نہیں ہے بالکل یہ محض ایک دہوکہ ہی دہوکہ ہے مسلمانوں کے مذہب میں ایسے توکل کی کہیں اصل پائی نہیں جاتی اور نہ خدا نے مسلمانوں کو ایسے لغو توکل کی اجازت دی توکل جو مسلمانوں کے مذہب میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور طاقت کے موافق اپنے کاموں کی تدبیر کرے اور یہ یقین کر لے کہ یہ تمام تدبیریں کارگر اُسی وقت میں ہونگی جبکہ خدا چاہے گا۔

برتوکل زانوے اشتر بہ بند

انسان عالم اسباب میں پیدا کیا گیا ہے جہاں تمام کارخانہ اوّل سے آخر تک بالکل اسباب پر قایم ہے اور باوجود اسکے کہ خدا تعالےٰ جس کام کو چاہے بغیر اسباب کے موجود کر دیوے اُسکی عادت اس عالم میں اکثر اسی طرح جاری ہے کہ تمام کاموں کیواسطے جو اُسکو کرنے منظور ہوتے ہیں مختلف اسباب پیدا کر دیتا ہے جسکی بے انتہا مثالیں ہر لحظہ اور ہر ساعت ہماری نظروں کے سامنے سے گذرتی چلی جاتی ہیں پس یہ تمام نظام عالم ہم کو اس بات پر مائل کرتا ہے کہ اس عالم میں ہمکو بھی جو کام کرنا ہو اوّل ہم اُس کے اسباب درست کرنے کی فکر کریں اور پھر اُس کے نتیجے کو خدا پر منحصر کریں آدمی کے تمام قوے اور ترکیب اعضا اور حواس اور دل اور دماغ وغیرہ جس طرف خیال کیجیے سب اسبات پر شاہد ہیں کہ بے شک وشبہ آدمی کو اپنے ہر کام کا سامان خود درست کرنا چاہیئے اور ایسا نہ کرنے میں تمام وہ قوتیں عقلی اور جسمانی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں محض باطل اور لغو ہوئی جاتی ہیں جس سے خدا کی صاف ناشکری نکلتی ہے پس بلا لحاظ اس بات کے کہ کل کو خدا کیا کریگا آج ہم کو اپنے کاموں کے واسطے سامان درست کرنا چاہیئے۔

دیکھو باوجود اسبات کے کہ خدا نے اپنے سچے نبی کی زبان پر اس بات کا وعدہ فرما دیا

تھا کہ لوگ کیسے ہی مزاحم کیوں نہ ہوں لیکن یہ مذہب اسلام مشارق اور مغارب میں روشن ہو کر رہیگا چنانچہ وہی آخر کار ہوا لیکن بااینہمہ رسولخدا اور صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکے پھیلانے میں کیسی کیسی کوششیں اور عرق ریزیاں کیں اور کیسی کیسی کٹھن مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن ہیں پھر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان بزرگواروں میں توکل نہ تھا یا اُن کی یہ کوششیں توکل کے منافی تھیں نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے یہ ہے کہ وہ اُس لغو توکل کو دل سے دور کردیں جسکو شیطان نے لوگوں میں اُنکی ہمتیں اور قوتیں پست کردینے کی غرض سے پھیلا دیا ہے اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات اُن کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو اُسمیں حتے الامکان جان و دل سے کوشش اور تمام تر اپنی ہمتوں اور مالی و بدنی کوششوں کو اُسیطرف مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی قوم اور اُن کے مذہب کا تمام لوگوں کی نظر میں ایک اعتبار اور وقعت پیدا ہو جائے اور اسلام کی سچی شعاعوں سے تمام ہندوستان منور ہو جاوے اور جسطرح اُنکے بھائی ٹرکی میں اور مصر میں قومی ترقی اور قومی فخر اور قومی عزت اور امتیاز حاصل کرنے میں کوششیں کر رہے ہیں وہ بھی اوس سے غافل نہ رہیں۔

وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار آمین ثم آمین اللھم آمین

اعتدال

انسان جسطرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ صناع اور عقلمند

پیدا ہوا ہے اسیطرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اور مخلوق حاجت مند بھی
نہیں ہے انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسانکو اپنی
اُس دشوار گذار منزل میں جو شکم مادر سے شروع ہو کر لب گور پر ختم ہوتی ہے بے انتہا غرضیں اور
ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر باہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے
میں حد معین سے زیادہ کوشش کیجاوے تو دوسرے مقصد کے فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ
ہوتا ہے پس اُس حد معین سے تجاوز نکرنے اور اُس کو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہے۔

کوئی کام خواہ وہ تمدن اور معاشرت سے علاقہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا
نہیں پایا جاتا جسمیں اعتدال کی ضرورت نہ ہو تمام قوے جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے
ہیں اور جن کی بدولت انسان دونوں جہان میں ہر قسم کی خوشی اور آسایش و آرام حاصل
کر سکتا ہے وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال ہی کی بدولت شگفتہ اور شاداب رہ سکتے
ہیں پس قدرت کا یہ ایک ایسا سچّا اور مستحکم اصول ہے کہ دنیا کا تمام کارخانہ اُسی پر قایم ہے
اور یہی حکمت تھی کہ مذہب اسلام میں اعتدال کی نسبت نہایت تاکید ہوئی اور کچھ شبہہ نہیں
کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکی کوئی بات
اعتدال سے خارج نہیں ہے اس مذہب کا کوئی کام خواہ عبادات میں خواہ معاملات
میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال نہو فرائض جو خدا نے مسلمانوں کے واسطے مقرر کئے
وہ سب معتدل ہیں۔ فرائض کے علاوہ اور تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھی یہی حال ہے
تمام عبادتیں اُسیوقت تک عبادت ہیں جب تک انسان کے قوے معطل و بے کار نہو جاویں
اور اُس کے بعد رہبانیت ہے ولا رھبانیۃ فی الاسلام یہی حال مالی عبادت کا ہے
خیرات و مبرّات اُسی حد تک ٹھیک ہے جہانتک انسان خود مفلس اور درماندہ اور نان

تھا کہ لوگ کیسے ہی مزاحم کیوں نہ ہوں لیکن یہ مذہب اسلام مشارق اور مغارب میں روشن
ہو کر رہیگا چنانچہ وہی آخر کار ہوا لیکن بااینہمہ رسولخدا اور صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے اُسکے پھیلانے میں کیسی کیسی کوششیں اور عرق ریزیاں کیں اور کیسی کیسی کٹھن مصیبتیں
اور تکلیفیں جھیلیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن ہیں پھر کیا
کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اون بزرگواروں میں توکل نہ تھا یا اُن کی یہ کوششیں توکل
کے منافی تھیں نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان
بھائیوں سے یہ ہے کہ وہ اُس لغو توکل کو ونسے دور کردیں جسکو شیطان نے لوگوں میں اُنکی
ہمتیں اور قوتیں پست کر دینے کی غرض سے پھیلادیا ہے اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات
اُن کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو اُسمیں حتےالامکان جان و دل سے کوشش
اور تمام تر اپنی ہمتوں اور مالی و بدنی کوششوں کو اُسیطرف مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی
قوم اور اُن کے مذہب کا تمام لوگوں کی نظر میں ایک اعتبار اور وقعت پیدا ہو جائے اور
اسلام کی سچی شعاعوں سے تمام ہندوستان منور ہو جائے اور جسطرح اُنکے بھائی ٹرکی میں اور
مصر میں قومی ترقی اور قومی فخر اور قومی عزت اور امتیاز حاصل کرنے میں کوششیں کر رہے ہیں وہ بھی
اوس سے غافل نہ رہیں۔

وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ
وقنا عذاب النار آمین ثم آمین اللھم آمین

اعتدال

انسان جسطرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ صناع اور عقلمند

پیدا ہوا ہے اسیطرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اور مخلوق حاجت مند بھی نہیں ہے انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسانکو اپنی اُس دشوار گذار منزل میں جو شکم مادر سے شروع ہو کر لب گور پر ختم ہوتی ہے بے انتہا غرضیں اور ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر باہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے میں حد معین سے زیادہ کوشش کیجاوے تو دوسرے مقصد کے فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے پس اُس حد معین سے تجاوز نکرنے اور اُس کو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہے۔

کوئی کام خواہ وہ تمدن اور معاشرت سے علاقہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں اعتدال کی ضرورت نہ ہو تمام قوے جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے ہیں اور جن کی بدولت انسان دونوں جہان میں ہر قسم کی خوشی اور آسایش و آرام حاصل کر سکتا ہے وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال ہی کی بدولت شگفتہ اور شاداب رہ سکتے ہیں پس قدرت کا یہ ایک ایسا سچا اور مستحکم اصول ہے کہ دنیا کا تمام کارخانہ اُسی پر قایم ہے اور یہی حکمت تھی کہ مذہب اسلام میں اعتدال کی نسبت نہایت تاکید ہوئی اور کچھہ شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکی کوئی بات اعتدال سے خارج نہیں ہے اس مذہب کا کوئی کام خواہ عبادات میں خواہ معاملات میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال نہو فرائض جو خدا نے مسلمانوں کے واسطے مقرر کئے وہ سب معتدل ہیں۔ فرائض کے علاوہ اَور تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھی یہی حال ہے تمام عبادتیں اُسیوقت تک عبادت ہین جب تک انسان کے قوے معطل و بے کار نہو جاویں اور اُس کے بعد رہبانیت ہے ولا رهبانية في الاسلام یہی حال مالی عبادت کا ہے خیرات و مبرات اُسی حد تک ٹھیک ہے جہانتک انسان خود مفلس اور درماندہ اور نان

شبینہ کو محتاج نہو جاوے راہ خدا میں گھر بار لٹا لنگوٹی باندھ کاسہ چوبی لے دھونی رما جنگل میں جا بیٹھنا مذہب اسلام کا منشا نہیں۔ کما قال اللہ تعالے عز و جل۔ ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا[1]

یہی حال مسلمانوں کے دنیاوی برتاؤ کا ہے ہماری معاملات دنیا کو بھی مذہب اسلام نے نہایت سہل کر دیا ہے تمام ستھری اور پاک چیزیں ہمارے واسطے حلال ہیں اور یہی نہیں کہ اُن کے استعمال کی فقط اجازت ہی دی ہو نہیں بلکہ اُن کے مطلق ترک کو بھی منع فرمایا تاکہ مسلمان حلال اور طیب چیزوں سے حظ اُٹھانے میں محروم نہ رہیں۔ یا ایها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیبا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون[2]

یہی حال اور تمام باتوں کا ہے دنیا میں وہ تعلق جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے عموماً ہوتا ہے اور جس سے انسان کی حظ زندگی کا بہت بڑا حصہ متعلق ہے وہ وہ تعلق ہے جو میاں اور بی بی میں ہوتا ہے اس تعلق کے مستحکم اور خوشگوار کرنے کے واسطے جو احکام مذہب اسلام میں ہیں جب اوس کل مجموعہ پر نظر کیجاوے تو کوئی منصف آدمی بھی گو کسی مذہب کا کیوں نہ ہو مطلق اعتراض نہیں کر سکتا ؛

میں اس مضموں میں اُن کمبخت اور ناخدا ترس مسلمانوں کی حمایت کرتا نہیں چاہتا جنہوں نے اپنا برتاؤ خلاف احکام خدا اور رسول کے قایم کرکے نہ فقط اپنی عاقبت خراب

---

[1] اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ کھولدے اُسکو نرا کھولنا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا۔ پارہ ۱۵ رکوع ۳ ؛

[2] اے ایمان والو مت حرام ٹھیرا و ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال کیں اور حد سے مت بڑھو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والونکو اور کھاؤ دیا اللہ کر دیا ہے جو حلال ہو ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے جسپر یقین رکھتے ہو۔ پارہ ۷ رکوع ۱ ؛

کی ہے بلکہ اپنی اُن ناشائستہ حرکات کی بدولت غیر مذہب والوں کی نظروں میں جو صرف ہمارے اعمال کی بھلائی بُرائی پر بظاہر مذہب اسلام کی بھلائی اور برائی کا قیاس کرتے ہیں مذہب اسلام کو حقیر کر دیا ہے میں اس وقت صرف اُن احکام سے بحث کرتا ہوں جو مذہب اسلام نے مسلمانوں کے برتاؤ کے واسطے نہایت اعتدال کے ساتھ مقرر کئے ہیں۔

کثرت ازدواج جسکی بدولت غیر مذہب والے مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے مذہب کے بموجب جائز کیا گیا ہے ہرگز لائق اعتراض نہیں بلکہ بالکل قانون قدرت کے مطابق اور نہایت ضروری ہے اول تو مذہب اسلام نے یہ نہیں کیا کہ ایک نکاح کی قید کو توڑ کر زیادہ نکاح جائز کر دئیے ہوں بلکہ ایک غیر محدود تعداد نکاح کو جو قبل اسلام کے رائج تھا بہت کچھ گھٹا کر محدود کر دیا ہے اور درحقیقت ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت مذہب اسلام نے کسی مسلمان کو اُسوقت تک نہیں دی جب تک شدید ضرورت نہ پائی جاوے فرض کرو کہ اگر ایک بی بی سے اولاد نہ ہوتی ہو اور عورت ہی میں کوئی نقصان ہو تو مرد اگر اولاد کی خواہش میں جس سے کوئی دل خالی نہیں ہے دوسرا نکاح نہ کرسکے تو کسقدر مایوسی کی بات ہے علیٰ ہذالقیاس اگر اولاد کی محرومی مرد کے کسی نقصان سے ہو تو عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی کے حضور میں مرد سے طلاق دلانے کے واسطے نالشی ہو۔ فرض کرو کہ کسی مرد کی خواہش اور قوت ایسی بڑھی ہوئی ہو کہ اُسکو دوسری بی بی کی حاجت ہو تو کیا گناہ ہے اگر وہ دوسرا نکاح کرے رہی یہ بات کہ عورت کو ایسی اجازت کیوں نہ ہو اُسکا یہ حال ہے کہ اس معاملہ میں مرد ہی کو ترجیح دینا ضرور تھا ایسی اجازت میں نطفہ کچھ تحقیق نہ ہوتا میراث میں نہایت جھگڑا پڑتا قطع نظر اسکے مرد اور عورت کی بناوٹ یہی بات چاہتی ہے کہ مرد کو ترجیح کا حق حاصل ہو عورت پر ہر مدت حمل میں اور بعد وضع حمل ایک مدت ممتد ایسی

گذرتی ہے کہ وہ مقید ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ ہر وقت آزاد رہتا ہے تمام دنیا میں اور
اُن ملکوں میں بھی جہاں عورتوں کے حقوق مردوں سے کچھ کم تسلیم نہیں ہوتے اب تک روپیہ
پیدا کرنے اور گھر کا انتظام قایم رکھنے اور کاروبار چلانے کا کام اکثر بلکہ عموماً مردوں ہی سے متعلق ہے
پس یہ تمام ترکیب اعضا اور لیاقتیں اور ذمہ داریاں جو مردوں میں ہیں بلاشبہ اس لائق
ہیں کہ اُن عورتوں پر ترجیح حاصل ہو۔

بایں ہمہ اس ترجیح سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتوں کے حق میں ناانصافی
اور بیرحمی اور ظلم جائز رکھا جاوے یہ تمام باتیں مذہب اسلام کے برخلاف ہیں مسلمانوں کے
مذہب میں فریقین کو نہایت تاکید ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت پیار اور
محبت سے رہیں۔ مردوں کو یہ نصیحت ہے کہ عورتیں اگر کوئی تلخ بات بھی کہیں تو اسپر
صبر کریں۔ مرد جب دوسرا نکاح کرے تو اوسپر فرض ہے کہ نفقہ اور محبت اور باری میں غرض
کہ جملہ باتوں میں اپنی سب بیبیوں میں مساوات اور عدل کو نگاہ رکھے اور علے قدر مراتب سبکی
خاطر اور تواضع اور دلداری کرتا رہے۔ اس موقع پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے
کہ ایک بی بی کا حسن وجمال مرد کو دوسری بی بی کی نسبت اپنی طرف زیادہ مائل کر لیوے
اور اُس حالت میں مرد اعتدال قایم نہ رکھ سکے اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن مذہب
اسلام پر یہ اعتراض اس لئے وارد نہیں ہو سکتا کہ اُس میں نکاح آخر کی اجازت مرد کو اُسی
حالت میں ہے جبکہ مرد اعتدال کر سکے ورنہ وہ فعل معصیت میں داخل ہو گا اور درحقیقت
یہ قید اعتدال بین الزوجتین کی ایسی سخت ہے کہ ہر آدمی اُسکو پورا نہیں کر سکتا پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عدل اور مساوات اپنی بیبیوں میں برتی یہانتک کہ ہر ایک کو
تجرہ پر مٹی تول تول کر ڈالی اس سے عام مسلمانوں کو تعدد نکاح کی مشکلات سے مطلع

کر دیا اور ایک منجانب اللہ اشارہ ہے اسبات کی طرف کرحتے الامکان ایک ہی
بی بی پر قناعت کرنا چاہیے چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے فی صدی پانچ مسلمان بھی ایسے
نہیں ہیں جو ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے ہوں۔

لیکن چونکہ سچا مذہب ایسا ہونا چاہیے تھا جس میں ہر ایک موسم اور ملک اور فرد بشر
اور ہر ایک مزاج کی رعایت ملحوظ ہو اس لئے یہ بات ضرور تھی کہ مرد ایک نکاح سے زیادہ
کے واسطے ایک مناسب حد تک مطلقاً منع نہ کئے جاویں تاکہ اُن مضرتوں کا بھی علاج
باقی رہے جو ایسی منع کیحالتیں پیش آتی ہیں۔ نپولین بوناپارٹ اگر مسلمان ہوتا تو کبھی
اس وقت میں نہ پڑتا جو اُس کو اپنی پہلی بی بی جوزی فین سے اولاد نہونے اور ماریالوئیا
شہنشاہ اسٹریا کی دختر سے دوسرا نکاح کرتے وقت پیش آئی۔ نپولین نے مجبور ہو کر اُس قانون پر
عمل کیا جو کارخانہ قدرت کے موافق اور مسلمانوں کے مذہب کے مطابق تھا +

طلاق اُن سب نارضامندیوں کا آخر علاج ہے جسکے سبب کوئی گھر اور خاندان
معرض پریشانی اور تباہی میں ہو ہم پوچھتے ہیں کہ انسان آخر بشر ہے میاں اور بی بی میں
اگر کوئی ایسا رنج پیدا ہو گیا جس کا تدارک اور طرح پر ناممکن ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ دونوں
اُسی مایوسی اور پُر رنج حالت میں اپنی زندگی بسر کریں یا یہ مناسب ہے کہ دونوں رنج
سے خلاص ہوں اور خوشی حاصل کرنے کی فکر کریں۔ مرد اگر کسی بی بی سے نہایت آزردہ
ہو اور عدل قایم نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنی بی بی کو طلاق دیکر اُس رنج سے خلاصی پا سکتا
ہے۔ بی بی دوسرا نکاح کرکے اُس مایوسانہ حالت سے نکل سکتی ہے تاہم مذہب اسلام
نے اسبات کی بہت کچھ روک تھام کی ہے کہ طلاق کی رسم عام نہو جاوے اور ایسا
مستقل رشتہ بات کی بات میں یا غصہ کی حالت میں منقطع نہ ہو جاوے اِس لئے

ایک یا دو مرتبہ لفظ طلاق منھ سے نکل بھی جاوے تو بھی پھر رجعت ہوسکتی اور تیسرے دفعہ کی محتاج رہ جاتی ہے اور طلاق مغلظہ کے بعد اگر میاں بی بی پھر آپسمیں راضی بھی ہوجاویں تو اوسوقت تک کافی نہیں جب تک کہ بی بی نے کسی غیر شخص سے نکاح کرکے طلاق نہ پائی ہو یہ اس لئے کہ طلاق کوئی ہنسی کھیل نہ ہوجاوے اور مرد یہ خوب سمجھ لے کہ طلاق کے موثق ہو جانے کے بعد پھر کسیطرح وہ اپنی بی بی کو نہیں پاسکتا اس لئے کہ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا اور پھر طلاق پانا نہایت شاذ ہے۔

الغرض میاں اور بی بی کے تعلقات کو جیسا عمدہ مسلمانوں کے مذہب نے قایم کردیا اور جسقدر رعایت اسات کی کہ گھروں کے فسادات دور ہوں زنا اور بدکاری سے مرد اور عورت دونوں محفوظ رہیں اور بدسلوکی و بداخلاقی پاس نہ آنے پاوے نبیؐ اُمّی کی بدولت مسلمانوں میں برتی گئی ممکن نہیں کہ مسلمان اُس کا شکر یہ ادا کرسکیں اور ناممکن تھا کہ بڑے بڑے عقلمند فی زمانہ اور ماہران فن اصول قوانین بھی باہمی مشورتوں سے ایسے مختصر اور عام فہم لفظوں میں ایسی آسانی سے ایسے اصول قایم کرسکتے مگر افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اپنے عمدہ مذہب کی اصلی خوبیوں کی طرف خیال نہیں فرماتے اور ایسی ایسی وحشیانہ اور ظالمانا حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جو بالکل خدا اور رسُول کے حکم کے برخلاف ہیں اور جن کی نسبت ضرور ایک نہ ایک دن اُن سے باز پرس ہوتی ہے اور اپنے اُن نامعقول افعال کو جن کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے مذہب اسلام کے مطابق خیال کرنے سے مذہب اسلام کو داغ لگاتے ہیں اُن بیکس لڑکیوں کو جن کے کمبخت ماں باپ مصیبت اور قحط کے دنوں میں بیچ ڈالنے کے حیلہ سے چھوڑ جاتے ہیں شرعی لونڈیاں سمجھا گیا ہے کیا یہ غیرت کی بات نہیں ہے اور کیا یہ مسلمانوں کی رسوائی کا باعث نہیں ہے

اور کیا یہ آفت اس لایق نہیں ہے کہ مسلمان اُس سے اجتناب کریں اور اعتدال سے نہ گذریں۔

حاصل یہ کہ مذہب اسلام کے بموجب تمام برتاؤ ادنےٰ سے لیکر اعلےٰ تک نہایت اعتدال کے ساتھ ہے اور جب اُس سے تجاوز کیا جاتا ہے تب ہی خرابی پیدا ہوتی ہے بہت کم لوگ ہیں جو اپنے معاملات میں اعتدال برتتے ہوں اور خصوصاً ہندوستان میں تو افراط اور تفریط کی کوئی حد ہی باقی نہیں نکاح کے علاوہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور بہت سی باتوں میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور پھر مشکل یہ ہے کہ اُن بے اعتدالیوں کو بے اعتدالی نہیں سمجھا جاتا۔

اب آجکل اسبات کا بہت کچھ چرچا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو شائستگی اور تربیت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور بڑے بڑے لوگ اسباب میں ساعی ہیں اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اُن اولو العزم لوگوں کی کوششوں کے برخلاف ہیں اور ایک بڑا مناظرہ اور مناقشہ قایم ہوا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہی ایک اصول جسپر تمام باتوں کا دارومدار ہے یعنی اعتدال دونوں فریق اُسی کو بھولے ہوئے ہیں۔

ایک فریق تو شائستگی کے نام سے نفرت کرتا ہے اور اُس میں کوشش کرنے کو ضلالت او رارتداد بلکہ کفر کے قریب تک نوبت پہونچا دیتا ہے اس فریق نے دنیاوی ترقی کو مذہب اسلام کے بالکل برخلاف سمجھا ہے۔ اِس فریق میں سے فی صدی ننانوے آدمی خود دُنیا میں مبتلا ہیں مگر بات کا مُنھ سے نکالنا عیب جانتے ہیں۔ خود ہر قسم کی کوشش مال و دولت اور نام و عزت کے حصول کے واسطے کرتے ہیں لیکن اسبات کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص اُسکو باقاعدہ حاصل کرنے کیواسطے کوشش کرے اور آوروں کو بھی وہ قواعد سکھلا دے۔

دوسرے فریق نے برخلاف اُس کے یہ سمجھا کہ شایستہ قوموں سے میل اور ملاپ قایم رکھنے سے اپنی قوم بھی شایستہ اور مہذب ہو سکتی ہے اور یہ خیال انکا بالکل درست تھا لیکن اُنھوں نے جو طریقہ اس مقصد کے حصول کے واسطے اختیار کیا اور اتبک بھی بعض بڑے بڑے نامی مسلمان بعض وقت اُسی کی پیروی کرتے ہیں وہ ایسا خراب تھا کہ اُس کے سبب سے اصل مطلب بھی فوت ہو گیا اور بجائے اس کے کہ سچے مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول کی طرف کچھ رغبت ہوتی اور زیادہ نفرت ہو گئی اور دن بدن وہ نفرت ترقی پکڑتی جاتی ہے اور یہ ایک بڑی خرابی کی بات ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ تمام خرابیاں صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ مذکورہ بالا فریق نے اعتدال سے بڑھ کر قدم رکھا۔

مشہور بات ہے کہ بڑے بڑے قاضی القضات اور نیچی نیچی ڈاڑھیوں والے وہ مولوی صاحب وقبلہ جو ہندوستانی ناچ ورنگ میں شریک ہونے کو نہایت ذلیل اور بیحیائی سمجھتے ہیں (اور بالکل سچ سمجھتے ہیں) انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں بے تکلف شریک ہوتے ہیں اور اُسکو مصلحت وقت سمجھتے ہیں۔

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مع اپنے رؤسا اور امرا کے اُس بال میں (یعنی انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں) شریک ہوا جو سفیر انگلستان نے شاہزادہ ولیعہد بہادر انگلستان کے قسطنطنیہ میں تشریف لانے کے وقت اپنے اظہار مسرت کیواسطے دیا تھا۔

اب اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ ایسے ناچ ورنگ کی مجلس میں بموجب مذہب اسلام کے شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔ دوم یہ اگر ناجائز ہے تو موجودہ وقت کی مصلحت کے لحاظ سے اُس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔ شق اوّل کی نسبت تو مجھ کو اس لئے کچھ زیادہ

بحث کرنا ضرور نہیں ہے کہ جو صاحب ان ناشائستہ حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں ابھی تک اُنھوں نے خود بھی اُس کو شرعاً مباح نہیں فرمایا ہے۔ شق ثانی کے لحاظ سے مین تسلیم کرتا ہوں کہ مصلحت اندیشی بلاشبہ ایک عُمدہ بات ہے لیکن دیکھنا چاہیئے کہ مذہب اسلام میں اتنی گنجائش ہے یا نہیں کہ مُسلمان اپنے تمام افعال مذہب کی پابندی سے کرسکیں اور کوئی خرابی پیدا نہو۔ مجھ کو ایک بات یاد آئی دہلی میں جب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس جہان سے رحلت فرمائی تو اُس خاندان کے دستور کے مُطابق اُن کا جنازہ صندوق میں رکھا گیا اور اوپر سے اُسپر شامیانہ تنا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ نے جو ایک بے نظیر شخص گذرے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے اسبات کی درخواست کی کہ صندوق اور شامیانہ کی شرع میں کچھ اصلیت پائی نہیں جاتی۔ یہ دونوں بدعتیں موقوف کیجائیں۔ مولانا صاحب نے شامیانہ تو موقوف کردیا اور صندوق کی نسبت یہ جواب کہلا بھیجا کہ اسکی اصل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جنازہ کو اُن کے بیٹوں نے صندوق میں رکھا تھا۔ یہ جواب سنکر مولوی اسمٰعیل صاحب سے نہ رہا گیا اور اُنھوں نے علانیہ یہ فرمایا کہ کیا مذہب اسلام اب اسقدر تنگ ہوگیا کہ اُس میں جنازہ اٹھانے تک کے بھی پورے پورے احکام نہیں ملتے جو ہم اور انبیاء سابق علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی شریعت کی طرف رجوع لاویں۔ شاہ صاحب اپنے بھتیجے کی یہ بات سنکر پسینا پسینا ہوگئے اور مشہور ہے کہ اُسدن کے روز سے یہ سب رسمیں اُس خاندان میں سے موقوف ہوگئیں۔

جو صاحب مصلحت وقت کے حیلہ سے انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں باوجود ممانعت شریعت کے بے تکلف شریک ہوتے ہیں اُن کا مطلب معاذ اللہ اگر یہ ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں ہے جس کے ذریعہ سے مُسلمان غیر قوموں سے اپنا معاملہ اتفاق کے ساتھ قایم رکھ سکیں اور اپنا اعتبار اور اعزاز غیر قوموں کی نظروں میں پیدا کرسکیں۔ ایسے مُسلمانوں

کی نسبت یہ کہنا مناسب ہے کہ یا وہ پکّے مسلمان نہیں یا اُنہوں نے مسلمانوں کے مذہب کی تمام خوبیوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے پس ایسی رائے رکھنے والوں پرسوائے افسوس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی مولوی ہو یا کوئی قاضی القضات یا کوئی سلطان وقت ہمکو ان میں سے کسی کی خلاف شرع مصلحت اندیشی کی تقلید کرنا نہ چاہیئے۔

مسلمانوں کے مذہب میں جس قدر اُن باتوں کی تقلید ہے جن کے ذریعہ سے غیر قوموں میں مسلمانوں کا اعتبار اور اعزاز قایم رہے ایسی شاید اور کسی مذہب میں نہو یہی نکتہ ہے جس کی نسبت حافظ شیرازؒ فرماتے ہیں۔

در میانِ شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف
نکتہ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو

دغا اور فریب سے بچنا ہمارے مذہب کا تمغہ ہے ایک مرتبہ کسی صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا چھوٹ گیا اور وہ صحابی خالی توبرہ اُسکو دکھلا دکھلا کر اُسکے پکڑنے کی فکر میں ہوئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی سے پوچھا کہ اس توبرہ میں کچھ ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اُس میں کچھ دانہ یا گھاس ضرور ڈال دو ورنہ یہ فعل دغا اور فریب سے سمجھا جاویگا۔ پس خیال کرو کہ جس مذہب کے بانی نے جانوروں کے ساتھ ایسی ایسی خفیف باتوں میں بھی دغا اور فریب نہ کرنے کی یہانتک احتیاط کی اُس نے انسانوں کے آپس کی برتاؤ میں کس قدر اُسکی تاکید کی ہوگی۔ پس یہ ایک ایسی عمدہ صفت ہے کہ ہم اُسکی بدولت ہم غیر قوموں سے بہت اچھی طرح ملاپ قایم کر سکتے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم اُن کے سامنے جھوٹ نہ بولیں اپنی غرض کیے واسطے اُن کو دھوکہ نہ دیں۔ گو اپنا نقصان ہی ہوتا ہو بات جب کہیں سچی کہیں اور کام جو کریں صفائی دل اور نیک نیتی سے کریں وفائے عہد

جس کی نسبت اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا
مسلمانوں کے لئے مذکورۂ بالا مقصد کے حصول کے واسطے نہایت عمدہ قانون ہے خود زمانہ
مسلمانوں کے عروج اور کمال کا زمانہ گذرا اُس میں بھی مسلمان اپنی اسی یکرنگی اور وفائے عہد
کے سبب سے دنیا کی تمام قوموں کی نظروں میں معزز اور ممتاز تھے مسلمان کبھی اپنے دشمنوں کو اس
بات کا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نسبت اس قسم کا الزام لگا سکیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح جو شام کی لشکرکشی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار تھے
اُنہوں نے ایک عیسائی حاکم سے صلح کی اور یہ عہد کرلیا کہ اہل عرب عہد نامہ کی مدت تک
تمہاری سرزمین میں دست اندازی نہ کرینگے۔ عیسائیوں نے اس قرارداد پر پورا پورا عمل ہونے
کے واسطے اپنی حد پر ایک منیار تعمیر کرایا اور اپنے حاکم کی تصویر اُس پر قایم کردی۔ اہل عرب
جب اُس تصویر تک پہونچتے تھے تو ایفائے عہد کی غرض سے آگے نہ بڑھتے تھے۔
ایک دفعہ کسی اتفاق سے اُس تصویر کی آنکھ میں کچھ نقصان آگیا عیسائیوں نے اُس کی
شکایت کی کہ اہل عرب نے اِس آنکھ کو ناقص کردیا ہے اور یہ ایک نقض عہد ہے۔ حضرت
ابو عبیدہ یہ بات سنتے ہی کانپ گئے اور اُن شکایت کرنے والوں کے سامنے اپنی دونوں
آنکھیں کردیں کہ اگر تمہارے گمان میں یہ کام ہماری طرف سے ہوا ہے تو جو نسی آنکھ
تمہاری تصویر کی ناقص ہوگئی ہو وہی آنکھ تم میری ناقص کردو یہ تکلیف مجھکو نقض عہد کے
الزام عاید ہونے سے آسان تر ہے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کے سردار کی اس ہمت پر آفرین
کی اور اُس فعل سے باز رہے۔

اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو وقار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور اُن کے ساتھی مسلمانوں
کا رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین اس عمدہ صفت کے ذریعہ سے اُسوقت کے عیسائیوں میں ہوا

کیا سلطان روم اور اُن کی امرا اور رؤسا کا وہی اعتبار اپنے اس فعل نامشروع کے ذریعے حال کی غیر قوموں کی نظروں میں ہو سکتا ہے۔ حاشا کہ اسکا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتا۔ سلطان نے اگر یہ غلطی کی تو بہت برا کیا اور مسلمانوں کو ہرگز اسکی تقلید مناسب نہیں ہے۔ ہم نے جب اپنے مذہب کے خلاف کام کر کے غیر قوموں میں اپنا اعتبار بھی پیدا کیا تو ہم کیا فیض کو پہونچ سکتے ہیں جن قوموں کے خوش کرنے کیواسطے یہ وتیرہ اختیار کیا وہ بھی تو نادان نہیں جب وہ یہ دیکھیں گے کہ ہم خلاف شرع کام اُن کی خوشامد سے کرتے ہیں تو وہ بھی ہم کو حقارت سے دیکھیں گی اور جو رسوائی ہم کو دُنیا میں اور مسلمانوں کی نظروں میں اور عاقبت میں خدا اور رسول کے سامنے ہو گی۔ وہ اسپر مستزاد ہے۔

جو کام ہم اختیار کریں ضرور ہے کہ اُس میں ہر پہلو اور ہر جانب کا خیال کریں اور خصوصاً اپنے مذہب کی طرف سے ہر قسم کی احتیاط کریں دُنیا کی اصلاح مسلمانوں کے مذہب کے برخلاف نہیں ہے بلکہ عین مقصود شارع ہے۔ کچھ شک نہیں کہ خدانخواستہ اگر تمام مسلمان مفلس قلاش ہو جائیں تو مسلمانوں کے مذہب کی بھی رونق باقی نہ رہیگی لیکن یہ سب کچھ اُسی وقت ہے جب کسی ترقی دنیاوی سے ہمکو اپنے مذہب میں کسی نقصان کے آنے کا اندیشہ نہو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اعوذ باللہ من الغنی المطغی و اعوذ باللہ من الفقر المکب یعنی اے اللہ مجھ کو پناہ میں رکھ ایسی دولت اور ثروت سے جس سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی تنگی اور محتاجی سے جس سے آدمی چلا اُٹھے خود خدا تعالےٰ نے ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ پس یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اپنی دُنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ضرور نہیں ہے۔ مگر ہاں اُس میں صرف اس قدر متوجہ ہوں کہ اپنے نماز روزہ کی طرف سے بھی غافل

نہ ہو جاویں۔

ہر ایک مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کی عزت اور اسلام کی رونق زیادہ ہوتی گئی اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ گذر گیا اور کچھ دنوں بعد مسلمان بادشاہوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی شاہانہ ٹھاٹ درست کئے اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ مذہب کی طرف سے غافل یا کاہل ہو گئے وہی مفتوحہ ملک اُن کے قبضہ سے رفتہ رفتہ نکلنے شروع ہو گئے ہیں نے یہ کیفیت صرف مسلمانوں کی بیان کی اور حقیقت میں تمام قوموں اور سلطنتوں کا یہی حال ہوا جب اُن قوموں اور سلطنتوں میں اپنے اپنے مذہب کے برخلاف کام ہونے لگے اُن سلطنتوں میں زوال آگیا پس مسلمانوں کو ہر ایک ترقی اختیار کرتے وقت اپنے مذہبی ارکان کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

عام محبّت

یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ محبّت اور دوستی

آج کل ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض مسائل کا تصفیہ اکثر اس مصلحت پر مبنی ہوتا ہے کہ غیر مذاہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبّت شرعاً ممنوع ہے۔ بہت سی باتیں جنکو ہماری سہل شریعت نے مباح کر دیا ہے وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مذموم بلکہ ناجائز سمجھی جاتی ہیں۔ غیر مذہب والوں کے ساتھ کھانا اور پینا جو فی نفسہ مباح ہے اسی ایک مصلحت کے

سبب سے متروک ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض مقدس مزاج اور محتاط طبیعتیں غیر مذہب والوں کے ساتھ آمد ورفت اور نشست و برخاست کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ علماء اسلام کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا اور مافیہا کے حالات سے تو مطلق آگاہی نہیں رکھتے اُن کو یہ کچھ نہیں معلوم کہ اور ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ہم کو کیا کرنا چاہیئے وہ نیک نیتی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر غیر مذہب والوں سے اس قسم کی راہ و رسم جاری کی جاوے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عوام اہل اسلام جو اپنے مذہبی مسایل سے ناواقف یا کم واقف ہوتے ہیں وہ غیر مذہب والوں کی صحبت میں خراب اور اپنے دین و مذہب سے منحرف ہو جاویں گے۔ اسلیئے وہ بالقصد مسلمانوں کو مباحات شرعیہ کے عمل میں لانے کی اجازت نہیں دیتے اور خود اس لیئے اُن کا استعمال نہیں کرتے کہ جو بات باپ دادوں سے نہیں ہوئی اُسپر جرأت کرنا مشکل ہے۔ اور جن عالموں کی ثابت قدمی اس مشکل پر غالب بھی آسکتی ہے وہ اس لئے ان مباحات سے کنارہ کر جاتے ہیں کہ ہم کو کرتا ہوا دیکھکر عوام بھی ویسا ہی کرنے لگیں گے۔ اور پھر وہی خرابی پیش آوے گی جس کا اندیشہ ہے حالانکہ یہ اندیشہ بالکل غلط اور اس غلطی کا یہ علاج اور زیادہ غلط ہے۔ عوام کا عقیدہ جن کا عمل بالکل یومنون بالغیب پر ہے اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہدایہ اور صدرے پڑھنے والے طالب علموں کو اپنے بعض مذہبی مسائل کیطرف تردد ہو جاتا ہے مگر عوام کو کبھی خواب میں بھی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی۔ اور یقیناً یہی کیفیت غیر مذہب والوں کی صحبت میں بھی باقی رہیگی۔ پس عوام کے خوف سے اپنے مسائل کو آزادی سے بیان کرنے میں تامل کرنا بلکہ ٹال جانا اور اسکو اپنے وہمی اندیشہ کا علاج خیال کرنا حقیقت میں سخت الزام کی بابت بلکہ گناہ اور معصیت میں داخل ہے اور اپنی شریعت میں ایک قسم کی تحریف ہے۔

اور ایسے عالموں اور عابدوں سے بھی زمانہ خالی نہیں ہے جو اُن مباحات سے صرف اس غرض سے متمتع نہیں ہوتے کہ ہمارا تشخص اور تقدس صاحبان دول کے دلوں میں جو اُن کے مایۂ توکل ہیں اور اُن کے باعث رونق ہیں قایم رہے۔ اس اخیر گروہ کی ذلت تو اب خدا کی عنایت سے روز بروز کاہل ہوتی چلی جاتی ہے اُمرا بھی اب اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ اور اہل مذاق نے اپنی اصطلاح میں اُن کا لقب تحصیلدار رکھ لیا ہے۔ جو اوقات معین پر دورہ کرتے ہیں اور اپنا نذرانہ معینہ وصول کر لے جاتے ہیں اس مضمون میں ان تحصیلداروں کے اعمال و افعال سے کچھ بحث نہیں ہے بلکہ گفتگو اوّلِ الذکر فرقوں کے خیالات سے ہے۔

پس واضح ہو کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبّت من حیث الدین اور یہ وہ محبّت ہے جو مسلمانوں کے باہم صرف توحد مذہب کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان عالم اور دیندار جس کو پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا ہو اسی محبت کے سبب ہمارے نزدیک واجب التعظیم ہوتا ہے۔ اسی جوش مذہبی کے سبب اُس دیندار اور عالم کی محبت ہمارے دل میں اثر کر جاتی ہے۔ پس یہ محبت مسلمانوں کو صرف مُسلمانوں سے ہوسکتی ہے اور مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں دنیا میں جس قدر اہل مذاہب ہیں اُن سب کی یہی کیفیت ہے کسی مذہب کا آدمی دوسرے مذہب والوں سے محبت من حیث الدین پیدا نہیں کر سکتا۔

دوسری قسم کی محبّت وہ ہے جو امور معاشرت اور روز مرّہ کے دنیاوی برتاؤ کے واسطے خدا نے آفرینش عالم کے ساتھ ساتھ پیدا کی ہے اور وہ ایسی ضروری شے ہے کہ نظام عالم کے بڑے بڑے ارکان اُسی پر منحصر ہیں ماں باپ کو اپنے بچّوں سے بھائی کو بھائی سے میاں کو بی بی سے اور بی بی کو میاں سے اپنے خاندان والوں سے اپنے ہم محلہ سے

اپنے شہر والوں سے اپنے ملک والوں سے اپنے ہمجنسوں سے اور اپنے مددگاروں اور اپنے محسنوں سے جو محبت ہر انسان کو ہوتی ہے وہ اسی دوسری قسم کی محبت ہوتی ہے البتہ محبت من حیث الدین اکثر اس محبت من حیث المعاشرت سے شامل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر ہم یہ دعوے کریں کہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے اسلئے محبت ہوتی ہے کہ بظن غالب آخر وہ اولاد اپنے ماں باپ کے مذہب کی پیروی کرینگے تو اس بات کی کیا وجہ ہوگی کہ چوپایوں اور پرندوں میں بھی جو کچھ مذہب نہیں رکھتے ایسی ہی محبت پائی جاتی ہے جیسی انسانوں میں ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ محبت من حیث المعاشرت ایک دوسری قسم کی محبت اور ایک قدرتی اثر ہے جو محبت من حیث الدین سے بالکل علیحدہ ہے لیکن یہ دونوں محبتیں باہم ایک دوسرے کے مخالف اور ضد نہیں ہیں۔ ایک جوش مذہبی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے محبت من حیث الدین کو تو پیدا کر دیتا ہے لیکن محبت من حیث المعاشرت کو جو فی نفسہ ایک جدا شے ہے منقطع نہیں کرتا اور نہ اس سچے جوش مذہبی میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ کسی محبت من حیث المعاشرت کو ہمذہبوں یا غیر مذہبوں سے منقطع کر سکے۔

غالباً میرے اس اخیر بیان سے کہ جوش مذہبی محبت من حیث المعاشرت کو جو کسی غیر مذہب والے کے ساتھ ہو منقطع نہیں کر سکتا کمتر شخص اتفاق کریں گے۔ اس وقت بیشتر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ جوش ایمانی ایسی محبت کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ جوش ایمانی اور محبت من حیث المعاشرت کو جو غیر مذہب والوں سے ہو دو متضاد خاصیتیں تبلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے ایجاب سے دوسری کا سلب لازم آتا ہے لیکن جہانتک میں نے غور کیا ہے اور جہاں تک مجھ کو تجربہ ہوا ہے میرے نزدیک اُن کے اِس دعوے

کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ایک جوش جو آجکل کے مسلمانوں کے اعتقادوں کے بموجب محبت من حیث المعاشرت کو غیر مذہب والوں سے منقطع کرتا ہے وہ حقیقت میں کوئی ایمانی جوش نہیں ہے وہ اُن متعصبانہ خیالات کا جوش وخروش ہوتا ہے جن کو نور ایمانی سے کچھ لگاؤ نہیں ہوتا لیکن غلطی سے لوگ اُسکو مذہبی جوش سمجھنے لگتے ہیں اور میں نے خود بھی پہلے ایک عرصہ تک خدا کے احکام پر غور سے نظر نہیں کی تھی ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن جب اُسکو غور سے اور انصاف سے دیکھا تو اس جوش وخروش کو دھوکہ کے سوا اور کچھ نہ پایا اور ان لغو خیالات کی بنا ایک بڑی باریک غلطی پر نکلی چنانچہ اس مضمون میں ہم اُس غلطی کو مفصل بیان کرینگے۔

غیر مذہب والوں کے سر میں سینگ نہیں ہوتے جن کی خلش سے ہم اُن سے نفرت کریں کوئی غیر مذہب شخص اگر علانیہ ہمارے مذہب یا ہمارے دین کے پیشواؤں کی نسبت دشنام دہی کرے تو بلاشبہ ہمارے دل کو سخت کڑوا معلوم ہوگا اور ممکن نہیں ہم ایسے شخص سے محبت من حیث المعاشرت قایم رکھ سکیں لیکن یہ نفرت ہم کو اُسکی بے تہذیبی کی وجہ سے پیدا ہوگی نہ اُسکی مغایرت مذہبی سے کوئی غیر مذہب شخص اگر فی الواقع ہم سے ذاتی نفرت کرتا ہو اور ہماری طرف سے اُس کو دلی عناد اور تعصب ہو تو ہمارے دل میں بھی اُسکی طرف سے سچی محبت کا اثر نہیں ہو سکتا اور اسلئے ہم بھی اگر اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے تو کوئی زبان یا قلم ہمکو ملزم نہیں ٹھہرا سکتا اور اگر ہم سچائی اور راستبازی کا استعمال کریں اور اپنے ظاہری برتاؤ کو اپنی دلی کیفیت سے مطابق کریں تو یہ نہایت بہتر اور مردانہ کارروائی میں داخل ہے۔ وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور ان جملہ مذکورہ بالا کیفیتوں میں سے جب کوئی کیفیت نہ پائی جاوے اور کسی شخص پر سوائے دوسرے مذہب میں ہونے کے اور کوئی الزام نہ ہو تو اُس سے بیٹھے بٹھائے کی ناحق عداوت کیوجہ

اسکے سوا شاید اور کچھ نہ ہوگی کہ وہ ہمارے سچے مذہب کو جھوٹا سمجھتا ہے اور جس مذہب کو ہم بُرا جانتے ہیں وہ اُس کو اچھا جانتا ہے لیکن انصاف اور عقل کے نزدیک یہ وجہ ہرگز اُس سے نفرت اور عداوت کرنے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے اگر ہمارے مذہب کو بُرا سمجھا تو ہم نے بھی اُس کے مذہب کو ایسا ہی خیال کیا ہے۔ ہم کو اگر طیش ہے کہ اوس دوسرے نے ہمارے سچے مذہب کو بُرا خیال کیا ہے تو اوس دوسرے شخص کو بھی ایسا ہی طیش ہوگا۔ غرض کہ یہ ایک رائے کا اختلاف ہے عداوت اور دشمنی کی کوئی وجہ اُس سے پیدا نہیں ہوتی۔

ایک شہر جس کی آب و ہوا درحقیقت نہایت عمدہ اور صحت بخش ہو کوئی دوسرا شخص اگر غلطی سے اُسکو ناقص خیال کرے یا کوئی مریض کسی نہایت نافع دوا کے استعمال کرنے سے اس خیال خام سے باز رہے کہ وہ دوا مضر ہے تو ایسی ناسمجھوں پر بلاشبہ افسوس پیدا ہوگا نہ عداوت اور بغض۔ ہمارا یہ خیال کہ وہ نادان شخص اُس عمدہ آب و ہوا کے مقام کو کیوں ناقص بتلاتا ہے۔ اور وہ مریض کیوں ایسی اچھی دوا کو استعمال نہیں کرتا یا ہمارا یہ خیال کہ کوئی غیر مذہب والا شخص ہمارے اس عمدہ مذہب کی پیروی کیوں نہیں کرتا بالکل ایک سے خیالات ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ اول دو خیالوں سے ہم کو ایسی بے چینی پیدا نہ ہو جو عداوت کے درجہ تک پہنچ جاوے اور یہ اخیر خیال ہم کو ایسا بے آرام کر دیوے کہ ہم ایک لمحہ بھی کسی شخص کو غیر مذہب کی پیروی میں ترچھی نگاہوں بغیر نہ دیکھ سکیں۔

یہ بے چین حالت اگر درحقیقت نور ایمانی اور جوش مذہبی سے کچھ علاقہ رکھتی تو ہماری بہ نسبت انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں مستغرق رہنے کے زیادہ سزاوار تھے حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں اس حالت کو پسند نہیں کیا بلکہ اُس سے منع کیا ہے کما قال اللہ تعالے عز و جل۔ وان کان کبر علیک اعراضہم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض

او سلما فی السماء فتاتیھم باٰیۃ ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن

من الجاھلین یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر تمکو کافروں کا اعراض کرنا ناگوار ہی تو اگر تسے

ممکن ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑہی لگاؤ اور وہانسے کوئی نشانی اُن کے

واسطے لے آؤ۔ اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت دیتا پس تم نادان نہ بنو۔

اس بے چینی کے علاوہ ایک بڑا سبب اس نفرت کا یہ بھی ہے کہ اکثر مسلمان یہ خیال

کرتے ہیں کہ "ہم کو خدا تعالےٰ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنے کو قطعًا منع

کر دیا جس طرح فرمایا خدائے پاک نے لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین

یا فرمایا کہ لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء یا ارشاد ہوا لا تتخذوا عدوی

وعدوکم اولیاء۔ اسی طرح اور اکثر آیتیں اسی تاکید میں موجود ہیں جن کا صاف

یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب والوں سے دوستی اور محبت کرنا بالکل منع ہے

خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مشرک" حقیقت میں یہ خیال بہت سے مسلمانوں کے

دلوں پر اثر کر گیا ہے اور علماء زمانہ نے اُسکو اور بھی عطر بود کر دیا اب سچی بات کا زبان سے

نکالنا تک نہایت مشکل ہو گیا ہے۔

مسلمان اگر غور اور انصاف سے دیکھیں تو وہ صاف اس بات کو معلوم کر لینگے کہ اگر

درحقیقت مذہب اسلام کے مسائل کا ایسا ہی حال ہو جیسا اُنکا خیال ہے تو مذہب اسلام

سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں کوئی دوسری آفت اور وبال نہو گا۔ جن غیر قوموں اور غیر

مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کو بمقتضائے ضروریات بشری اپنا کاروبار جاری کرنا

پڑتا ہے یا آئندہ پڑے یا جو غیر قومیں مسلمانوں پر حکمرانی کریں اُنکو مسلمانوں کی طرف سے

رفاقت کی کیا امید ہوگی اور کس بھروسہ پر وہ صفائی دل سے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

میں راستبازی کرینگی اور وقت پر اُن کی ضرورتوں کے سرانجام میں اُن کی مددگار ہونگی۔ ہمارے عالموں نے ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک شرعی حیلہ یہ تصنیف کرلیا ہے کہ ضرورت کے واسطے غیر مذہب والوں سے ضروری ملاپ جائز ہے۔ یہ راز اگر اسرار تصوف کی طرح سینہ بسینہ چلا آتا تو شاید کچھ کام کا بھی ہوتا لیکن جب اوس سے کتابیں مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں اور اُس کی بنا قرآن پاک کی اس آیتہ پر قایم ہوئی۔ الا ان تتقوا منہم تقاہ تو اب وہ راز مخفی نہیں رہ سکتا۔ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ غیر قومیں کوئی احمق یا غافل نہیں ہیں جو ہمارے داؤمیں آجاوینگی وہ ایسی اندھی نہیں ہیں کہ جب مسلمان اپنی ضرورتوں کے وقت اُن کے سامنے خوشامد اور جھوٹے اظہارات محبت اور دوستی سے پیش آویں تو وہ اُن کی اس منافقانہ کارروائی سے نفرت نہ کریں اور ہمارے اس خودغرض اور ذلیل طریقہ کے سبب سے ہم کو وہ ذلت کی نظروں سے نہ دیکھیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک مسلمان صفائی قلب سے کسی قوم سے نہ ملینگے تب تک ہرگز وہ قوم ہماری شریک حال نہیں ہوسکتی نہ وہ ہماری کسی کام میں مدد کرسکتی ہے اور نہ ہم سے صفائی کے ساتھ مل سکتی ہے۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ جو حالت مسلمانوں کی ہندوستان میں اور نیز اور ملکوں میں بالفعل ہے وہ کسقدر غیر قوموں اور غیر مذہب والونکی امداد اور دستگیری کی محتاج ہے اور جبکہ یہ بات بھی ہمارے ایمان میں داخل ہے کہ خدا کو یہ سب کیفیت جو مسلمانوں پر اب طاری ہے یا آئندہ طاری ہوگی سب کچھ روز ازل سے معلوم تھی اور اسپر بھی ہم ایمان لائے ہیں کہ اب اور کوئی نبی ہماری شریعت کی اصلاح کے واسطے یا کوئی دوسری شریعت لیکر نہ آویگا اور ہماری شریعت اب ہر طرح کامل اور مختتم ہے اور اُس شریعت کے احکام صحیح فرض کیے جاویں جن سے ہم نے اوپر اختلاف کیا ہے تو گویا زبان حال سے ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کو باوجود اس تمام عظم وشان کے اتنی

بھی لیاقت نہیں ہے جو وہ اپنے پیارے مسلمانوں کے واسطے ایسی شریعت مقرر کرتا جس کے احکام ہر وقت کی تبدیلیوں کے لحاظ سے اُن کی بقاء عزت وآبرو اور اُنکی تمام ضروریات کے سرانجام کیواسطے کافی اور وافی ہوتے۔ اگر یہ نہیں تو دوسری بات یہ تسلیم کرنی پڑیگی کہ خدا نے ہمکو دھوکہ میں رکھا اور ہم کو ایک ایسی شریعت میں پھانسا جس کے احکام خود بخود ایک وقت میں ہماری تباہی اور بربادی کا موجب ہوجاویں تمام اور قومیں ہماری دشمن ہوجاویں اور ہر شخص حقارت کی نظر سے ہمارے اوپر تھوکا کرے۔ نعوذ باللہ منہا ؛

مگر الحمد للہ کہ نہ ہمارا خدا ایسا بے وقوف ہے اور نہ ہماری شریعت غرہ مصطفویہ ایسی مہمل شریعت ہے۔

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ہمارا خدا جس نے اپنے سچے نبیؐ کے ذریعہ سے اپنے پُر حکمت احکام ہماری ہدایت اور عمل کیواسطے بھیجے سب سے زیادہ دانا اور بینا اور حکیم ہے۔ اُس حکیم مطلق نے جو شریعت ہمارے واسطے مقرر کی وہ جیسی وسعت میں کامل ہے ویسی ہی برتاؤ میں سہل ہے اپنے برتاؤ کے لحاظ سے جیسی وہ شریعت ایک بہت عمدہ موسم میں کسی جوان آدمی کی جوانی کے مناسب حال ہے ویسے ہی ایک نامناسب موسم میں وہ ایک پیر و ضعیف مرد کی ضعیفی کے مناسب ہے اپنی وسعت کے لحاظ سے وہ تمام گذشتہ شریعتوں سے فراخ تر ہے اُسکی ہر حکمت اور نہایت آسان احکام کا یہ قدرتی اثر ہے کہ مسلمان ہر ایک انقلاب کی حالت میں خوشی سے بسر کریں مذہب اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ کسی قوم یا مذہب والے کیطرف سے دل میں عداوت کینہ اور بغض قایم کیا جاوے جو بالکل انسانیت کے برخلاف ہے قرآن شریف کی تمام مذکورہ

بالا آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر مذہب والے مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اُنکے گھروں سے نکالا ہے اُن سے محبت اور دوستی نہ رکھنا چاہیئے اُن سے صرف اُس قدر معاملت جائز ہے جس سے اپنا بچاؤ رہے اور یہ اخلاق انسانی کا ایک ایسا معتدل حصول ہے جس سے کسی مذہب کا آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ دو لشکر جو آپس میں مقابل ہوں اُن میں سے ایک گروہ کے بعض لوگ دوسرے گروہ والوں سے دوستانہ راہ و رسم جاری کریں اور اپنے لشکر کی سب خبریں دوسرے لشکر والوں کو پہنچا دیں اور لشکر کے ضعف اور غنیم کی قوت کا باعث ہوں۔ پس جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر مذہب والوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے وہ سب اسی قسم کی دوستی اور محبت ہے اور وہ دوستی اور محبت جو من حیث المعاشرت ایک انسان کو دوسرے انسان سے لازمی ہے۔

فرمایا اللہ پاک نے قرآن بزرگ میں۔ لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔ یعنی اللہ تعالےٰ تمکو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جو لوگ تم سے دین کے معاملہ میں نہیں لڑے اور جنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ تم احسان اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ جس بات سے تمکو منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دین میں تم سے لڑے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالا یا تمکو تمہارے گھروں سے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اُن سے دوستی نہ کرو اور جو لوگ اُن سے دوستی کرینگے وہ ظالم ہیں"۔ یہ آیت تمام آیات ترک موالات اور ترک رفاقت وغیرہ کی صاف صاف تفسیر ہے جس کے سامنے کسی اور

تفسیر کی حاجت نہیں ہے ۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے غیر مذہب والوں کے تحائف قبول کئے اُنکی دعوتیں منظور کیں جو بالکل محبت کے مقدمات ہیں۔ خدا نے ہم کو یہ اجازت دی کہ جن غیر مذہب والوں سے تمھاری دینی لڑائی نہیں اُن سے ملو اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ہم اپنے مذہب کی رُو سے لازم ہے کہ جہاں ہم محکوم ہوں وہاں اپنے حاکم کی اطاعت کریں اور جہاں غیر قوموں پر حاکم ہوں وہاں اپنے محکومونکی واجبی رعایت کریں اُن کی شراب کی ایسی ہی حفاظت کریں جیسی اپنے سرکہ کی اور اُن کے سوروں کی ایسی نگہداشت کریں جیسی اپنے دنبونکی۔ ہم کو یہ بھی تاکید ہے کہ جب ہم کسی سے عہد کرلیں تو مضبوطی سے اُسپر قایم رہیں۔ کہ یہ سب باتیں مجموع من حیث المجموع باہم محبت اور دوستی کو مستحکم کرتی ہیں ۔

خدا نے خود ہمکو اس بات سے مطلع فرمایا ہے کہ نصارے تمہارے ساتھ زیادہ دوستی کریں گے۔ کما قال ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصارٰی ذالك بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون بعض دوستیاں اس قسم کی بھی ہیں کہ گو ایک فریق دوستی کا اظہار کرے لیکن دوسرے فریق کو اوس سے کنارہ کرنا ہی کرنا اولے ہے لیکن خدا نے نصارے کی اُس دوستی کی علّت بھی بیان فرمادی تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ وہ دوستی کس قسم کی ہوگی اور فرمایا کہ وہ اسواسطے تمہارے دوستدار ہوں گے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے یعنی اُن کی طرف سے یہ دوستی تمہاری نسبت کمال تہذیب کے سبب سے ہوگی جیسا عام دستور ہے کہ ایک مہذب انسان دوسرے مہذب انسان سے محبت اور دوستی سے پیش آتا ہے۔ پھر کیا مسلمان ایسے نامہذب اور وحشی ہوجاوینگے کہ جو فرقہ اُنکا دوست ہو اور دوست بھی ایسا دوست جس کی دوستی کی خبر خدا نے

ہمکو بھی اُس کے ساتھ بھی وہ نفرت سے پیش آویں کیا مسلمان کبھی انگلستان اور فرانس کے نصاریٰ کے اُن احسانات کو بھول سکینگے جو کریمیا کی لڑائی میں اُن کی طرف سے مسلمانوں کی سلطنت اعظم نہیں نہیں بلکہ اُن مسلمانوں کی مذہبی عزت برقرار رکھنے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اسلام کا جھنڈا قایم رکھنے کے واسطے برتی گئی اس لڑائی میں ہمارے یہ مددگار جن کو خدا جزائے خیر دے خاص اپنے ہم مذہب یعنی روسیوں کے مقابلہ پر جنہوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی کندھے سے کندھا اور سینہ سے سینہ ملا کر لڑے اور جہاں ہمارا خون گرا وہاں اُنھوں نے اپنے خون کی بھی دریا بہادیں اور ہمارے دشمنوں کو مغلوب کیا اور حرمین شریفین پر جن کا نام لے لے کر ہماری عالم وجد میں آجاتے ہیں ہمارا قبضہ قایم رکھا مگر یہ سبب اس لئے ہوا کہ سلطان روم خلداللہ ملکہ اپنے ان مددگاروں نے نہایت صفائی اور خلوص کے ساد وشنانہ لا بخارا ہیں اس کے برخلاف اور علما نا عاقبت اندیش کی مرضی کے مطابق کام ہوا غارت ہوگیا پھر کیا مسلمانوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ جب کبھی خدانخواستہ اور نصیب اعدا کوئی موقع آوے تو جہاں ہمارے ان مددگاروں کے پسینا گرنے کا احتمال ہو وہاں اپنے خون کے نالے بہادیں۔ اب ہم اپنے عالموں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسے ایسے معاملات کے بعد بھی دو مختلف قوموں کے باہم سچی محبت اور دوستی نہیں ہو سکتی مگر افسوس جو شخص یہ بھی نہ جانتا ہو کہ انگلستان اور فرانس کی مدد کیسی اور کریمیا کسی جانور کا نام ہے یا کسی زبان کا لغت ہے اور بخارا روس اور کجا مکہ و مدینہ وہ کیا خاک ان باتوں کا جواب دے سکتا ہے۔

این از صدرے واز شمس بازغہ می آید ؎

خدا نے ہمکو اجازت دی کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں پس جو اولاد اُن عورتوں سے ہوگی کیا وہ اپنی ماؤں سے دلی پیار او محبت نہ کریگی معہذا جسقدر استحقاق بیبیوں کی خاوند پر

ہماری شریعت کے موجب ہیں اور جیسی کچھ رعایت اور محبت اور حسن اخلاق ہمکو مسلمان بیبیوں کے مناسب برتنا چاہیئے وہ سب ہم کو اُن اہل کتاب بیبیوں کی نسبت برتنا ضرور ہوگا ورنہ ہم گنہگار ہونگے پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہی خدا غیر مذہب والوں سے ایسے ایسے رشتوں اور قرابتوں کو جن میں محبت ثواب اور ترک محبت گناہ ہو ہمارے لئے جائز کرے اور خود ہی ہمارے واسطے اُن قوموں کو ہمارا دوست ٹھہراوے اور پھر وہی خدا ہم کو یہ حکم دے کہ تم اُن سے بغض اور عداوت کرو یہ خدائی کا ہیکو ہے یونانیوں کی فلکیات یا لڑکوں کا کھیل ہے۔ وھذا بھتان عظیم۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ گوید ولے گر در پس امروز بود فردائے

مسلمانوں کو یہ بات بھولنا نہ چاہیئے کہ قرآن شریف تمام کتب سماوی کا مصدق ہے جس میں انجیل کی اخلاقی ہدایتیں بھی شامل ہیں اور یہ بھی اُن کو معلوم ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ اخلاق انسانی اپنے حد کمال کو پہنچ جاوے مسلمان اُس نبی برحق کی امت میں ہیں جسکی تعریف میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم۔ اور جس کا خطاب رحمت للعالمین ہے۔ ہمارا مذہب تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر ایک قسم کے انسانی اخلاق کا مکمل اور متمم ہے پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ گذشتہ خیالات پر صلوات کہکر آئندہ ٹھیک ٹھیک خدا اور رسول کی مرضی اور منشا کے مطابق کام کریں۔ ہمارا کمال اسی میں ہے کہ کوئی مسلمان یا غیر مسلمان۔ دوست ہو یا دشمن سب کے ساتھ ہم سلوک اور محبت سے پیش آویں اور جس محبت سے اتبک ہم اپنی ناسمجھی کے سبب سے محروم رہے آئندہ اُس کے حصول کیواسطے بدل کوشش کریں اور اُس کیمیائی اثر کو کام میں لاویں۔ جو ہمارے سچے مذہب نے ہم میں غیروں کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے رکھدیا ہے۔ اب مسلمانوں کو ضرور ہے کہ جس خانہ برانداز مصلحت کے اثر نے ہماری شریعت کیے وسیع دائرہ کو دو غیر مساوی حصوں تقسیم کرکے

ایک بہت چھوٹا حصہ ہماری بسر زندگانی کے قید خانہ کے واسطے خاص کر دیا ہے کہ اُسی میں چاہیں ہم مریں چاہیں ہم زندہ رہیں اُس مصلحت خلاف کو درمیان سے اُٹھا کر اور تنگ قید سے آزاد ہو کر اپنی شریعت کے پورے دائرہ کی وسعت میں خوشی اور خورمی سے گلگشت کریں اور ان خدا داد نعمتوں پر اپنے خدا کا شکر ادا کریں*

مہمان و میزبان

مہمانی اور میزبانی کی خوبیاں اور برکتیں ایسی صریح اور صاف ہیں کہ اون کے بیان کی کچھ حاجت نہیں ہے آپس میں محبت اور ارتباط بڑھانے کے واسطے یہ رسم بہت ہی مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ اس رسم سے غیر بھی اپنے ہوجاتے ہیں بلکہ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور اُسی کے جاری نہ رہنے سے قریب تر عزیزوں کی قدرتی محبت میں بھی کمی آجاتی ہے۔ پس جو شے اسقدر مفید ہو مناسب ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے نقصان اور خرابیوں سے پاک وصاف رہے ورنہ اُس کے تمام فائدے برباد ہوجاوینگے۔ لیکن جس طریقہ پر اس عرصہ میں ہم لوگوں میں مہمانی اور میزبانی ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ اعتراض کے قابل ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ موجودہ رسم ورواج کے سبب سے اکثر اوقات مہمان اور میزبان دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ مسلمان موجودہ طریقہ مہمانی اور میزبانی پر غور کریں اور جسقدر اصلاح اس میں ضروری ہو وہ عمل میں لاویں*

اب ہم اُن خرابیوں کا بیان کرتے ہیں جو قابل اعتراض ہیں سب سے بڑی غلطی جو اکثر مہمانوں کی طرف سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے میزبانوں کو پہلے سے اپنے آنے کی خبر نہیں کرتے حالانکہ اس بیخبری میں وارد ہونے سے میزبانوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور خود مہمانوں

بھی تکلیف اوٹھانی پڑتی ہے۔ علاوہ اس کے اس طرح بے خبر کسی کے مکان پر بطور مہمان وارد ہونا خلاف تہذیب بھی ہے۔

اکثر یہ ہوتا ہے گھر والے کھانے سے فارغ ہوجاتے ہیں اُس کے بعد مہمانونکی آمد ہوتی ہے اور اُسوقت ایک تازہ تشویش پیش آتی ہے۔ اِدھر تو کھانے کا کچھ سرانجام نہیں ہوتا اور اُدھر یہ خیال ہوتا ہے کہ مہمانون کے واسطے کھانے میں دیر نہ ہو۔ نوکر چاکر جن کو دوبارہ پھر چولھا جھونکنا پڑتا ہے خدا دل میں ناخوش ہوتے ہیں اور اگر کبھی رات کو ناوقت یہ مہمان داری پیش آگئی تو اور زیادہ مصیبت آتی ہے اور یہ آفت خاص کر اُن مقامات میں زیادہ آتی ہے جو ریل کے اسٹیشنوں سے قریب ہیں اب یہ ہوتا ہے کہ رات کے گیارہ بارہ بج گئے ہیں یا رات ڈھل گئی ہے اور پچھلا پہرہ ہے سب لوگ اپنے آرام کی نیندیں لے رہے ہیں کہ یکایک دروازہ پر سے آوازیں آنی شروع ہوئیں (کواڑ کھولو کواڑ کھولو) پھر بعض سونے والے ایسے غافل سوتے ہیں کہ مشکل سے جاگتے ہیں یا دروازہ سے بہت فاصلہ پر ہوتے ہیں یا جاڑوں کے موسم میں مکانون کے اندر کواڑ بند کر کے سوتے ہیں ایسی صورت میں بے خبر آنے والے مہمانکو گھڑیوں پکارتے پکارتے اور چلاتے چلاتے اور کواڑ کھٹکھٹاتے اور زنجیریں ہلاتے گذر جاتے ہیں اور جب اِن تمام مشکلات کے بعد کواڑ کھلے اور صاحب خانہ بھی بڑی بے لطفی اور تکلیف کے ساتھ جگایا گیا تو اب یہ خیال کرلینا چاہئے کہ اُس غریب پر اُس وقت کیا گذرتی ہوگی پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ مکان مختصر ہے یا اُس میں پہلے سے اور مہمان فروکش ہیں اور مکان میں زیادہ جگہہ نہیں ہے یا صاحب خانہ کسی ایسی تشویش میں ہے کہ اُسکو اپنے مہمانوں سے باطمینان وخوشی ملنے کی فرصت نہیں ہے ان تمام باتوں کے لحاظ سے ضرور ہے کہ اپنے آنے سے قبل اپنے میزبان کو حتے الامکان اطلاع دی جاوے اور نہایت صفائی قلب اور

اور دوستی کی بات یہ ہے کہ اگر کسی وقت میزبان یہ اطلاع دے کہ مجھ کو ملنے کی فرصت نہیں ہے تو بغیر کسی ملال خاطر کے اپنے ارادہ کو ملتوی کرنا چاہیے میں نے بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے کہ ایسے میزبان نے اپنی تکلیف بچانے کیواسطے یا مہمان کے آرام کی نظر سے مہمان کو کسی اور مکان میں اوتارا تو مہمان نے دل میں بہت ہی بُرا مانا حالانکہ میزبانکا یہ برتاؤ کسی طرح اعتراض کے لائق نہیں ہوتا بلکہ بڑی عمدہ بات خیال کیجاتی ہے ۔

بعض لوگونکا یہ خیال ہوگا کہ جن خرابیونکا ذکر اس مضمون میں ہے وہ صرف اُس حالت سے متعلق ہیں جبکہ مہمان اور میزبان میں باہم نہایت دوستی نہ ہو مگر یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ ایسے امور ہیں جو بطور واقعات کے پیش آتے ہیں جن میں زیادہ دوستی ہونے یا نہ ہونے کو کچھ مداخلت نہیں ہے ۔

کبھی اس بےخبر آنے کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے جس سے ملنا مقصود ہوتا ہے وہ مکان پر نہیں ملتا اور زیادہ افسوس اُسوقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یا ابھی آپ کے تشریف لانیسے تھوڑی ہی دیر بعد فلاں مقام کو سوار ہو گئے اور تب حسرت کے ساتھ وہاں سے لوٹ جانا ہوتا ہے اور یہ کافی سزا اپنے بلا اطلاع آنے کی اُسوقت آنے والے کو مل جاتی ہے ۔

اس بےخبر آنے کے علاوہ چند اور خرابیاں بھی بیان کے لایق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض میزبانوں کے مزاج میں تکلف اسقدر ہوتا ہے کہ اُنکا مہمان بھی تنگ آجاتا ہے ان تکلفات کی وجہ سے کھانا اکثر دیر میں ملتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے اور میزبان کو بھی زیادہ عرصہ تک اپنے عزیز مہمان کا قیام ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے اور اُس کے آنے کی خوشی اُس کی موجودگی ہی میں جاتی رہتی ہے ۔

سعدی علیہ الرحمتہ کسی مقام پر اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان ہوئے اُن کے دوست نے بہت اہتمام سے اُن کی مہمانداری کی بہت تکلف کے کھانے پکوائے اور بڑی شان کے ساتھ دسترخوان چُنا گیا۔ شیخ نے جب یہ سامان دیکھے تو بے اختیار اُسکی زبان سے یہ نکلا۔ ہائے دعوت شیراز۔ صاحب خانہ نے یہ سمجھا کہ دعوت کے اہتمام میں کوئی کمی رہی۔ اس لئے اُس نے دوسرے تیسرے وقت میں بیش از بیش اہتمام کیا لیکن ہر مرتبہ شیخ نے وہی افسوس ظاہر کیا آخر شیخ نے جب دیکھا کہ اب میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اُس نے اپنی اقامت کو مختصر کیا اور میزبان سے رخصت ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اُن کے اُس میزبان کا گذر شیراز میں ہوا اور شیخ کے ہاں اُترا اور دل میں اس بات سے بہت خوش تھا کہ اب شیراز کی دعوتوں کے اہتمام دیکھنے میں آوینگے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو شیخ گھر میں گیا اور وہاں سے وہی روزمرہ کا سیدھا سادھا کھانا لے آیا اور اپنے دوست کے سامنے رکھدیا اور کہا کہ بسم اللہ کیجئے۔ اُسوقت شیخ کے دوست کو بہت ہی حیرت ہوئی اور اُس نے آہستہ آہستہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور کھانا شروع کر دیا۔ شیخ نے اُسکی حیرت کو دیکھکر کھانا کھا چکنے کے بعد اُس سے کہا کہ اے دوست دعوت شیراز سے میرا یہی مطلب تھا۔ تمنے میرے واسطے بہت سا تکلف کیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر میں زیادہ قیام کرتا تو تم کو سخت ناگوار گذرتا اور میری مہمانی خوشی کی جگہ ملال سے مبدل ہو جاتی اسی لئے میں نے اُسوقت مجبور ہو کر اپنی مدت اقامت کو مختصر کیا اور جس غرض سے میں وہاں گیا تھا وہ بھی پوری نہ ہوئی نہ اچھی طرح میں وہاں ٹھہر سکا اور سیر کر سکا اور جلدی سے رخصت ہوا۔ یہاں اب آپ جس قدر مدت تک چاہیں قیام کریں۔ جتنے روز دن آپ رہیں گے میری خوشی بڑھتی جائیگی۔

میرا مطلب اس حکایت سے یہ نہیں ہے کہ اپنے دوستوں کی مہمانی کے زمانہ میں اُن کی

خوشیِ خاطر کے لئے مطلق توجہ نہ کیجائے نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کیا جاوے ایسے اعتدال سے کیا جاوے جو آئندہ نبھ سکے اور مہمان کے قیام سے سوائے خوشی کے دوسری بات حاصل نہ ہو۔

ان تکلّفات کے علاوہ ایک اور اہتمام بھی اکثر عمل میں آتا ہے مہمان اور میزبان دونوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور وہ مہمان اور میزبان کا ساتھ کھانے پر اصرار کرنا ہے۔ اگر اتفاق سے اُن میں سے کوئی باہر کو چلا گیا اور آنے میں دیر ہوئی تو دوسرے صاحب اُن کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے اور جب زیادہ دیر ہوتی ہے تو جی میں نہایت تنگ ہوتے ہیں۔ تلاش کے واسطے چاروں طرف آدمی دوڑائے جاتے ہیں اور جب بڑی دیر کے بعد دوسرے صاحب آئے تو کھانا نصیب ہوتا ہے اگر اتفاق سے کسی صاحبِ خانہ نے بلا انتظار اپنے مہمان کے کھانا کھا لیا اور مہمان صاحب بعد کو آئے تو بہت کم مہمان اس مزاج کے ہوتے ہیں جو میزبان کے اس برتاؤ سے بُرا نہ مان جاتے ہوں۔ میں نے خود ایکدفعہ دیکھا ہے کہ ایک مہمان جو باہر کو گئے ہوئے تھے جب وہ ایک بجے تک بھی نہ آئے اور صاحب خانہ نے ظہر کی نماز بھی پڑھ لی تب مجبور ہو کر بلا انتظار مہمان کے کھانا کھا لیا۔ اُس کے بعد مہمان صاحب سیر کر کے بھوکے پیاسے واپس تشریف لائے اور تھک کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ آج تو مر مٹے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھوک بھی اُن کو لگی ہوئی ہے اور بشرہ سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لیکن جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ صاحب خانہ نے کھانا کھانے میں میرا انتظار نہیں کیا تو نہایت ہی بُرا مانا یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھایا اور یہ عذر کر دیا کہ میں بھی کھانا کھا چکا۔ ایک دوست مل گئے تھے اُنھوں نے بغیر کھانا کھلائے نہ اُٹھنے دیا۔ بات غور کرنا چاہیئے کہ ان حماقتوں کا کیا نتیجہ ہو گا کیا اس مہمانی اور اس میزبانی سے

کچھ محبت اور خوشی بڑھ سکتی ہے۔

ایک اور خراب طریقہ یہ ہے کہ مہمان کو کوئی موقع تخلیہ اور آرام کا نہیں ملتا اور یہ خرابی دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے اوّل اس لئے کہ ہمارے مکانات کا طرز خراب ہوتا ہے۔ دوم ملنے جلنے کا طرز بھی اچھا نہیں ہے۔ ہمارے مکانات اس طرح پر علیحدہ علیحدہ تقسیم نہیں ہوتے کہ ہر ایک شخص کے لئے بغیر اس کے کہ اوروں کو تکلیف ہو آرام کے ساتھ تخلیہ ممکن ہو ایک ہی کھلا ہوا مکان ہوتا ہے وہی اپنے بیٹھنے اٹھنے کا۔ وہی مہمانوں کے قیام کا۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اسی مکان میں ہے چبوترہ کے نیچے نال بھپکا بھی اسی کے سامنے چڑھا ہوا ہے۔ ایک طرف کو مُلّاں لڑکے بھی اسے مکان میں پڑھا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اسلئے صاحب خانہ مجبور ہوتا ہے اور اپنے مہمان کے لئے کوئی موقع تخلیہ کا آسانی سے موجود نہیں کرسکتا۔ اس خرابی کا دور کرنا بالفعل غربا اور متوسط الحال شخصوں کے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن امرا کو اسطرف توجہ کرنا ضرور ہے چنانچہ بعض امرا اپنے نو تعمیر مکانوں میں اس قسم کی رعائتیں اب ملحوظ رکھتے ہیں یا اُن کے متعدد مکانات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دقتیں اُن کو کمتر پیش آتی ہیں لیکن اکثر امرا کو ابتک بھی اسطرف توجہ نہیں ہے اور اُن کی پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ روپیہ کی عمارتیں اب تک بھی اکثر اُسی پُرانہ نقشہ پر بنائی جاتی ہیں جن میں نہ سردی کا آرام نہ گرمی کا نہ مہمان کے لئے کوئی تخلیہ ممکن نہ اپنے لئے پس اگر امرا اس طرف توجہ کریں تو آخر کار متوسط الحال شرفا بھی اُن کی پیروی کریں اور رفتہ رفتہ غربا بھی حتے الامکان انھیں کی تقلید کرنے میں ساعی ہوں۔

ایک اور تکلیف مہمان اور میزبان کے طرز ملاقات سے پیدا ہوتی ہے جس وقت مہمان کسی اپنے دوست یا عزیز و قریب کے مکان پر وارد ہوا صاحب خانہ اور اُس کے اور عزیز و اقارب

اور دوست و آشنا سب اُس مہمان غریب کے گرد ہوئے اور گھڑیوں اور گھنٹوں بلکہ پہروں
اُس کے پاس بیٹھنا شروع کیا ایک صاحب اُٹھ کر تشریف لیگئے تو دو صاحب اور موجود ہوئے
غرض ہر وقت یہ جلسہ اُس کے پاس رہنے لگا۔ اب جتنا کوئی مہمان کسی کو عزیز ہو اُسی قدر یہ
اہتمام زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ عزیز کی مٹی زیادہ خوار ہوتی ہے۔ بہت ہی کم ہم سے وال
ایسے بے تکلف مہمان ہوتے ہیں جو اس جم غفیر کا کچھ ادب اور لحاظ نہیں کرتے اور اپنے
آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔ اور میزبان بھی ایسے بہت کم ہیں جو اپنے مہمان کی تکان راہ اور
صعوبات سفر کے لحاظ سے اُس کے آرام و آسائش کا خیال کرتے ہوں اور بخوشی خاطر
اُن کو ایسا موقع دیتے ہوں کہ جب تک وہ چاہیں آرام کریں اور خط و کتابت وغیرہ کا جو کچھ
شغل وہ چاہیں تخلیہ میں اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔ اور بڑی مشکل یہ ہے کہ مہمان بھی چونکہ
ہمارے ہی جنس سے ہوتے ہیں اور اسی قسم کے تپاک اور طرز ملاقات کے عادی ہوتے
ہیں اسلیئے ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ اگر کوئی میزبان یا میزبان کا کوئی عزیز و قریب اپنے
مہمان کے پاس زیادہ حاضر نہ رہے تو مہمان صاحب بھی بُرا مان جاتے ہیں۔ اور حماقت سے
یہ سمجھ کر کہ ہماری کچھ قدر و منزلت نہ ہوئی خود اپنی نظروں میں حقیر اور تھوڑے تھوڑے ہونے
لگتے ہیں۔ اِس لئے صاحب خانہ اپنے مہمان کے سر پر ہر وقت ایک بک بک کرنے والا پہرہ
متعین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ کیسی کچھ دقت اور تکلیف کی بات
ہے اور چونکہ ہم خواہ بحیثیت مہمان اور خواہ بحیثیت میزبان اِس قسم کی تکلیفیں جھیلنے کے
عادی ہو رہے ہیں اور اپنے بیش بہا وقت کو رائیگاں کھونے میں نہایت مشاق ہیں۔
اس لئے یہ برتاؤ ہم کو کچھ زیادہ ناگوار نہیں گذرتا ورنہ وہ شخص جو اپنے وقت کی کچھ بھی حفاظت
کرتا ہو ایک دن کے واسطے بھی کبھی کسی کے ہاں اس طرح مہمان ہو کر یا ایسے کسی ناشاد

کا میزبان ہو کر خوش نہیں رہ سکتا۔

مہمانی اور میزبانی کی ان تمام مذکورہ بالا مصیبتوں کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی بیہودہ باتیں ہیں جو ہم لوگوں میں رائج ہیں اور جن کے بیان کرنے کے واسطے ایک مستقل رسالہ مرتب ہونا چاہیئے اس لیئے میں اُن کی طول وطویل تفصیلوں میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ بڑی بڑی خرابیاں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا رفع ہو جاویں تو اور چھوٹی چھوٹی خرابیاں بھی جو انھیں بڑی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں خود بخود رفع ہو جاوینگی لیکن ختم مضمون پر اُس تازہ مصیبت کا تذکرہ البتہ مناسب ہے جو مہمان کو رخصت کے وقت فرمان واجب الاذعان آمدن بہ ارادت و رفتن بہ اجازت سے پیش آتی ہے۔

مہمان نے اب ڈرتے ڈرتے اور نگاہیں نیچی کرکے صاحب خانہ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی مگر صاحب خانہ نے صاف انکار کیا۔ مہمان ہر چند منت کرتا ہے اور اپنی سخت سخت ضرورتیں بیان کرتا ہے لیکن صاحب خانہ راضی نہیں ہوتے اُس مجلس میں اور جسقدر صاحب موجود ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنا یہی فرض سمجھتے ہیں کہ صاحب خانہ کی تائید کریں وہ بھی مہمان کو قیام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اُس بے کسی کے گھنٹے میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں دکھلائی دیتا جو خدا لگتی ہوئی کہے اور مہمان کی بے کسی پر بھی رحم کرے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی آپ کہاں جاوینگے کوئی فرماتے ہیں کہ خانصاحب کا کہنا نیچے نہ ڈالیئے خانصاحب حرف رخصت سے جُدا تیوری چڑھائے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی نہ کبھی تو آپ تشریف لائے اور آتے ہی جانے کی سُنائی آپ کے اس آنیسے نہ آنا بہتر تھا دنیا کے کام چلے ہی جاتے ہیں یہاں آپ کب کب آتے ہیں۔ الختصر یہاں تک اُس مہمان کو تنگ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ سخت رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ الٰہی میں کس عذاب میں آگیا اور کیونکر اس سے

نجات ہوگی اور اپنے آنے پر نہایت افسوس کرتا ہے اور پھر درویش بر جان درویش ایک دو مقام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ قیام فریقین میں کچھ محبت اور خوشی کو بڑھا سکتا ہی نہیں ہرگز نہیں بڑھا سکتا بلکہ برعکس اُس کے دلوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے۔

اگر کوئی سخت بے حیا مہمان ہو اور اُس نے نالائقی سے اپنے شفیق میزبان کے اصرار پر کچھ خیال نہ کیا اور سمجھانے والوں کی بات بھی نہ مانی اور چلنے کا ارادہ مصمم کر لیا تو اب یہ جنجال کسی طرح اُسکا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ کھانا کھا کر جانا ہوگا اور یہ اصرار خاص کر اُن مقامات میں مہمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جہاں ریل کے اسٹیشن قریب ہیں اور مسافروں کو ریل کے ذریعہ سے سفر منظور ہوتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ اثنائے سفر میں کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے کیواسطے جو کسی اسٹیشن سے قریب ہوتا ہے اُترا اور یہ ارادہ کر لیا کہ دوسرے وقت کی ریل میں چلا جاؤں گا ایسے مسافروں سے بھی جب وہی معمولی تکلف آمیز جھگڑے اور قصے پیش آتے ہیں تو اُن کو سخت حیرانی ہوتی ہے۔

اُدھر ریل کے وقت میں صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے یہاں صاحب خانہ کے ہاں نوکر بازار سے گوشت لیکر بھی نہیں لوٹا مہمان کہتا ہے کہ برائے خدا مجھ کو رخصت کیجئے لیکن صاحب خانہ اس میں اپنی نہایت ذلت سمجھتے ہیں کہ بغیر کھانا کھائے یا کھانا ساتھ لئے مہمان گھر سے رخصت ہو۔ اب نوکر بھی بازار سے آگیا اور ریل کا وقت بھی بہت نزدیک پہونچا اور مہمان پر ایک سخت اضطراب کی حالت طاری ہوئی کبھی وہ اپنے اس خوف کو کہ ریل چلی جائے گی اور میں رہ جاؤں گا شرم سے ضبط کر کے چپکا ہو رہا اور کچھ دیر کے بعد گھبرایا اور کئی دفعہ چلنے کے قصد سے اُٹھنا چاہا مگر صاحب خانہ نے نہ اُٹھنے دیا آخر جب وقت بہت ہی نزدیک آگیا اور صاحب خانہ کو بھی کچھ ندامت سی ہوئی تو وہ بھی جلدی سے اُٹھے نوکر بازار کو پھر

بھاگا گیا کچھ مٹھائی بازار سے آئی کچھ آدھا کچا آدھا پکا کھانا میزبان صاحب گھر میں سے لائے
اور بہزار سرعت وشتابی مہمان نے دس پانچ لقمہ کھائے اور تھوڑا سا کھا کر اٹھ کھڑا ہوا میزبان
صاحب بھی مصر ہوئے کہ آپ نے کچھ نہ کھایا اور کھائیے غرض جس طرح سے ہوا وہ کمبخت
مہمان صاحب خانہ سے رخصت ہوا سڑک پر دوڑ کر خدمتگار نے پان دیا اب مہمان صاحب بھاگم
بھاگ اسٹیشن کو چلے راستہ میں ریل کی آواز سنائی دی اور بھی اوسان خطا ہوئے۔ گاڑیوالے
سے تقاضا ہوا کہ جلدی چلو اور کچھ دور پہنچکر انعام کا بھی وعدہ کیا گیا اُس نے بھی بے تحاشہ
گاڑی دوڑائی اور ریل چھوٹنے سے بھی پہلے اسٹیشن پر پہونچا دیا اور کرایہ اور انعام لیکر علیحدہ ہوا
اسٹیشن کے مزدور چلائے کہ پہلی گھنٹی ہو چکی ہے۔ جلدی چلو ٹکٹ گھر پہنچکر جلدی سے ٹکٹ
لیا اتنے میں دوسری گھنٹی بھی ہوئی میاں اور مزدور دوڑے جب ہی اسٹیشن کے اندر کے
چبوترہ پر آئے تیسری گھنٹی ہوئی سیٹی بجی اور ریل نے آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنا شروع کیا
اب مہمان کمبخت حیران کھڑا ہے اور حسرت کے ساتھ ٹرین کی اس نرم نرم رفتار کو دیکھ رہا ہے
اسباب والے مزدوروں نے سمجھایا کہ میاں آپ ہی نے دیر کردی جانا تھا تو گھڑی بھر پہلے سے
آئے ہوتے اب چلو دوسرے وقت کی ریل پر جانا یہ سنکر مہمان غریب لوٹا اور پھر گاڑی کرایہ کر کے
میزبان صاحب کے مکان پر آیا راستہ میں سو سو طرح کے غمگین خیالات نے اسکو رنجیدہ کیا۔ جب
مہمان صاحب مکان پر آئے تو میزبان صاحب دور سے دیکھتے ہی بے اختیار ہنس پڑے اور
فرمانے لگے کہ کہئیے ریل پر ہو آئے آپ نے تو کمال کر دیا تھوڑی ہی دیر میں پہنچ بھی گئے اور
پھر چلے بھی آئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ آج نہ جاؤ ہمارا کہنا نہ مانا یہ اسکی سزا ہے۔

اب ہم اپنے ابنائے جنس سے اس طریق مہمانی اور میزبانی پر انصاف چاہتے ہیں اور
دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ تبدیل اور ترمیم کے لائق ہے یا نہیں کیا ایسے برتاؤ کیحالت

میں کوئی مہمان خوشی سے کسی اپنے دوست کے پاس آنے کا ارادہ کرے گا۔ یہ کون سی آدمیت ہے کہ اپنے عزیز مہمان کی تمام ضرورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کر قیام پر جا بلا نہ اصرار کیا جاوے ایسی مصیبت کی حالت میں سفر کرنے والوں کو انواع و اقسام کی تکلیف ہوتی ہے وہ اپنے کوچ و مقام کا کوئی انتظام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتے نہ اپنے وقتوں کی تقسیم پر قادر ہو سکتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے ہرج اور نقصان جو اس قسم کی مزاحمت سے پیدا ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں اُن کی وجہ سے بجائے ملاقاتوں کی خوشی کے ایک قسم کا ملال اور رنج پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کے پڑھنے والے ہمارے اس مضمون پر انصاف سے غور کریں اور جو رسم و رواج اصلاح کے قابل ہیں اُس میں مناسب اصلاح کریں۔ تاکہ مہمانی اور میزبانی کی خوشیاں اور زیادہ ہوں اور مہمان یا میزبان کسی کو تکلیف نہ ہو اور وہ اصلاحیں جیسا ہم نے اوپر مفصل بیان کیا ہے مفصلہ ذیل مراتب میں ہونا چاہیئے۔

اوّل حتی الامکان بلا اطلاع کسی کے ہاں آنے سے احتراز کرنا چاہیئے گو باہم کیسی ہی بے تکلفی اور یگانگت ہو۔ جہاں تک ممکن ہو اس قدر پہلے اطلاع دیجاوے کہ جواب بھی آ سکے ورنہ کم سے کم ایک دن پہلے میزبان کو اطلاع ہو جاوے اگر بدرجہ مجبوری یہ بھی نہ ہو سکے تو رات کے وقت حتی الوسع کسی کے مکان میں پہونچنے سے کنارہ کیا جاوے مگر جب ایسی کوئی سخت ضرورت پیش آجاوے۔

دوم۔ دعوت میں اس قدر تکلّف نہ کرنا چاہیئے جس سے اپنے عزیز مہمان کا قیام آخر کار ناگوار معلوم ہونے لگے۔ بیچ بیچ کی چال ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُہَا۔

سوم۔ یہ خیال بھی کہ میزبان اور مہمان عموماً ساتھ ہی کھانا کھا دیں ترک کرنا چاہیئے

کھانے کے معمولی وقت پر اگر کوئی فریق غیر حاضر ہو تو اُسکی حاضری کا انتظار نہ کیا جاوے اور
فریق غیر حاضر کو دوسرے فریق کی اس کارروائی سے آزردہ نہ ہونا چاہیئے۔

چہارم - تخلیہ کے موقع کا بھی جہانتک ممکن ہو خیال رکھنا چاہیئے تاکہ مہمان اور میزبان
دونوں کو آرام ہو ہر وقت کے پاس اُٹھنے اور بیٹھنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور ملاقاتوں
سے بھی جی گھبرا جاتا ہے اور اُمراء طرز عمارت کا بھی خیال کریں۔

پنجم - آمدن بہ ارادت و رفتن بہ اجازت کے غلط اصول کو بھی منسوخ کرنا چاہیئے
دونوں باتیں آنے والے ہی کی مرضی پر منحصر کرنی چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنے کوچ و مقام
کا انتظام ٹھیک ٹھیک کر سکے ⁂

تہذیب و شائستگی

اصل شائستگی خیال کی شائستگی ہے

ہمارے اس زمانہ میں شائستگی اور تہذیب پر بہت بحث ہو رہی ہے اور مسلمانوں میں
اس کی نسبت ایک گرم مباحثہ قائم ہے اور لوگوں کی مختلف رائیں ہو رہی ہیں کوئی طرز
لباس کو شائستگی پر بہت کچھ موثر سمجھتا ہے اور کوئی کھانا کھانے کے طریقوں کی تبدیلی
کرنا چاہتا ہے۔ کسی کو ایک بات مہذّب اور شائستہ معلوم ہوتی ہے دوسرا اُسی کو نامہذّب
و ناشائستہ ٹھہراتا ہے۔ کوئی اپنی گھنٹیلی جوتی اور جبّہ و دستار میں خوش ہے کہ شائستگی را
ہچنیں شاید۔ کوئی انگریزی بوٹ چڑھائے اپنے کوٹ و پتلون پر غش ہے کہ تہذیب ہمیں
یک معنی دارد۔ مگر میری دانست میں یہ سب قصے اور بکھیڑے ہیں اور اصل شائستگی خیال
کی شائستگی ہے۔

تہذیب و شائستگی کا عمدہ اور اعلےٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام اور خوشی اور تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسرے کو بھی اُس سے فائدہ پہونچے اور ایسے وسیلے بہم پہنچائے جاویں جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جاوے۔ پس جس انسان کے دماغ میں ایسی قوت ہو کہ وہ ان تمام باتوں پر قادر ہو سکے اُسی کو ہم شائستہ کہہ سکتے ہیں اور اور اسی کا نام خیال کی شائستگی ہے باقی وہ امور جو طرز معاشرت اور طریق تمدن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسر زندگانی کے ایسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شائستہ اور مہذب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب وہوا وغیرہ کے لحاظ سے اسیات پر غور کر سکتا ہے کہ ان امور میں سے کس امر سے مجھکو آرام ملیگا اور کس سے میں بخوبی تندرست رہ سکتا ہوں اور کون سی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور میرا کون سا کام دوسروں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ جو رائے قائم ہو اُسپر ہر عاقل انسان کو عمل کرنے کا حق ہے۔ لیکن خیال کی شائستگی اور درستی سے پہلے اُن امور میں سے کسی کو تقلیداً اختیار کرنا اور کسی کو ترک کرنا انسان کو شائستہ نہیں بنا سکتا۔

جس آدمی کا خیال شائستہ ہے اوس کے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں جس سے وہ تمام خوشیاں اور آرام جو تہذیب و شائستگی کا نتیجہ ہیں بالضرور حاصل ہوں۔ نامہذب آدمی کے تمام کام ہمیشہ بے ترتیب ہوتے ہیں جن سے زندگی اور تلخ ہوتی مہذب آدمی کی مثال بالکل انسان کی تندرستی کی سی ہے جب تک انسان تندرست ہوتا ہے اُس کے تمام اعضا اپنے اپنے موقع سے وہ تمام کام خود بخود کرتے رہتے ہیں۔ جو انسان کی راحت اور خوشی بڑھانے کا ذریعہ ہوں اور رنجوں اور تکلیفوں کو دور کریں جن

آدمیوں کا خیال شائستہ نہیں ہوا ہے اور وہ کسی شائستہ اور مہذب قوم کی چند رسموں اور دستوروں کی تقلید ہی کو شائستگی سمجھتے ہیں اُن کی مثال بالکل ایک ایسے مریض کی سی ہے۔ جو تندرستوں کی سی حرکتیں کرنا چاہتا ہو۔ مگر کسی طرح اُس مریض کی یہ حرکتیں ایک تندرست آدمی کے کاموں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح جن لوگوں کے ابھی خیال شائستہ نہیں ہوئے اُن کے بعض تقلیدی طریقے اُن کو مہذّب اور شائستہ نہیں کرسکتے۔

پس مُسلمانوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے خیالات کو عمدہ کریں اور اگر اُن کے خیال عمدہ ہوگئے تو سب قسم کی ترقیاں خود بخود اُن میں ہوجاوینگی ورنہ تقلیدی شائستگی سے کچھ کام نہیں چلسکتا۔ کبھی ایسی ٹہنی سے پھولوں کے کِھلنے کی توقع نہیں ہوسکتی جسکا سلسلہ ایک مستحکم جڑ تک نہیں پہونچتا گو دیکھنے والوں کی نظروں میں وہ کیسی ہی سرسبز اور شاداب معلوم ہوتی ہو۔

اور خیالات اوس وقت تک عمدہ نہیں ہو سکتے جب تک دوسروں کے خیالات سے معاوضہ نہ کیا جاوے جس طرح مال و دولت پھیر بدل سے بڑھتا ہے اسی طرح خیالات کی بھی ترقی ہوتی ہے جب آدمی تعصب کو چھوڑ کر دوسروں کی رائے اور دوسروں کے خیال پر غور کرتا ہے اور اپنے خیالات سے دوسروں کو مطلع کرتا ہے پھر دونوں رایوں اور دونوں خیالوں کا باہم مقابلہ ہوتا ہے اور ایک خیال صحیح اور دوسرا خیال غلط یا ایک کامل اور دوسرا لایق اصلاح معلوم ہونے لگتا ہے تب رفتہ رفتہ انسان کا خیال ترقی کرنے لگتا ہے اور جب یہ ترقی کامل ہوجاتی ہے تو انسان مہذب اور شائستہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

انسان کے خیال کی ترقی بالکل اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص درجہ بدرجہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہے اور کسی بلند زینہ کو طے کرتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ زینہ کو طے

کرتے وقت انسان خود بھی دیکھتا جاتا ہے کہ کسقدر دوری میں طے کرچکا ہوں اور کسقدر دوری ابھی باقی ہے خیال کی ترقی میں انسانکو خود اچھی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کسقدر ترقی کی لیکن دیکھنے والوں کو معلوم ہوجاتا ہے ؛

انسان ایک وقت میں ایک عمدہ اور نہایت عمدہ کام کو اسقدر بُرا جانتا ہے اور اپنے نزدیک اُسکی بُرائی کا ایسا قطعی فیصلہ کرلیتا ہے کہ اُس رائے کے برخلاف تذکرہ کرنا بھی فضول سمجھتا ہے خیال کی یہ حالت اُس وقت ہوتی ہے جب تک وہ ترقی کے زینہ پر قدم نہیں رکھتا ؛

مگر جب ایسی گفتگوئیں اُس کے سامنے برابر جاری رہتی ہیں تو یہ شخص اُن کو سُن سُن کر پیچ وتاب کھاتا ہے اور اپنی مخالف رایوں کو رد کرنے لگتا ہے بہت سے دلائل اپنے خیال کی تائید میں پیدا کرتا ہے اور بڑی جد وجہد سے اپنی مخالف رایوں کے جواب دینے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے ؛

جب کوئی آدمی اس سیڑھی پر چڑھ گیا تو اب وہ ایک ایسے مباحثہ میں پڑا جہاں بالضرورت موافق اور مخالف رائیں اُسکو دیکھنی پڑتی ہیں۔ کچھ عرصہ تک وہ پہلی ہی سیڑھی پر قدم مضبوط گاڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے مگر آخر کار اُس کا خیال اس بات پر غور کرنے لگتا ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کونسی صحیح ہے اور کونسی غلط۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی دوسری سیڑھی ہے ؛

سچائی کا یہ ذاتی وصف ہے کہ اگر انسان اُس پر بغیر کسی تعصب کے غور کرتا رہے تو بیشک اُسکو سچائی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر سخت سے سخت تعصب کے ساتھ بھی کسی بات پر برابر غور اور مباحثہ جاری رہے تو بھی ایک نہ ایک دن سچائی غالب ہو رہیگی مگر بہت دیر کے بعد۔ پس جن رایوں میں انسان دوسری سیڑھی پر کھڑا ہوا غور کرتا ہے اگر اُن میں سے

وہ رائے جسکو وہ پہلے برا جانتا تھا درحقیقت سچ ہوتی ہے تو بلاشبہ انسان اسکو اپنی استعداد کے موافق خواہ جلد خواہ بدیر قبول کرلیتا ہے اور یہاں وہ انما یستجیب الذین یسمعون کا مصداق بنتا ہے یعنی بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی تیسری سیڑھی ہے۔

اس سیڑھی پر پہنچ کر آدمی اس رائے کو جسکے برخلاف ایک دن گفتگو تک کرنا فضول خیال کرتا تھا اب غلط سمجھنے لگتا ہے۔ اور کچھ مدت تک وہ اسی تیسری سیڑھی پر کھڑا رہتا ہے وہ اوروں کو چوتھی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دیکھتا ہے مگر خود ارادہ نہیں کرتا وہ اپنے ساتھیوں کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کو وہ صحیح تسلیم کرچکا ہے مگر اسپر عمل کرنے کو وہ اچھا نہیں جانتا وہ اہل کتاب کے ساتھ مواکلت کو اب برا نہیں جانتا اس کو مستحق عذاب الٰہی نہیں سمجھتا اور آخرکار اسکی منفعتوں کا بھی اقرار کرنے لگتا ہے مگر نہ آپ اسکے کرنیکی جرأت رکھتا ہے نہ دوسروں کے اس عمل کو پسند کرتا ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہ چوتھی سیڑھی پر چڑھتا ہے۔ یہاں بھی وہ اس کام کو اختیار نہیں کرتا جس کو خود اچھا جان چکا ہے۔ مگر اتنا فرق ہوجاتا ہے کہ یہاں پہنچکر وہ دوسروں کو بھی اس کام کی وجہ سے برا نہیں سمجھتا ان کو ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے جو حقارت اور نفرت اسکے دل میں اس کام کے اختیار کرنیکے سبب اوروں کی طرف ہوتی ہے وہ اب باقی نہیں رہتی۔ ہمارے بعض دوستوں کا قول ہے کہ جن لوگوں کے خیال کی ترقی اس چوتھے درجہ تک ہوجاتی ہے وہ تہذیب و شائستگی کی یونیورسٹی یا دارالعلوم میں داخلہ کا امتحان پاس کرلیتے ہیں۔

اس کے بعد جب آدمی دوسروں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کا مفید ہونا اسکو تسلیم ہے اور ان کا وہ فعل اسکو ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتا تو تھوڑی دیر دم لے کر اب وہ پانچویں سیڑھی پر آتا ہے۔ یہاں وہ اس تردد میں پڑتا ہے کہ میں بھی اس کام کو کروں یا نہ کروں۔ دوسروں

کو مُفید مفید کام کرتے ہوئے دیکھکر جی بہت للچاتا ہے۔ مگر جرأت نہیں پڑتی عقل بالکل آگے چلنے کی رغبت دلاتی ہے مگر مصلحت[۱] دامن نہیں چھوڑتی۔ اس پانچویں سیڑھی پر بڑی بے چینی سے گذرتی ہے صبح کو ارادہ ہوتا ہے کہ آج تو مسلمان ہو ہی جائیے۔ مگر شام پھر ویسی ہی تاریک آتی ہے جیسی کہ گذری ہوئی شام تھی شام کو یہ قصد ہوتا ہے کہ کل ہرچہ باداباد۔ مگر صبح کو آفتاب کا قہرناک چہرہ پھر ویسی ہی ہیبت طاری کردیتا ہے جیسی کل تھی۔

لیکن آخرکار ہمت مرداں مدد خدا ایک دن یہ مشکل مقام بھی طے ہو جاتا ہے اور خدا کا نام لیکر آدمی اُن کاموں کو خود کرنے لگتا ہے جن کو وہ ایک دن نادانی اور ناسمجھی سے بُرا سمجھتا تھا۔ اور اب بہت سے مباحثوں اور گفتگوؤں اور غور و تامل کے بعد اُن کو نہ صرف بُرائی سے بری خیال کرتا ہے بلکہ اُن کے مفید اور نہایت مُفید ہونے پر کامل یقین کرلیتا ہے یہ حالت انسان کے خیال کی ترقی کی چھٹی سیڑھی ہے۔

اس سیڑھی پر قدم رکھتے ہی آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زینہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک ایسے بلند اور خوش فضا سطح پر پہنچ جاتا ہے جس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں اور ہر ایک سیڑھی پر جتنی جتنی دیر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تھا اُس پر افسوس کرتا ہے۔ اب وہ دیکھتا ہے کہ اُس نہایت ہی دلکش میدان میں جابجا صاف اور شیریں چشمے اور نہریں جاری ہیں۔ سبزہ نے تمام میدان پر فرش زمرّدیں بچھا دیا ہے مختلف قسم کے پھول اور پودے اور درخت جُدا جُدا لطف دکھلا رہے ہیں۔ مرغان خوش الحان اپنی اپنی بولیوں میں اپنے پروردگا کی یاد میں مصروف ہیں وہاں اگر کوئی ناہموار مقام بھی ہے تو نہایت ہی دلچسپ دکھائی دیتا ہے

---

[۱] یہ ایک ہنسی ہے اُن لوگوں کی جو کسی کام کی خوبی کو عقلاً تسلیم کرتے ہیں مگر مصلحت کا عذر کرتے ہیں حالانکہ عقل اور مصلحت بالکل ایک ہے +

اور وسط میں ایک چشمہ کے کنارہ پر نہایت خوبصورت ایک مینار ہے اور اس پر موٹے موٹے طلائی حرفوں میں عربی خط سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

دنیا میں خدا کی یہ رحمت خاص مسلمانوں کے واسطے ہے جو چھوں سیڑھیاں طے کر کے یہانتک پہنچ جاویں۔

میں نے ایک مقابل کے اونچے ٹیلے پر چڑھ کر اس تمام کیفیت کو دیکھا میں نے دیکھا کہ اُس گلستاں ہمیشہ بہار میں جابجا نہایت ہی قرینہ کے ساتھ بہت ہی پر تکلف بہت سے تخت اور آرام چوکیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ کو اُن تختوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھے معلوم ہوئے لیکن نہ میں اُن لوگوں کی صورت پہچان سکا نہ اُن کی بولی کچھ میری سمجھ میں آئی عقل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ مصر اور قسطنطنیہ اور ٹونس وغیرہ کی طرف کے مسلمان ہیں۔ جو ان چھتوں سیڑھیوں کو طے کر چکے ہیں۔ اور اب خدا کی رحمت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

میں اُن بہت سے شخصوں میں سے صرف دو شخصوں کو پہچان سکا جن کے تخت میدان کے کنارہ پر اُس مقام پر بچھے ہوئے تھے جہاں وہ زینہ ختم ہوتا ہے۔ ایک تخت پر میں نے سید احمد خاں کو دیکھا کہ تہذیب الاخلاق کی بہت سی نفیس نفیس اور سنہری جلدیں اُن کے سامنے رکھی ہوئی ہیں اُن میں سے وہ کسی کسی جلد کو اُٹھا کر کوئی کوئی مضمون ہندوستان کے مسلمانوں کو سُنا رہے ہیں اور جس عمدہ مقام پر وہ خود موجود ہیں اور جس کی خوبیاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اُس کو بڑی دلسوزی اور محبت کے ساتھ اُن لوگوں کو سمجھاتے ہیں جو اُس زینہ کے نیچے گروہ در گروہ نہایت بے ترتیبی اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور زبان حال سے کہتے جاتے ہیں۔ یالیت قومی یعلمون۔

میں نے اس ٹیلہ پر سے دیکھا کہ کوئی مسلمان جس کے کان میں سید احمد خاں کی آواز پہونچی ایسا باقی نہ رہا تھا جس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ہو۔ میں نے دیکھا کہ تمام مسلمان پہلی آواز پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس خیال کی ترقی کے زینہ کی طرف کو دوڑے۔ اور جیسی جس کی استعداد اور قوت تھی ویسی ہی اُس نے ترقی کی۔ بعض ضعیف الجثہ اور کم ہمت یا نابینا اور لولے لنگڑے ابھی پہلی سیڑھی تک بھی نہیں پہونچے ہیں۔ باقیوں میں کوئی پہلی سیڑھی پر ہے کوئی دوسری سیڑھی پر کسی نے تیسری سیڑھی تک ترقی کر لی ہے اور کوئی چوتھی سیڑھی پر پہنچ گیا ہے اور بعض جو بہت ہی عقلمند اور ذکی اور چُست و چالاک تھے وہ پانچویں سیڑھی تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ جو لوگ پانچویں سیڑھی پر پہونچ گئے ہیں اُن کو سید احمد خاں ہاتھ بڑھا کر اپنے برابر اوپر لے لیتے ہیں۔ چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے اُنہوں نے پانچویں سیڑھی پر سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کو کھینچ لیا وہ بھی اُس پر فضا میدان کی راحتوں اور خوشیوں کا لُطف حاصل کرنے لگا اور سید احمد خاں کی برابر اپنی آرام چوکی سے ہاتھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آہا یہ مولوی سید مہدی علی صاحب ہیں جو اپنی چُستی اور رسائی عقل سے بہت جلد چھٹوں سیڑھیاں طے کر گئے۔ اُن کو میں اس عمدہ مقام میں پہونچا ہوا دیکھکر بہت ہی خوش ہوا۔ مولوی سید مہدی علی صاحب نے بھی ایک جلد سید احمد خاں کے سامنے سے اُٹھالی اور اُنہوں نے بھی اُس کے مضامین بآواز بلند اُن لوگوں کو سُنانے شروع کئے جو یا تو زینہ طے کر رہے تھے یا زینہ کے نیچے اُس پر چڑھنے کی فکر میں کھڑے ہوئے تھے۔

میں نے ایک اور مولوی صاحب کو بھی دیکھا جو چوتھی سیڑھی سے پانچویں سیڑھی پر چڑھنے کی طیاری کر رہے تھے۔ اور عنقریب پانچویں سیڑھی پر پہونچنا چاہتے تھے مگر اُنہوں نے مجھے دور سے اشارہ سے منع کیا کہ میرا نام ابھی کسی سے نہ لینا۔ اُنہوں نے بھی سید احمد خاں

کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کردی اور جو بات وہ سید احمد خاں سے قریب ہونیکی وجہ سے اچھی طرح سنتے اور سمجھتے تھے اُسکو نیچی سیڑھیوں والوں کو سمجھانے لگے۔

پہلی اور دوسری سیڑھیوں والوں کی کیفیت دیکھکر مجھ کو بے اختیار ہنسی آئی میں نے دیکھا کہ وہ سید احمد خاں کی آواز سنتے ہی دوڑے اور کوئی پہلی اور کوئی دوسری سیڑھی اُس زینہ کی طے کر گیا گویا سید احمد خاں کے منشاء کی پوری تعمیل میں مصروف ہیں لیکن باایں ہمہ وہ سیّد احمد خاں سے مخاطب ہو کر زبان درازیاں کرتے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی کہتا ہے کہ سید احمد خاں کی ایک مت سنو کوئی کہتا ہے کہ بالکل اُس کے برخلاف کام کرو یہ کہتے جاتے ہیں اور اوپر کو چڑھتے جاتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی اُن کی اس حالت کو دیکھکر مسکرا پڑے اور کہنے لگے کہ کیسے پاگل آدمی ہیں جس کام کو کرتے جاتے ہیں اُسی کو بُرا کہتے ہیں جس راستہ کو بند کرتے ہیں اُسی طرف کو چلے جاتے ہیں۔ مگر تابہ کے تین سیڑھیاں ان کو بھی طے کرنا باقی ہیں سمجھدار ہوتے جلد طے کر لیتے نادان ہیں بدیر طے کرینگے۔

یہ مرنے بڑے کی باتیں دیکھکر میں اُس ٹیلہ پر سے اُتر آیا اور اُس وقت سمجھا کہ سیّد احمد خاں کے تہذیب الاخلاق نے ہندوستان کے مسلمانوں میں کیا اثر پیدا کیا ہے اور آئندہ کیا اثر پیدا کرے گا۔

دوستی کا برتاؤ

تہذیب الاخلاق کے نمبر اوّل جلد دوم میں ہم ایک مضمون دوستی پر لکھ چکے ہیں اُس میں ہم نے صرف اصول اور فوائد دوستی پر بحث کی تھی اس مضمون میں دوستی کے برتاؤ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے منظور ہیں۔

سب اس بات کو مانتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دوچند اور مصیبت کو
نصف کر دیتی ہے یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھ خوش ہو کر اُس خوشی کو
دوچند کر دیتا ہے اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا آدھا بوجھ ہم پر سے ٹل
جاتا ہے اگرچہ یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے
دوست رکھنے بہتر ہیں۔ عقلا متقدمین میں سے ایک کا قول ہے کہ "بہت سے ہوا خواہ
بنا مگر دوست بہت کم سب کے ساتھ امن سے رہ مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا" یعنی
دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن نہ بنا۔ کیونکہ دوستی کا نباہنا مشکل ہے۔ دوستوں کی تعداد
کے ساتھ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہے اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت
ہوتی ہے بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں وہ ہمارے عیوب اور
بھیدوں سے واقف ہوتا ہے اور ہزارہا ایسی مضرتیں پہنچا سکتا ہے جو ناواقف دشمن
کے اختیار میں نہیں ہوسکتیں۔

سب سے آسان دوستی وہ ہے جس کا ہم نے اپنے مضمون سابق میں اوّل ذکر کیا تھا یعنی وہ
جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہے ایسی محبت میں ہمیشہ ہمکو اختیار رہتا ہے کہ کس قدر
دوستی رکھیں اور اُس کے بالکل موقوف کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس حالت
میں کوئی اپنا دشمن نہیں بنتا مگر یہ دوستی ادنےٰ قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ
جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہے اُسی قدر اُس سے حظ اور فائدے بھی
کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف ایسی دوستی پر قناعت کرنی نہ چاہیئے۔

البتہ دوسری قسم کی دوستی جس کا اب ہم ذکر تے ہیں سب سے زیادہ کار آمد ہے اور عام
برتاؤ میں آتی ہے۔ یعنی وہ محبت والفت جو کہ بسبب ربط وارتباط کے پیدا ہوتی ہے اور

جس سے صحبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتب ہے سب سے مقدم شرط اس دوستی کی یہ ہے کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ دینوی کو بالکل بھول جاویں اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بدرجہا بڑھکر ہو اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے بعد اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہے یعنی تلوّن مزاجی اور بدباطنی دونوں میں نہ ہو۔ ایسے دو شخصوں میں دوستی نہیں ہوتی جن میں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلےٰ سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہو۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہی مقدم باعث ہے کہ مختلف درجہ کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شاذ و نادر ہے۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں وہ رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہے مگر ہمکو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہیئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حظ کو خراب کردیتا ہے ہماری مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہے جسکو دل لگی یا ہنسی یا مذاق کہتے ہیں ہم ہنسی یا مذاق کے فی نفسہ دشمن نہیں۔ بلکہ ضرور ہے کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپس میں اپنی خوشی کے لئے کچھ ہنسی کی باتیں کریں۔ مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہے۔ یہ وہ طریقہ مزاج کا ہے جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہے یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہے۔ اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرنا گویا اُس کے بُرے ہونے کو جتانا ہے۔ اور یہ بالکل نامناسب ہے۔ کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہے اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُسکو رنج دینا ہوتا ہے۔

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اور طرز دوستی کا یعنی آپس میں گالم گلوج کا ہونا
کمال محبت سمجھی جاتی ہے۔ اس جگہ اُس کی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث
زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو کہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔
اور گو دل میں محبت نام کو بھی نہ ہو مگر ہمارے ساتھ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں
اکثر ایسے ہی لوگ رنج دل میں ڈالنے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور خود بیہودہ
خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اس سے بھی بدتر ایک اور کمینی عادت ہے کہ ہنسی کے پردہ میں
کسی کو طعنہ دینا یا ایسی بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُن کو کہنی منظور تھی۔ مگر اپنی بدباطنی
کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے یہ بات ذرا غور سے سمجھ میں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں
ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہے۔

اصل ہنسی وہ ہے جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جس کے
ذکر سے اُسکو رنج نہ ہو۔ ایک قسم کی بات گڑھنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھ جھنجھلاہٹ
آوے تو وہ غصہ ہرگز موثر نہیں ہوتا اور نہ اُس سے کچھ ہرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے
بعد سب کو اُس سے خوشی ہوتی ہے۔ خود اُس دوست کو جس کی ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہے
ہم کو یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ ہنسی میں کوئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سوائے
اُس کے جس کی غلطی صریح ہو۔ ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود
صاف دکھاتا ہے اور اُس سے کسی قسم کا ہرج نہیں ہوتا۔

ایک اور بات پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہے کہ دوست کا مال اپنا ہی
ہوتا ہے یہ نہایت اعلےٰ اور عمدہ قول ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کا بھی برتاؤ بری

طرح پر ہوتا ہے اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شئے نہیں رکھتا کہ اُس کے ملاقاتی اس کے پاس وہ شئے نہیں رہنے دیتے" دوست اچھی شئے نہیں چھوڑتے" یہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ کوئی شئے اس سے زیادہ شریف اور اعلےٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُس کے لئے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہمکو معلوم ہے کہ ہمارے دوست کو ایک شئے نہایت پسند ہے اور اس لئے اُسکو عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اُس سے اُس شئے کی درخواست کریں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس کا اصول کس قدر غلط ہے اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شئے کو پسند کریں جس سے اُسکو کسی قسم کی آسائش یا خوشی ہو تو کس قدر محبت کے خلاف ہے کہ اُس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسائش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شئے ہماری دانست میں عمدہ ہے ہم کو چاہئیے کہ یہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شئے رکھے اور خوشی اور آسائش حاصل کرے نہ یہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں۔ باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہے۔ لیکن تاہم اُس سے وہ چیزیں لینی چاہئیں جو کہ ہماری دانست میں عمدہ ہیں مگر اُسکو چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُن کی درخواست کی جاوے جبکہ ہم کو کچھ شک نہو کہ اُس خاص شئے کے لینے سے ہم کو اپنے دوست کی آسائش سے (جو کہ اُس چیز خاص سے اُسکو ہوتی ہو) بدرجہا بڑھ کر ہو گی اکثر اس طرح بھی محبت میں فرق آتے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے ایک شئے کی درخواست کی اور اُس نے انکار کیا تو ظاہر ہے کہ محبت میں فرق پڑا سچی دوستی کا ایسی حالت میں یہ مقتضی ہے کہ اگر درخواست کنندہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شئے دوست کو نہایت عزیز ہے اور اس ناواقفیت کی حالت میں درخواست کرے تو معلوم ہوتے ہی اپنی درخواست کو واپس کر لے اور اُس شئے کے

نہ لینے پر مُصر ہو۔ اس بات کو غور سے سمجھ لینا چاہئیے کہ کسی شئے کا جو کہ ہمارے دوست کو عزیز ہے مانگنا اسیقدر محبت کے خلاف ہے جس قدر کہ اُس دوست کا اُس شئے کو درخواست کے بعد نہ دینا۔ اگر کوئی وجہ خاص ایسی درخواست یا انکار کی ہو تو سچے دوستوں کو لازم ہے کہ صاف بیان کردیں اور نہ یہ کہ محبت میں خلل آنے دیں۔

کیا اچھا قول ہے کہ "دوست حقیقی ایک بہت مضبوط پناہ ہے اور جس نے ایسا دوست پالیا گویا ایک بڑا خزانہ پایا سچا دوست زندگی کے امراض کی دوا ہے اور جو لوگ دل سے نیک ہیں اپنی نیکی کے صلہ میں ایسا دوست پاوینگے" اسب سے خوبصورت اور غور و تامل کے لایق اس مقولہ کا اخیر حصہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی صفائی کے بغیر ہم کو سچا اور وفادار دوست نہیں ملتا۔

دل را بدل رہیست درین گنبد سپہر

وہ شخص جو کہ خود صاف اور نیک ہے ضرور کبھی نہ کبھی ایسا دوست پاویگا اور گو اپنی صفائی کے سبب اسکو کبھی بد لوگوں سے مضرت پُہنچے مگر بلاشبہ سچے دوست کے ملنے سے محروم نہ رہیگا مگر بد باطن کو کبھی اچھا دوست نصیب نہیں ہوتا اگر اُسی کی سی خاصیت کا شخص ملا تو وہ اسکی نسبت اُتنا ہی شبہ کریگا جتنا کہ یہ اُسکی نسبت اور کبھی کھل کر دوستی نہیں ہونے کی۔ اگر بد باطن شخص کسی صاف باطن سے ملے تو اُسکو اُسکی نسبت بھی اپنی بد طینتی کے سبب شبہ رہیگا اسبات کی فکر میں رہیگا کہ اُس کے بھید معلوم کروں اسی خواہش میں مبتلا ہوکر چھپ چھپ کر باتیں سُنے گا اور اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات سُن پائی جو اُسکی دانست میں اُس کے برخلاف ہوئی تو اُسکو اپنی غیبت تصور کرکے اپنے دل میں اپنے تئیں مبارکباد دیگا کہ کس ہوشیاری سے بھید معلوم کیا گو وہ بات جو اُس نے چھپ کر سُنی (اور اس طرح پر بات سُننے اور چوری

میں کچھ فرق نہیں) ایسی ہو کہ اُس صاف باطن شخص کو اُس کے روبرو کہنے میں بھی کچھ تامّل نہ ہوتا ایسے شخص کو کبھی سچے دوست کی سی نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ تعجب نہیں کہ تھوڑے عرصہ تک صاف باطن اس بدباطن شخص کو اچھا اور صادق دوست سمجھے۔ مگر نہایت جلد اُس کے حرکات سے اُس کی خاصیت کھل جاتی ہے۔ اور صاف آدمی اپنی اس ملاقاتی سے متنفر ہو جاتا ہے۔

جتنا دوست پُرانا ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی قدر بڑھتی جاتی ہے اور گو اکثر ہمکو نئے دوست کی وفا پر اتنا ہی بھروسہ ہو جاتا ہے جتنا کہ پُرانے دوست پر۔ مگر تاہم پُرانے دوست کے ساتھ زیادہ تجربہ زندگی کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ وہ قدیم ہے اُسکی قدر زیادہ ہوتی ہے مگر گھری دوستی بڑے اندیشہ کی شے ہے اور اُس کے برقرار رکھنے کے لئے ہم کو بڑی احتیاط لازم ہے۔ ایک دفعہ دوستی ٹوٹنے کے بعد گو عقلمند اور عالی ہمت شخص اُس شخص کا جو کہ اُسکا دوست تھا قصور معاف کر دیگا۔ مگر پھر دوستی کا ہونا مشکل ہے۔ اور میری دانست میں اُس شخص سے جو کہ ہمارے ساتھ دوستی کا دعوے کر کے ہمارے ضرر کی بات دانستہ کرے دوستی پھر نہ کرنی چاہیئے۔ گو اُسکا قصور بالکل دل سے معاف کر دے اور صلح کر لے اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ حرکت جس سے ہم نے ناراض ہو کر ملاقات ترک کی تھی حقیقت میں دشمنی کی نہ تھی تو پھر محبت کے جاری کرنے میں کچھ ہرج نہیں اور ایسی بات کو اگر کوئی شخص معاف نہ کرے تو وہ بہت بیرحم اور بے مروّت سمجھا جانا چاہیئے۔

ایک عقلمند کا مقولہ مشہور ہے کہ "اپنے دشمنوں سے دُور رہ اور دوستوں سے ہوشیار" گو یہ قول ایک دانا شخص کا ہے مگر ہم اِس کے اخیر حصّہ سے متفق نہیں۔ وہ دوستی کیا جس میں کہ دوست پر کچھ بھروسہ نہ کیا جاوے اور وہ محبت کیا کہ جس میں اپنے دوست کی وفا پر شبہ رہے

شاید یہ قول دنیا کے کاروبار میں نہایت ٹھیک ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے خیالات دوستی کے قطعاً برخلاف ہیں۔ اس مقولہ سے گویا یہ سکھانا ہے کہ دوست کو بھیدوں سے مطلع نہ کرے۔ مگر ایسی حالت میں سب سے بڑا فائدہ دوستی کا جاتا رہتا ہے۔ وہ شخص نہایت نادان بلکہ خائن ہے جو کہ اپنے بھیدوں سے دوسروں کو مطلع کرتا پھرے۔ ہمکو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا رازدار بنا دیں مگر بے شک امانت کے برخلاف ہے کہ اپنے دوست کے بھیدوں کو غیروں پر کھول دیں الغرض اپنے دوست کی بڑی خاطرداری لازم ہے اور کوئی بات اُسکو رنج دینے والی نہ کرنی چاہیئے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بڑے دوست کی ذرا سی محبت کے برخلاف بات سے بڑا رنج ہوتا ہے اور ایک دفعہ ایسی دل شکنی کے بعد دوستی کا جاری رہنا دشوار ہے کیونکہ۔ دل را شکستہ نہ گہ گوہر شکستہ۔ ہمنے اپنے مضمون سابق میں (جس کا یہ مضمون گویا تتمہ ہے) اُن فوائد کا ذکر کیا تھا جو کہ ہمارے دوست سے ہمکو ہوتے ہیں یہ سب فائدے اکثر دوست کے اپنے بغیر کچھ تکلیف اُٹھائے یا کچھ دولت صرف کئے نہیں ہوتے اور اس لئے اُن کے سبب ہمپر اس کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ ایسے احسان کے معاوضہ میں صرف اُس سے محبّت زیادہ کرنی چاہیئے اور مقولہ مشہور "حساب دوستاں در دل" نہایت غلطی پر مبنی ہے اگر اس مقولہ کے معنی یہ سمجھے جاویں کہ جب کوئی دوست ہمارے لئے اپنی دولت کچھ صرف کرے یا کسی اور طرح ہمکو ممنون کرے تو اُس کے احسان کو ہم اپنے دل میں رکھیں اور موقع پر اسکو اتار دیں۔ ہم اِس بات کے بیان کرنے سے باز نہ رہیں گے کہ یہ معنی اس مقولہ کے ہماری رائے میں محض غلط ہیں۔ جس وقت کہ ہم اس اصول کو قبول کرلیں تو ظاہر ہے کہ اپنے دوست کا احسان لینا گویا قرض

لینا ہے اور ضرور ہے کہ ایسے احسان کا بوجھ اس قدر ناگوار ہوتا ہے کہ برداشت نہیں ہو سکتی
قرض کو تو بوقت مقدور اُتار بھی سکتے ہیں مگر ایسے احسان سے تو جان چھٹانی مشکل ہوتی ہے۔
اس لئے بدلے اس کے کہ ضرورت کے وقت اپنے دوست کی سعی و کوشش کو کام میں لاویں
ایک خواہش اس کے برخلاف پیدا ہو جاتی ہے۔ فی الحقیقت دوستی مثل بازار میں سودا
خریدنے کے ہو جاتی ہے احسان لیا اور اُتار دیا جیسے سودا لیا اور دام ادا کئے۔ دوست
کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس کے احسان کو لیکر ہم اپنے پر اُس کا اُتارنا واجب سمجھیں اور
کیا یہ محبّت کے برخلاف نہیں ہے کہ اُس کے احسان کو ہم اپنے پر بار یا فرض سمجھیں ہاں
یہ محبّت کا مقتضی ہے کہ جہانتک ہمسے ہو سکے اپنے دوست کی بہبودگی کے لئے کوشش کریں مگر
اس نیت سے کرنا کہ اس کا احسان ہم پر سے ٹل جاوے بدباطنی میں داخل ہے۔ احسان ہم پر
سے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ کیونکہ احسان کنندہ کو احسان کرتے وقت کچھ معاوضہ ملنے کی توقع
نہیں ہوتی وہ صرف ازراہ محبّت ایک کام ہمارے فائدہ کا کرتا ہے۔ اس سے ہم اس کے
ممنون ہوتے ہیں ایسا احسان صرف اس سبب سے کہ اوّل کیا گیا ہے بعد کے ہزار احسانوں سے
بھی نہیں اُترتا بعض لوگ اس نیت سے احسان کسی پر کرتے ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ اُن کا ممنون
رہے ایسی حالت میں گو اُس شخص کو ہمیشہ احسان مند رہنا زیبا ہے۔ مگر اُس احسان کی خود
قدر گھٹ جاتی ہے ایسے ہی احسان کرنے والے بعد کو احسان جتایا کرتے ہیں اور واقع میں احسان
کر کے بھول جانا یا سوائے محبت کے اور کسی قسم کی عوض کی امید نہ رکھنا بہت عالی ہمّت
اور شریف لوگوں کا کام ہے۔

گو اوپر کے فقروں میں دوست کے احسان اُتارنے کی خواہش کو ہم بُرا کہہ آئے ہیں مگر ہم
اُس بدباطنی کی بھی مذمت کرتے ہیں جو کہ خواہش مذکورہ بالا کی ضد ہے یعنی اس بات کی خواہش

رکھنا کہ جس دوست پر ہم احسان کر چکے ہیں اُس کا احسان نہ لینا چاہیئے تا کہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر نہ جائے جس شخص میں ایسی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی سچا دوست نہیں ہوتا اور اُسکا احسان نہایت ناگوار گذرتا ہے کیا اُس نے ہمکو بے بس یا بے مقدور سمجھکر احسان کیا تھا یا یہ کہ ہم کو فقیر ذلیل اور اپنے تئیں امیر و کبیر اور ہم سے مرتبہ میں اعلےٰ سمجھتا ہے کہ ہم جو اُس کی خدمت محبت سے کرنی چاہتے ہیں اُس کے قبول کرنے میں اُس کو عار ہے ہاں اگر دوست کو تکلیف دینے میں ہمکو تامل ہو تو یہ عین محبت ہے۔ مگر اس غرض سے اُس سے کبھی بات کی درخواست نہ کرنی یا اوس کی دولت کے نہایت قلیل حصّہ کو بھی اپنے لئے صرف نہ ہونے دینا کہ ہم پر اُس کا احسان نہ ہونے پاوے یا یہ کہ ہمارا احسان اُس پر سے نہ اُتر جاوے بدباطنی اور نفاق میں داخل ہے۔

ایک اور بات کا ہم مختصر بیان کرتے ہیں۔ زندگی کے تجربہ سے اکثر معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی دوستوں میں لین دین شروع ہوا۔ دوستی میں غالباً خلل واقع ہوتا ہے اسلئے ہماری دانست میں دوست کو ہمیشہ قرض حسنہ دے کہ اگر بالفرض وہ ادا نہ کر سکے تو محبّت شکنی نہ ہو یہ بہتر ہے کہ اگر دوست قرض مانگے تو صاف بیان کر دے کہ مقدار خاص سے زیادہ وہ دے نہیں سکتا اور اگر ایسے انکار سے کوئی دوست ناراض ہو تو اُسکا قصور ہے۔

ہم نے ایک بڑے شخص کے موںھ سے یہ مقولہ سنا ہے کہ "دوست را میازما" مگر اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اُس کے احسان لینے سے یا وقت ضرورت مدد کی درخواست کرنے سے عار رکھو۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ بلا ضرورت اپنے دوست کی وفا آزمائی کے واسطے اُس سے کوئی درخواست نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ آزمانا صرف شبہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ دوست صادق نہیں جو اپنے دوست کی وفا پر شبہ کرے۔ زمانہ خود ہر شخص کی خاصیت کو کھول دیتا ہے پھر ہم

کیوں اپنے دوست کی نسبت بدگمانی کریں جب تک ممکن ہو اسکو اپنا دوست سمجھیں اور اگر آخر کو وہ بدباطن نکلے تو صرف خاموش اور علیحدہ ہو جاویں۔ مگر اول ہی آدمی کے پہچاننے میں ہمکو احتیاط چاہیئے تاکہ آخر کو ندامت نہ ہو ع۔ چرا کار کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ⁂

زمانہ

جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ

زمانہ کی نیرنگیاں مشہور اور اُسکی تلوّن مزاجیاں ضرب المثل ہیں۔ وہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ وہ ہمیشہ ایک چال پر نہیں چلتا۔ وہ گرگٹ کی طرح برابر رنگ بدلتا رہتا ہے۔ وہ اُس پتھر کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکایا جائے ہزاروں پلٹے کھاتا چلا جاتا ہے۔ وہ جو روپ بھرتا ہے اُس کے چہرہ پر کھل جاتا ہے۔ وہ جو ٹھاٹھ بدلتا ہے اُسکا رنگ ساری مجلس پر چھا جاتا ہے۔ وہ کبھی دن کی روشنی میں اور کبھی رات کی تاریکی میں کبھی گرمی کی تپش میں اور کبھی جاڑے کی ٹھر میں ظہور کرتا ہے۔ پر کسی بھیس میں اُس کا رنگ جمے بغیر نہیں رہتا جب وہ دن کا بانا بدلتا ہے تو رات کے سارے عمل باطل کر دیتا ہے۔ سوتوں کو نیند سے جگاتا ہے نکموں کو کام میں لگاتا ہے طبیعتوں سے سستی کو دور کرتا ہے اور دلوں کو اُمنگوں سے بھر دیتا ہے جب وہ رات کا برقع پہنتا ہے تو دن کی ساری کائنات حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے مزدوروں کا دل محنت سے اُچاٹ کرتا ہے جفاکشوں کو بستر راحت کی طرف کھینچکر لاتا ہے۔ اور ساری دُنیا پر غفلت کا پردہ ڈال دیتا ہے گرمی میں اُسکی بازی کا نقشہ کچھ اور ہے۔ اور جاڑے میں اُسکی حکومت کا ڈھنگ کچھ اور ہے۔ مبارک وہ ہیں جنہوں نے اُس کے تیور پہچانے اور اُس کی چال ڈھال کو نگاہ میں رکھا۔ جدھر کو وہ چلا اُس کے

ساتھ ہو گئے۔ اور جدھر سے اُس نے رُخ پھیرا اُس کے ساتھ پھر گئے۔ گرمی میں گرمی کا سامان
لیا۔ اور جاڑے میں جاڑے کی تیاری کی۔ دن کو دن کی طرح بسر کیا۔ اور رات کو رات کے
طور پر کاٹا۔ اور بدنصیب وہ ہیں جنہوں نے اُس کی پیروی سے جی چرایا۔ اور اُسکی ہمراہی سے
ناک چڑھائی۔ گرمی چمکی پر اُنہوں نے جاڑے کے کپڑے نہ اُتارے اور ہلکے پھلکے نہ بنے
دن نکلا پر اُنہوں نے کروٹ نہ بدلی۔ اور خواب شبینہ سے بیدار نہ ہوئے اب وہ بہت جلد دیکھینگے
کہ پیچھے کون رہا اور منزل تک کون پہونچا
جو لوگ زمانہ کی پیروی نہیں کرتے وہ گویا زمانہ کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں مگر یہ اُنکی سخت
خام خیالی ہے چند مچھلیاں دریا کے بہاؤ کو نہیں روک سکتیں اور چند جھاڑیاں ہوا کا رُخ نہیں
پھیر سکتیں۔ اسی لئے ایک پختہ کار شاعر نے کہا ہے کہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" اور عرب
کے ایک حکیم کا قول ہے کہ "در مع الدھر کیف ما دار" (یعنی زمانہ جدھر کو پھرے اُس کے
ساتھ پھر جاؤ)
شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ساھیولئے لکل صورۃ (یعنی اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کر کہ جس
رنگ کو چاہے فوراً قبول کرلے) یہ اس لئے فرمایا کہ زمانہ کبھی انقلاب سے خالی نہیں رہتا اور
اسکا مقابلہ انسان ضعیف البنیان سے نہیں ہو سکتا۔ پس انسان میں ایسی قابلیت ہونی ضرور
ہے کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے۔ تاکہ زمانہ کا کوئی انقلاب اُسکو سخت صدمہ نہ
پہنچائے آندھی کے پُر زور حملے انھیں تناور درختوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جو اپنی جگہ
سے ٹلنا نہیں چاہتے پر چھوٹے چھوٹے لچکدار پودے جو ہوا کے ہر جھوکے کے
ساتھ جُھک جاتے ہیں ہمیشہ برقرار رہتے ہیں۔)
.. اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ عارضی یا چندروزہ کامیابی مقتضائے وقت

کی مخالفت میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جو لوگ دُنیا میں اگر کامیابی کا پورا پورا استحقاق حاصل کر گئے وہ وہی تھے۔ جنھوں نے مقتضائے وقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور جیسا زمانہ دیکھا ویسے بن گئے۔

حکیم اوحدالدین انوری جس نے اپنے زمانہ کے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی اور پھر عجم کے اُن تمام شاعروں میں شمار کیا گیا جو پیغمبر شعر مانے گئے ہیں۔ اگر مقتضائے وقت کی پیروی نہ کرتا تو یہ شہرت اور عزت اُسکو ہرگز حاصل نہ ہوتی۔ وہ خراسان کی ایک بستی (زاکان) میں ٹھیرا ہوا تھا کہ اتفاق سے اُس عہد کے ملک الشعرا ابوالفرج سنجری کا لشکر بھی وہیں آٹھیرا۔ انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سارا جلوس سنجری کے ساتھ ہے۔ کہا سبحان اللہ علم کا مرتبہ ایسا بلند۔ اور میں اس قدر مفلس؟ اور شاعری کا درجہ ایسا ذلیل۔ اور اس شخص کو یہ جاہ و حشمت؟ اب مجھکو بھی قسم ہے جو شاعر ہی بن کر نہ دکھاؤں چنانچہ اُسی رات کو ایک قصیدہ سُلطان سنجر کی مدح میں لکھکر تمام کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

گر دل و دست بحر و کاں باشد ✣ دل و دستِ خدائیگاں باشد۔

پھر تمام عمر شاعری کی بدولت خوشحال اور فارغ البال رہا۔ اور دُنیا میں شہرت اور بلند نامی حاصل کی۔

ایک مجلس میں شیخ ابوالفضل کے کمالات اور ترقیات کا مذکور تھا۔ ایک صاحب بولے "وہ باایں ہمہ کمالات اگر اس زمانہ یعنی اُنیسویں صدی عیسوی میں ہوتا تو شاید عدالتوں میں عرضی نویسی کر کے اپنا پیٹ پالتا"۔ ہم نے کہا اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو ہرگز اپنی کامیابی کا ذریعہ اُس لیاقت کو نہ گردانتا جس کی بدولت اُس نے سولھویں صدی عیسوی میں ترقیات حاصل کی تھیں بلکہ اس عہد میں وہ کم سے کم ایم۔ اے یا ایل ایل ڈی کا درجہ ضرور حاصل کرتا اور کچھ نہیں تو

لندن کے کسی نامی گرامی اخبار کا کارسپانڈنٹ ضرور ہوتا۔ یہ ہمارا ایک سرسری جواب تھا جو اُس وقت بلا تامل زبان سے نکل گیا۔ مگر اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح تھا۔ ابوالفضل کی ذات میں ہر زمانہ کا رنگ بدلنے کی ایسی قابلیت تھی کہ وہ جس زمانہ میں ہوتا اُس زمانہ کی حیثیت کے موافق ضرور اپنے ہمچشموں میں ممتاز ہوتا۔ وہ ایک رقعہ میں جو غالباً اُس نے اپنے باپ کے نام لکھا ہے۔ تحریر کرتا ہے۔ کہ " بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں کہ ایک طالب علم کو اس قدر منصب جلیل تک پہنچا دینا بادشاہ کو زیبا نہ تھا۔ اس لئے میری بھی اب یہی تمنا ہے کہ سپہ گری کا کوئی کارنمایاں کھلاؤں" اُس کا یہ قول نرا دعوے ہی دعویٰ نہ تھا۔ بلکہ اُس نے مرتے وقت نرسنگھ دیو بندیلے کے مقابلہ میں اپنی قابلیت کا جوہر سب پر ظاہر کر دیا۔ مقابلہ کے وقت اُس کے اکثر ہمراہی بھاگ گئے تھے۔ اور چند آدمی جو بچے تھے وہ اس کو یہ صلاح دے رہے تھے کہ اس تھوڑی سی جمعیت پر بندیلے کا مقابلہ کرنا مصلحت نہیں مگر وہ نہایت ترشی سے کہہ کر " مگر بگریزم " اکیلا فوج مخالف میں جا گھسا لیکن چونکہ پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور اُسکے گرتے ہی مخالفوں نے تیغ کا کام تمام کر دیا۔

سُلطان شہاب الدین غوری کو مورخوں نے بہت سخت اور تند مزاج لکھا ہے۔ اور اُس کے ثبوت کے لئے اُس کی وہ زیادتی پیش کرتے ہیں جو فتح اجمیر کے بعد اُس سے ظہور میں آئی۔ یعنی کئی ہزار آدمی جو فتح کے بعد بچ رہے تھے۔ اُن سب کو تیغ بیدریغ کے حوالہ کیا مگر باوجود اس کے اُس کی سختی اور تند مزاجی کو اس سبب سے مذموم نہیں سمجھا کہ جس فتنہ و فساد کے زمانہ میں وہ متسلط ہوا تھا اُس کے لئے ایسی

مزاج کا بادشاہ ہونا سزاوار تھا

جس طرح دُنیا کی بہبودی کا مدار مقتضائے وقت کی موافقت پر ہے اسی طرح دین کی کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے۔ کتاب مقدس (توریت) میں خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بڑی تعریف اس بات پر کی ہے کہ وہ مصریوں کے تمام علوم میں کامل تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت جیسا جلیل القدر منصب بھی اُس شخص کو عطا ہوتا ہے جسمیں زمانہ کے حسب حال ہونے کی پوری پوری قابلیت ہوتی ہے۔

ہمارے نبی برحق نے جو دعوت اسلام میں کامیابی نمایاں حاصل کی اُسکا بڑا ذریعہ عبارات قرآنی کی حلاوت اور ملاحت تھی جس کا مدار بالکل مقتضائے وقت کی موافقت پر تھا کیونکہ اُس وقت شعر و شاعری کے شور سے تمام عرب گونج رہا تھا۔ اور فصاحت و بلاغت کے دعوے نہایت توجہ سے سُنے جاتے تھے۔ کوئی کمال علم ادب کے ہم پلہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی ہتھیار تیغ زبان کے برابر کارگر نہ ہوتا تھا۔

آنحضرت (صلعم) کے بعد پہلی اور دوسری خلافت میں جو اسلام کو ترقی روز افزوں نصیب ہوئی اور کوئی فتنہ ایسا حادث نہ ہوا جو اُس کے زور و طاقت کی مزاحمت کرتا اُس کا اصل سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ منصب خلافت کے لئے آگے پیچھے ایسے دو شخص انتخاب کئے گئے جن کا چلن اور برتاؤ بالکل مقتضائے وقت کے موافق تھا اور اس سبب سے زمانہ اُنکا معین و مددگار بن گیا تھا۔ چنانچہ اسی مصلحت کے لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے جناب مرتضوی کے استخلاف کی نسبت وانی لا اراکم فاعلون فرمایا اور شیخین کی نسبت کچھ تردد ظاہر نہ کیا۔

عمر فاروق کی شدت چونکہ مقتضائے وقت کے موافق تھی اس لئے مزرعہ اسلام کے

حق میں ابرِ رحمت کا کام کر گئی اور عثمان ذی النورین کی مروّت جو اُنہوں نے مروان بن الحکم وغیرہ کے ساتھ برتی چونکہ مقتضائے وقت کے موافق نہ تھی اِس لئے اُس فتنۂ عظیم کی اصل قرار دی گئی جو آپ کے آخر عہد خلافت میں ہؤا۔ اور جس کا ایک نتیجہ آپ کا قتل تھا۔

ایک زمانہ میں مقتضائے وقت یہ تھا کہ محدثین اسلام (اِس خیال سے کہ رسول مقبول کے ارشادات تمام وکمال فراہم ہوجائیں) روایات کے اخذ کرنے میں رطب ویابس کی کچھ تمیز نہ کرتے تھے۔ دوسرے زمانہ کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ اُن روایتوں کی تنقید اور اُن کے راویوں کی چھان بین کیجائے۔ اور صحیح کو سقیم سے اور قوی کو ضعیف سے اور معروف کو منکر سے۔ اور ثابت کو موضوع سے جدا کیا جائے۔ اگر وہ پہلا طبقہ مقتضائے وقت کا لحاظ نہ کرتا تو علم نبی کا ایک بڑا حصّہ ضائع ہوجاتا۔ اور اگر یہ دوسرا گروہ کھڑا نہ ہوتا تو حق وباطل اور صدق وکذب کا امتیاز دشوار ہوجاتا۔

بڑی دلیل اِسبات کی کہ مقتضائے وقت کا لحاظ ضروریات دین سے ہے وہ روایت ہے جس کو مسلم نے ابی ہریرہ (رض) سے اور (اُس کے قریب قریب) محب طبری نے ابوموسےٰ اشعری (رض) سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ آں حضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہیگا وہ ضرور بخشا جائیگا عمر فاروق یہ مضمون سُنکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس بشارت سے لوگ اعمال صالحہ کی بجاآوری میں قصور کرینگے۔ آپ نے فاروق اعظم کی اس رائے کو پسند فرمایا اور تا وقتیکہ روایات کی تدوین کرنے کی ضرورت نہ پڑی یہ بشارت تمام اُمت میں عام نہ ہوئی۔

الغرض دُنیا کی بہبودی یا دین کی کامیابی مقتضائے وقت کی موافقت بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ مگر اس موافقت سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مثلاً بیدینی والحاد کے زمانہ میں دین و مذہب سے ہاتھ اٹھا بیٹھیں اور عیش وعشرت کے زمانہ میں جفاکشی اور محنت سے دست بردار ہوجائیں یا جہاں خوشامد کا بازار گرم ہو وہاں خوشامدی بن جائیں۔ اور جہاں مسخرہ پن کا زور ہو وہاں غیرت اور حمیت کو بالائے طاق رکھدیں نہیں۔ بلکہ ہماری رائے میں کوئی بُرے سے بُرا زمانہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مقتضائے وقت کے موافق کوئی نہ کوئی جائز طریقہ کامیابی کا موجود نہ ہو۔ مثلاً جب فلسفہ یونانیہ یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا اور بطلیموس وارسطو کے خیالات عرب اور عجم کے گلی کوچوں میں منتشر ہوگئے تو الحاد اور بے دینی نے لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لینی شروع کیں یہاں تک کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی پر دھڑا دھڑ اعتراض ہونے لگے اور جابجا دین میں رخنے نکلنے لگے۔ اُس وقت علما کے فروغ اور کامیابی کے دو طریقے پائے جاتے تھے۔ ایک ناجائز دوسرا جائز۔ ناجائز طریقہ یہ تھا کہ مسائل فلسفیہ کی تائید کرکے الحاد کی آگ کو اور مشتعل کردیتے اور آزادی جیسی من بھاتی چیز کو دُنیا میں پھیلا کر دنیوی فروغ حاصل کرتے۔ اور جائز یہ تھا کہ شریعت اور حکمت میں تطبیق۔ یا مسائل حکمیہ کی تغلیط کرکے الحاد کی آنچ سے دین کو بچاتے۔ اور معترضوں کی زبان بند کرتے چنانچہ علمائے اسلام نے (شکر اللہ سعیہم) یہی جائز طریقہ اختیار کیا اور فلسفہ یونانیہ کے مقابلہ میں ایک جدا فلسفہ قایم کیا جو اسلام میں علم کلام کے نام سے مشہور ہے۔

جلال الدین اکبر کا زمانہ (جیسا کہ اکثر مورخوں نے لکھا ہے) ظاہرا بے دینی اور الحاد کا زمانہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کی کامیابی کا ذریعہ یہی بے دینی اور الحاد ہو۔ مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے

عہد میں کامیابی کا بڑا ذریعہ شجاعت و بہادری یا فضل و کمال اور علم و ہنر تھا۔ کیونکہ اُس کے درباریوں اور مقربوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے بدون کسی کمال یا ہُنر کے محض بے دینی اور الحاد کے ذریعہ سے معتد بہ امتیاز حاصل کیا ہو۔ بلکہ اُس کے ارکان دولت میں ایسے آدمی البتہ پائے جاتے ہیں جو اپنے مذہبی قواعد کے نہایت پابند تھے اور جنھوں نے صرف اپنے فضل و ہنر کی بدولت بادشاہ کے دل میں جگہ پائی تھی۔ جیسے مُلّا فتح اللہ شیرازی مسلمانوں میں۔ اور راجہ ٹوڈرمل ہندوؤں میں۔ یہ دونوں شخص اکبری دورہ میں مذہب کے نہایت متعصب گنے جاتے تھے۔ با ایں ہمہ مُلّا نے اپنے علوم عقلیہ و نقلیہ کے سبب اور راجہ نے حساب سیاق کی مہارت سے دانشمندی اور حسن تدبیر کی جہت سے دربار بادشاہی میں جو مرتبہ حاصل کیا وہ سب پر روشن و ہویدا ہے۔

بہرحال جہاں کامیابی کے دو چار ناجائز طریقے پائے جاتے ہیں وہاں ایک دو طریقے جائز بھی ضرور موجود ہوتا ہے اور جو کامیابی اُن ناجائز طریقوں سے حاصل ہوتی ہے وہ اُس کامیابی کے برابر کبھی پائدار اور مستحکم نہیں ہوتی جو جائز طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمنے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جن درباروں میں مثلاً خوشامد کا بازار گرم تھا اور جہاں حاکم کی مرضی کے خلاف بولنا جرائم کبیرہ کے ارتکاب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا جب وہاں کوئی سچا اور آزاد طبیعت کا آدمی پہنچا اگرچہ اُس کو چندروز اپنی آزاد طبیعت کی کسی قدر روک تھام کرنی پڑی لیکن آخر اُس کی راستی اپنا رنگ جمائے بغیر نہ رہی رفتہ رفتہ اُسی کا قول معتبر ٹھہرا اور اُسی کی صلاح نیک سمجھی گئی۔

ان تمام شہادتوں سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان کی اکثر قومیں جو روز بروز اقبال مند ہوتی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی قوم بداقبالی کی بھنور اور ذلت کی دلدل سے

کسی طرح نہیں نکلتی۔ اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اور لوگ اپنی حالت کو زمانہ کے موافق بناتے جاتے ہیں پر مسلمان اپنی وضعداری کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔

اے ہندوستان کے مسلمانو۔ کیا تم ابھی اُسی عالم میں ہو جس میں تمہارے آبا و اجداد زندگی بسر کر گئے ہیں؟ اور کیا تم اُسی کھیتی کے پروان چڑھنے کے منتظر ہو جس میں تمہارے بزرگوں نے تخم افشانی کی تھی؟ مدت ہوئی کہ وہ عالم گذر گیا۔ اور وہ کھیتی دریا برد ہوئی۔ ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ تم کون ہو۔ اور کہاں ہو۔ تمہاری گرہ میں جو دام ہیں وہ بازار میں آج سچھوٹی کوڑی کو نہیں چلتے۔ تمہاری دوکان میں جو مال ہے اُسے کوئی مُفت خریدنا نہیں چاہتا۔ تمہارے چراغ میں جو تیل تھا وہ جل لیا۔ تمہاری کھیتی میں جو پانی تھا وہ سوکھ گیا۔ دیکھو! تمہاری ناؤ ڈوبی ہے اور دریا دم بدم چڑھتا جاتا ہے۔ تمہارا قافلہ پیادہ ہے اور منزلیں کٹھن آتی جاتی ہیں۔

اس تمہید سے ناظرین کو ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم آگے چلکر اپنی قوم کو انگریزی پڑھنے کی۔ میز کرسی لگانے کی۔ کوٹ پتلون پہننے کی۔ چھری کانٹے سے کھانے کی ترغیب دینگے ظاہراً زمانہ کا حال مقتضی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ ہماری مراد اس تمہید سے یہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بُری حالت میں ہیں اُس سے نکلنے کی جو سیدھی راہ اُنہیں نظر آئے اُسی راہ کو اختیار کریں۔ اور جس طرح ہو سکے اپنا قدم آگے بڑھائیں کیونکہ زمانہ باواز بلند کہہ رہا ہے کہ من استوا یوماہ فھو مغبون (یعنے جس کے دو دن ایک حالت پر گذرے وہ خسارہ میں رہا) اور در و دیوار سے یہ صدا آرہی ہے کہ۔ قدمے پیشتر بہتر۔

دُنیا میں آجکل ایک عالم گھوڑ دوڑ کا تماشا ہو رہا ہے۔ ہر گروہ کے شہسوار جوق جوق اس میں آتے ہیں اور اپنے اپنے ہُنر دکھاتے جاتے ہیں۔ کچھ اُن میں سے گجر دم آتے ہی

برق خاطف کی طرح ایک آن واحد میں گذر گئے۔ کچھ اُن سے پیچھے پہنچے۔ کچھ راہ میں ہیں۔ مگر اُفتاں وخیزاں چلے جاتے ہیں۔ کتنوں نے اپنے گھوڑوں کی ابھی باگ اُٹھائی ہے۔ کتنے چلنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن بہتیروں کو ابھی گھوڑ دوڑ کی خبر بھی نہیں پہونچی۔ اُن کے گھوڑے تھان پر بندھے ہیں۔ اور وہ خود آرام سے پڑے سوتے ہیں۔ شاید وہ اُسوقت بیدار ہونگے جب گھوڑ دوڑ کا وقت نکل جائیگا۔ اور وہ ہاتھ ملتے رہجاویں گے۔ اے مسلمانوں ہم کو خوف ہے کہ وہ ناکام گروہ کہیں تمہاری ہی قوم نہ ہو۔ اور وہ ہاتھ جو ملے جائیں گے تمہارے ہی ہاتھ نہ ہوں۔

اے مسلمانوں تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو شے تم کو ابھرنے نہیں دیتی وہ کیا ہے؟ اور جس کے سبب تم جنبش نہیں کر سکتے وہ کونسی بندش ہے؟ یاد رکھو وہ تمہاری بیہودہ تقلید ہے جس نے تم کو مذہبی امور ہی میں مجبور اور بے اختیار نہیں کیا بلکہ تجارت میں۔ زراعت میں علم و ہنر میں۔ حرفہ اور پیشہ میں۔ غرض ہر کام میں تمہاری عقلوں پر پردہ اور ہر راہ میں تمہارے پاؤں میں بیڑی ڈال رکھی ہے اور تم کو اُس پرند جانور کی طرح بے بس کر رکھا ہے جس کے پر کٹے ہوں اور آنکھیں سی ہوئی ہوں۔ نہ تم میں طاقت پرواز ہے نہ نگاہ دوربین ہے تقلید نے تم کو تمام دینی اور دنیوی ترقیوں سے فارغ البال کر رکھا ہے اور تمہارے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ جو کچھ کرنا تھا سو اگلے کر گئے اب اُس سے زیادہ کرنا غیر ممکن ہے تمہارے نزدیک جس قطع کی کشتی طوفان نوح میں بنائی گئی تھی اُس سے بہتر کوئی قطع انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی۔ اور جو پیشہ آج سے ہزار برس پہلے تمہارے بزرگوں نے اختیار کیا تھا اُس کے سوا کسی حیلہ سے تم روٹی نہیں کما سکتے۔ تمہارے نزدیک تمام عقل انسانی پہلے طبقوں پر تقسیم ہو گئی اور اُنھوں نے تمہارے لئے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں

تم کو اپنی انسانیت سے کچھ کام لینے کی ضرورت پڑے۔ شیخ نے قانون میں بدن انسان کی تشریح جو لکھدی سو لکھدی۔ اور محمد حسین دکنی برہان قاطع میں لغات فارسی کی تحقیق جو کر گیا سو کر گیا۔ اب کون ہے جو قانون سے کچھ بڑھکر لکھ سکے۔ یا برہان میں کوئی عیب نکال سکے۔ تم صرف اُنہیں لوگوں کی تقلید نہیں کرتے جن کے ساتھ تم کو حسن عقیدت ہے۔ بلکہ طب میں جالینوس کی منطق میں ارسطو کی ہندوستان کی رسموں میں ہندوؤں کی تقلید کو بھی اسی قدر ضروری جانتے ہو جس قدر مذہب میں امام اعظم کی تقلید تمہارے نزدیک واجب و لازم ہے اگر کسی کو اس بات میں تامل ہو نکاح بیوگان کے معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اُس کا مجوز کون ہے اور مانع کون ہے۔ اور ہندوستان کے عام مسلمانوں نے مجوز کے حکم کی تعمیل کی ہے یا مانع کا کہنا مانا ہے۔

اسی تقلید کی بدولت تم میں ایک اور مرض پیدا ہو گیا ہے جس نے تمہاری رہی سہی ہمت خاک میں ملادی اور تم کو بالکل اپاہج کر دیا۔ پوچھو وہ کیا ہے؟ وہ خانہ خراب وضعداری ہے جسکی بدایت سے تم ترقی کرنے والوں کو متلون مزاج سمجھتے ہو۔ اور ڈھورڈنگروں کی طرح سدا ایک حالت پر رہنے کو کمال نفس انسانی قرار دیتے ہو۔

ہندوستان کے وضعداروں کی یہ رائے ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جو طریقہ یا جو عادت اختیار کرے اُسکو آخر عمر تک ترک کرنا نہیں چاہیئے۔ جوانی میں اگر داڑھی چڑھانے کی عادت ہو جاوے تو سن شیخوخت تک اس وضع کو نباہنا ضرور ہے اور بچپن میں اگر کامدار ٹوپی پہننے کا اپکا پڑ جائے تو بڑھاپے کے جھریائے چہرہ کو بھی اس سے محروم رکھنا نہیں چاہیئے چنانچہ معتبر راویوں سے سُنا گیا ہے کہ دو بزرگوار نجف خانی جن کا سن شریف ساٹھ پینسٹھ سے متجاوز ہو گیا تھا۔ اور نہایت متقی اور متشرع آدمی تھے ہر جمعہ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس

میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب بھی اُن کی کمال تعظیم کرتے تھے۔ باایں ہمہ تقدّس دونوں حضرات ڈاڑھی گھٹواتے تھے۔ بعضے منہ پھٹ آدمیوں نے جو اُن پر اعتراض کیا تو یہ فرمایا کہ ہم خود اس حرکت سے منفعل ہیں۔ مگر کیا کریں جو وضع قدیم سے چلی آتی ہے اُس کے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی طرح ایک شہر یفوں کی بستی میں ایک صاحب سن رسیدہ بڑے نمازی اور پرہیزگار تھے۔ مگر عشا کی نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو یہ فرمایا کہ بچپن میں تو اس سبب سے نہ پڑھی کہ کھانا کھاتے ہی شام سے سو رہتے تھے۔ جوانی میں لہو و لعب مانع رہا۔ اب بڑھاپے میں نئی بات کرتے ہوئے جی ہچکچاتا ہے۔ خیر ہم اپنے قدما کی اس رائے پر اعتراض نہیں کرتے۔ کیونکہ اُس وقت زمانہ کا مقتضا یہی تھا سلطنت مغلیہ پر زوال آچکا تھا۔ ترقی کی راہیں فتنہ و فساد کے سبب چاروں طرف سے مسدود تھیں طبیعتوں پر مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں تنزل کے جس قدر آثار مسلمانوں میں پائے جاتے تھوڑے تھے۔ مگر ہم کو اپنے ہمعصروں کے حال پر بے اختیار رونا آتا ہے جو اس امن و ازادی کے زمانہ میں بھی وضعداری کے حصار سے باہر نہیں نکلتے اور مقتضائے وقت کو نہیں دیکھتے۔ نہ آپ ترقی کرنی چاہتے ہیں نہ اَوروں کی ترقی کو پسند کرتے ہیں جو شخص اپنی پست حالت سے نکلکر اچھی حالت میں آنا چاہتا ہے۔ اُسکو نرا متلوّن مزاج اور بے استقلال ہی نہیں بتاتے۔ بلکہ اُس پر انواع و اقسام کی رائیں لگاتے ہیں جن میں سب سے ہلکی الحاد کی پیشین گوئی ہے۔

شائستہ ملکوں میں آجکل ترقی کی یہ صورت ہے کہ جو شخص پانچ سات برس کہیں پردیس میں رہ آتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ وطن میں پہنچکر اُسی وقت وہاں کی عام مجلسوں میں شریک ہو جائے۔ جتنے دنوں وہ باہر رہتا ہے اُتنی مدت میں وہاں اس قدر ترقی ہو جاتی ہے

کہ یہ وہاں پہنچکر ایک دوسرا عالم دیکھتا ہے اور اپنے تئیں اس شعر کا مصداق پاتا ہے۔

عبارت کوتہ و دل تنگ و خاصان ملک پیما
چہ داند مرد صحرائی طریق کارسازی را

سچ یہ ہے کہ آیۃ کل یوم ھو فی شان کے معنی ایسے ہی ملکوں میں جاکر کھلتے ہیں اور انسان کا اشرف المخلوقات اور خلیفۃ الرحمان ہونا وہیں جاکر ثابت ہوتا ہے نہ کہ ہندوستان میں اور خاصکر ہمارے بھائی مسلمانوں میں جن کی حالت کو دیکھکر خدا تعالےٰ کی قدرت اور اسکی فیاضی ایک خاص حد تک محدود معلوم ہوتی ہے۔ اور اس آیت کے معنی صرف اعتقاداً تسلیم کرنے پڑتے ہیں کہ" ولقد کرمنا بنی آدم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا" بار خدایا ہماری قوم کو تقلید بیجا اور وضعداری بے سروپا سے نجات دے اور اُن کو دینی اور دنیوی ترقیات پر آمادہ کر۔ اُن کا ادب اُن کو قدما سے آگے بڑھنے نہیں دیتا اور اُن کی وضعداری پستی سے بلندی کی طرف نہیں جانے دیتی۔ کاش یہ بے ادب اور متلون مزاج ہیں بن کر قدم آگے بڑھائیں۔ اور اُس جوہر قابل کی قدر پہچانیں جو تونے بنی نوع انسان کے تمام اگلے اور پچھلے طبقوں کو یکساں عنایت کیا ہے۔

سر روحانیاں داری ولے خود را نہ دیدستی
بخواب خود درآ تا قبلۂ روحانیاں بینی

مراسم غمی

حال میں مجھے اپنے ایک عزیز کی طویل علالت کے موقع پر اس امر کا اندازہ ہوا کہ علاوہ بیرونی اسباب کے خود ہمارے بہت سے ایسے دستور ہیں جو سراسر ہماری تباہی کے باعث ہیں۔

پہلی دلچسپ مگر اُسی کے ساتھ افسوس ناک بات یہ ہے کہ قصبات میں ہر متوسط الحال شخص اپنی علالت کو اس لئے چھپاتا ہے کہ مبادا برادری کی عورتوں کو خبر ہو جائے تو پچاسوں مہمان خاص شہر کے ٹوٹ پڑیں گے۔ اور تیمار داروں اور مریض پر ایک آفت آ جائے گی۔ ایسی حالت میں جبکہ گھر میں مریض پڑا ہو۔ کوڑیوں مہمانوں کا ٹوٹ پڑنا اور ایک غریب اہل خانہ سے جس کے ذمہ مریض کی تیمارداری۔ بچّوں کی خبر داری۔ گھر کا انتظام ہو۔ ہر قسم کی تواضع کا متوقع ہونا اور مریض کے گھر ہی کھانا کھانا ایک ایسا تکلیف دہ امر ہے جس کی نظیر تمام رسوم میں مشکل سے ملسکتی ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہر مہمان خاص مریض سے ہر قسم کے سوالات کر کے مفصّل جواب کا متوقع ہوتا ہے۔ اور اظہار ہمدردی کے لئے اُس کے سامنے مایوسانہ کلمات زبان سے نکالتا ہے اور موقع ملے تو رو بھی دیتا ہے۔ شادی کے وقت جس قدر لغویات اور فضولیات ہندوستان میں کیجاتی ہیں اُن کا اثر ملک کی حالت پر پڑتا ہے۔ مگر غمی اور عیادت کے رسوم میں یہ اضافہ ہے کہ سرمایہ کے علاوہ اُن کا اثر مریض اور تیمارداروں کی روح پر بھی پڑتا ہے ایسے وقت میں جبکہ مریض کو تنہائی۔ اور خدمت کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود اُس کے گھر والوں کو صبح سے شام تک مہمانوں کی خدمت کرنے میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ چونکہ ان رسوم کا جن کی بنیاد ہمدردی پر تھی امتداد زمانہ کے ساتھ اثر زائل ہو گیا ہے۔ اِس لئے اِن موقعوں پر بجز ظاہر داری کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ مریض پر سختی گذرتی ہے۔ مگر مہمان عورتیں اپنے خاندانی قضئے لے بیٹھتی ہیں۔ اور اُن کی بات چیت کے شور سے مریض کو نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر وہ مہمانوں کی ناراضی کے خوف سے دم نہیں مار سکتا۔ بہت مناسب ہو اگر اسطرف خاص توجہ کیجائے۔ اور تیمارداری اور عیادت کے رسوم میں اصلاح کیجائے۔ جو عزیز کہ مقامی نہوں (اگر مریض کے مدد کرنے کی ضرورت نہیں)

تو وہ لوگ صرف خط کے ذریعہ سے خیریت دریافت کریں۔ اور محض اس لئے سفر نہ کریں کہ مریض کے رشتہ دار برا مانیں گے۔ البتہ بہت قریب کے رشتہ دار اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں خاص شہر کے رشتہ دار اور احباب جب عیادت کے لئے جائیں تو صرف تیمار داروں سے حال پوچھ لیں اور مریض کے گھر نہ قیام کریں۔ اور نہ کھانا کھائیں مریض ایک علیحدہ کمرہ میں رہے اور جہاں تک ہو سکے اُسے سوالات کے جواب دینے کی تکلیف نہ دیجائے۔ خاص اُس کے پاس صرف وہ لوگ آئیں جائیں جو اُس کے تیمار دار ہوں۔ اگر مریض کے گھر میں تیمار داروں کی کمی ہے تو قریب کے رشتہ داروں کا فرض ہے کہ دو چار روز یا ہفتہ عشرہ کے لئے اپنی خدمات تیمار داری کے لئے دیدیں۔ یا چوبیس گھنٹہ میں سے چند گھنٹے خدمت کرنے یا مریض کے لئے دوا دارو لانے کے لئے مقرر کر دیں۔ یہ طریقہ سچی ہمدردی کا ہے۔

اگر کوئی مریض کثیر العلائق ہوا اور اُسے بہت لوگ پوچھنے آتے ہوں تو تیماروں کو چاہیئے کہ مریض کا حال صبح و شام لکھکر دیوار پر آویزاں کر دیں۔ اور عیادت کرنے والوں کو دکھا دیں۔ اس قسم کے طریقے جاری کرنے میں اوّل اوّل لوگ ہنسیں گے۔ مگر رفتہ رفتہ انھیں مفید پا کر اختیار کرتے جائیں گے۔

غمی کی رسوم اس قدر لاتعداد ہیں۔ کہ اکثر خاندان اُن میں بالکل تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس قدر کثرت سے مہمانداری ہوتی ہے اور اس قدر نفیس نفیس کھانے پکائے جاتے ہیں اور کھانے پکنے کی عام طور پر ایسی خوشی ہوتی ہے کہ اجنبی شخص کو شادی اور غمی کے مجمعوں میں ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی۔ بجز اُن خاص دو ایک شخصوں کے جن پر اپنی عزیز کی موت کا خاص اثر پڑا ہے۔ کسی شخص کے چہرہ سے رنج کے آثار عیاں نہیں ہوتے اور سچ تو یہ ہے کہ بربادی اور

متنجن کے موجود ہونے کیسے عیاں ہو سکتے ہیں۔

ان کھانوں کا سلسلہ اور مہانداری کا سلسلہ مہینوں بلکہ پورے ایک سال تک لگا رہتا ہے۔ میں نے چہلم وغیرہ کے سامان میں بعض خاندانی لوگوں کو بوجہ ناداری کے اس قدر پریشان دیکھا ہے کہ وہ ترک وطن تک کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ تعجب ہے کہ اچھے تعلیم یافتہ لوگ بھی اس اثر سے نہیں بچ سکے۔ یہ رسوم اس زمانہ کی ہیں جبکہ مسلمان خوشحال تھے۔ اور وہ خرچ کرنے کے لئے بہانہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اب بوجہ ناداری کے اکثر ان سے پریشان ہیں اور ترک کرنے پر آمادہ ہیں۔ مگر ابتدا کرنے کی ہمت بہت کم ہے۔ اس لئے جو صاحب ہمت کریں کہ دور دراز کی رشتہ داری میں سفر کر کے ماتم پرسی کے لئے نہ جائیں اور نہ مستورات کو بھیجیں۔ جب ایک بار وہ نہ جائیں گے تو اُن کے ہاں بھی کوئی نہ آئے گا۔ اور اس طرح ان رسوم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مُفلس کی عید

آج کیا ہے؟ عید کا دن ہے!

مسلمانوں کی ہر عبادت کے ختم ہونے پر ایک روز خوشی تزئین اور شکریہ کا خدا کی جانب سے معین ہے۔ اسی کو عید کہتے ہیں۔ اگرچہ خدا نے جمعہ کو افضل اعیاد قرار دیا ہے۔ مگر مسلمانوں کے طرز عمل سے سال میں دو بڑی عیدیں ثابت ہوتی ہیں۔ جشن کا سامان انھیں دو عیدوں میں زیادہ تر کیا جاتا ہے۔ اور عوام و خواص اپنی مقدرت کے موافق روپیہ صرف کرتے ہیں۔

... دیکھو امیروں کی ڈیوڑھیوں پر فقرا کی بھیڑ ہے۔ خیرات کا سلسلہ جاری ہے۔ ملازمین

حضور کے برآمد ہونے کے منتظر ہیں۔ دروازے پر ایک فٹن میں عمدہ عربی جوڑی جتی ہوئی تیار ہے۔ اتنے میں محلدار پردہ اُٹھاتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا غل ہوتا ہے اور حضور برآمد ہوتے ہیں۔ ملازمین ورفقا جھک جھک کے تسلیمیں کرتے ہیں۔ آج حضور نے وہ جامہ وار نکالی ہے جس پر قدر شناسوں کی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ حضور کی انگلیوں میں وہ بیش بہا انگوٹھیاں ہیں جن کے نگینے جوہریوں میں شہرت رکھتے ہیں۔

حضور کی ہمراہی میں گنگا جمنی خاصدان بھی کسنے میں بندھا ہوا ہے اور پینے کی گڑگڑی بھی ہے۔ غرض مجرائیوں کے مجرے اور فقیروں کی دعائیں لیتے ہوئے گاڑی تک پہنچ گئے۔ مبارک سلامت کا شور ہوا کوچبین نے راس اُٹھائی اور عیدگاہ سدھارے۔

اب آؤ ہم تمہیں ایک اور منظر دکھائیں۔

ایک ٹوٹا سا مکان ہے۔ ساز وسامان سے بالکل معرّا۔ اس مکان میں تین بندۂ خدا نظر آتے ہیں۔ ایک عورت اور دو مرد جن میں ایک بچہ ہے۔ دوسرا جوان۔ لڑکا کہتا ہے آبا ہمیں عیدی (انعام عید) دو

باپ کچھ جواب نہیں دیتا۔ ماں منھ بسور کے رہ جاتی ہے۔ ماں باپ کیا جواب دیں۔ اس لئے کہ رات اُنھوں نے فاقہ سے بسر کی ہے۔ اور اسوقت تک کھانے پکانے کا کچھ چرچہ یہاں نہیں ہے۔

پھر لڑکا ضد کرتا ہے کہ ہمارے کپڑے بدل دو۔ اور ماں کہتی ہے کہ بیٹا دھوبی آلے تو کپڑے بدلنا۔ حالانکہ دھوبی کے پاس جو کپڑے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ مبتذل ہیں۔ پھر وہ کھانا مانگتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ ابھی پکا نہیں پکالیں تو دیں۔ اتنے میں محلے کے لڑکے کپڑے بدل بدلا کے آتے ہیں اور اُس سے تقاضا کرتے ہیں۔

کہ تم بھی عید گاہ چلو۔ اس درخواست سے وہ لڑکا رونے لگتا ہے۔ اور آخر وہ سب
چلے جاتے ہیں۔ اس امر سے کسی انکار ہو سکتا ہے کہ ان پیہم صدمات کا کوئی اثر غریب
اور مفلس ماں باپ کے دل پر نہیں ہوا۔ ہوا اور ضرور ہوا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ اس
بلا میں کیوں مبتلا ہوئے ہیں؟ محلے کے لڑکے کسی امیر کے لڑکے نہیں ہیں۔ ایک لڑکا بساطی
کا ہے جس کا باپ منھ اندھیرے اُٹھا حوائج ضروری سے فارغ ہوا گھر میں خرچ دیا اور اپنا
بکس لیکے عید گاہ روانہ ہو گیا جب وہاں سے واپس ہوگا تو اسکی جیب میں کافی دام ہونگے
دوسرا لڑکا حلوائی کا ہے۔ اس کا باپ بھی خوانچہ لگا کے کب کا راہی ہو چکا۔ تیسرا لڑکا ایک
بیوہ پنکھیا والی کا ہے۔ جو دن بھر کاغذ کے پھول کرتی اور بانس کے ڈھانچوں میں لگا کر
روزانہ تین درجن پنکھیاں بنا لیتی ہے۔ یہ پنکھیاں محض نمایشی ہوتی ہیں مگر ان کے خریدار بھی
پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر فصل میں برابر بکتی رہتی ہیں۔ کام کوئی ایسا مشکل نہیں نہ اس میں سرمایہ
کی ضرورت ہے۔ نہ کسی بڑے اُستاد کی۔

پس ان بندگان خدا سے اگر نوکری چاکری نہیں ہو سکتی تو کیا گھر میں بیٹھ کے اِس قسم
کے کام بھی نہیں کیے جاتے۔

ہاں نہیں کیے جاتے۔ اِس لیے کہ اُن کو تقدیر کی مذمت کرنے کی تعلیم دی گئی
ہے۔ ابتدا سے ان کے کانوں میں پھونک دیا گیا ہے کہ تم چاہے ہاتھ پیر ہلاؤ چاہے نہ
ہلاؤ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہے ان کے بزرگوں نے بھی کوشش و تلاش کو
بے سود سمجھا تھا اور یہ بھی سمجھتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کو بخت و اتفاق سے بہت کچھ
تعلق رہا ہے۔ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب گلیوں میں ٹھوکر کھانے والے دفعتاً فیل نشین ہو جاتے
تھے۔ وزارت اور بادشاہت یا کم از کم صوبہ داری کی تمنا ہر دل میں پائی جاتی تھی۔ خواہ ان عہدوں

کی قابلیت اُس میں پیدا نہ ہو۔ اس فوری تبدیلی نے تقدیر کا نام خوب روشن کیا۔ لوگوں کے اعتقاد پختہ ہو گئے اور ہمت کمزور ہوتی گئی طبیعتیں بجائے اس کے کہ علم و فن کی جانب متوجہ ہوتیں اب غیبی مدد کی امید دار رہنے لگیں۔

"کاش ہمارے مکان میں کوئی خزانہ نکل آئے"

"اللہ کرے بادشاہ سلامت ہم کو بُلا کے وزارت کا عہدہ دیدیں"

"خدا کرے ہماری شادی کسی امیر گھرانے میں ہو جائے"

اور جب ان بے سود خواہشوں میں سرسبزی نہ ہوئی تو تقدیر کو الزام دینا نئی بنائی بات ہے دفعتہً بخت و اتفاق کی سلطنت میں زوال آیا اور ہمت کوشش و استقلال کی باری آئی۔ ان کا نام یہاں کبھی سُنا نہ گیا تھا۔ تو تجربہ کے خلاف تھا۔ طبیعت کی کمزوری قدیم عادت کے چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے لہذا یہ اپنی ضد پر قائم ہیں۔ ان کو کون سمجھائے کہ تقدیر کے جو معنی تم لیتے ہو وہ غلط ہیں۔ جو امور تقدیری ہیں۔ وہ عام ہیں۔ جس طرح دوسرے اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اُسی طرح تم بھی۔

وہ امیر صاحب جن کو تم نے ابھی اس ٹھاٹ سے عیدگاہ جاتے ہوئے دیکھا تم سے فطری اور تقدیری باتوں میں کچھ بڑھے چڑھے نہیں ہیں۔ جو دو ہاتھ ان کے ہیں وہی تمہارے ہیں جو دو آنکھیں اُنھیں دی گئی ہیں وہی تمھیں۔

صرف فرق اتنا ہے کہ وہ دوسروں کے ہاتھ پیروں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور تمہیں خود کوشش کرنا پڑتی ہے۔ مگر دیکھو پھر بھی اُن تکالیف سے بری نہیں ہیں جو دوسروں کو ہوتی ہیں۔ صحت و مرض کی بلا ان کے لئے ہے تمہارے لئے بھی اپنی آنکھ سے اُنھیں بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ تمھیں بھی اپنے مُنھ سے اُنھیں بھی کھانا کھانا بات کرنی پڑتی ہے تمہیں

بھی ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے صرف اپنے ہاتھ پیروں کو بچا رکھا ہے اُن سے محنت نہیں لیتے۔ تو یہ محنت نہ لینا تمول کے سبب سے ہے۔ اور تمول دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے یا **وارثتہً** یعنے وہ مال جس کو اُس کے بزرگ پیدا کرکے چھوڑ گئے ہیں یا اپنی **محنت سے** پہلی صورت کی شکایت بیجا ہے (یعنے یہ سمجھنا کہ کیوں ہم کسی امیر کے گھر میں نہ پیدا ہوئے) اس لئے کہ کسی زمانہ میں تمہارے بزرگ بھی متمول تھے اور تم نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے بزرگوں کو دولت سے کوئی حصّہ نہیں ملا۔ ہاں یہ لوگ تمہارے زمانہ میں اس وجہ سے ان کے تمول پر تم رشک کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ کبھی تمہارے بزرگوں کی حالت پر ان کے بزرگ رشک کرتے ہوں۔

اب رہی محنت۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ تم بھی ہاتھ پاؤں کو **صحیح اصول سے محنت** پر لگاؤ تمہارے لئے بھی یہی سامان ممکن ہے۔

پس بخوبی معلوم ہوگیا کہ تمول کوئی فطری حالت نہیں ہے جسکو بخت و تقدیر سے تعلق ہو اور جو حالت فطری نہیں وہ تقدیری نہیں۔

یاد رکھو کہ چار شخصوں کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی اور یہ دعا قبول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ دنیاوی **ترقی و تنزل کی کنجی تمہارے ہاتھ** ہے۔ مگر محنت شرط ہے۔ کلینی نے کتاب کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ چار شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک تو وہ شخص ہے کہ **گھر میں بیٹھے** اور کہے کہ خداوند **مجھے روزی دے** پس خداوند عالم جواب میں فرماتا ہے کہ **آیا حکم نہیں کیا میں نے تجھے فکر معاش کا**۔ دوسرے وہ شخص ہے کہ اپنی زوجہ کے **حق میں** باوجود اختیار کامل بددعا کرے۔ تیسرے وہ شخص ہے جو مالدار تھا اور صرف مال میں **اسراف کرے**۔ پھر کہے کہ خداوندا روزی دے مجھے۔ پس خدا

فرماتا ہے کہ آیا میں نے تجھے اصلاح حال کا حکم نہیں دیا۔ اور حضرت نے یہ آیۃ تلاوت فرمائی

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا

یعنے وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور زیادہ قدر حاجت سے خرچ نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں خرچ میں بلکہ درمیان اسراف و بخل اُن کا اتفاق ہوتا ہے۔

چوتھے وہ شخص کہ کچھ مال قرض دے اور گواہ مقرر نہ کرے پھر قرض لینے والا مکر جائے تو اُس کے حق میں بددعا کرے پس خدا فرماتا ہے کہ کیا میں نے تجھے گواہ معین کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اکثر افعال تقدیری نہیں بلکہ انسان کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور انسان اُسکو بے سمجھے بوجھے کر بیٹھتا ہے اور اُس طریقہ سے نہیں کرتا جس طریقہ سے خدا نے اُس کو ہدایت کی ہے پس اُن میں نقصان اُٹھاتا ہے۔ اور نقصان کا بدل خدا سے چاہتا ہے حالانکہ خدا بعد ہدایت اُن کا ذمہ دار نہیں ہے۔

پڑھنے والوں خدارا توجہ کرو اپنے کو سنبھالو بیکاری چھوڑو تقدیر کو بدنام مکرو عاقبت اندیشی سیکھو تاکہ جو دن دوسروں کے لئے خوشی کا ہو اسمیں تمھیں رنج نہ پہونچے تم بھی خوشی میں شریک ہو۔ تمہارے بچے بھی اچھے کپڑے پہنیں اچھا کھانا کھائیں۔ اور عید کے دن نہ کڑھیں تمھیں بھی آرام نصیب ہو تم بھی دو چار غریبوں کی مدد کرنے کے قابل ہو جاؤ۔ تمہارا بڑھاپا بھی چین سے کٹے۔ بوالہوسی

اور اسراف سے پرہیز کرو۔ تاکہ روز سیاہ کو تم سے خوف معلوم ہو بجائے

اس کے کہ تم روز سیاہ سے ڈرتے رہو۔

یاد رہے کہ تمکو بھی خدا نے یہ قوت دی ہے کہ قیمتی جامہ وار پہنو اور پہناؤ اتنی

بیش قیمت انگوٹھیاں ہاتھوں میں پہنو۔ کہ اگر ان کی قیمت سے ایک سکول یا مدرسہ

کھول دیا جائے تو اُس کے سرمایہ کے لئے کافی ہو۔

تدبیر

بہت[1] سے خیالات ہیں جو حقیقت میں مذہب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ بلکہ مذہب کے

سوا اور مختلف اسباب سے انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر ایک وہمی تعلق کے

سبب وہ اُن کو مذہبی خیالات سمجھ کر اُن پر جم جاتا ہے۔ مثلاً یہ خیال کہ زمین ساکن ہے اور

آسمان اُسکے گرد پھرتے ہیں حقیقت میں مذہب اسلام سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یونانی فلسفہ

سے جو کہ علمائے اسلام کے خیالات پر چھا گیا تھا پیدا ہوا ہے۔ لیکن غلطی سے وہ ایک

ایسی ضروری بات سمجھی گئی ہے کہ اُس کے انکار سے گویا قرآن اور حدیث کا انکار لازم آتا

ہے۔ اسیطرح یہ خیال کہ آدمی کی تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسا خیال ہے جو

مذہب کے سوا اور مختلف اسباب سے انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر غلطی سے ایک

مذہبی خیال سمجھا جاتا ہے اصل یہ ہے کہ جو خیالات ملکی یا تمدنی یا تعلیمی خاصیتوں سے انسان

کے دل پر مستولی ہو جاتے ہیں وہ اُن کو کسی ایسی زبردست دستاویز تقویت دینی چاہتا ہے

جس کے آگے چون و چرا کی گنجایش نہو۔ ہم اس آرٹیکل میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حصول

مقاصد کے لئے تدبیر اور سعی و کوشش کرنی انسان کا ایک ضروری فرض ہے۔ اور یہ کہ اسلام

[1] دیکھو صفحہ (۱۶۹) تہذیب الاخلاق ۱۲۹۶ھ

نے اُس کا ضروری اور مفید ہونا بتایا ہے۔ نہ غیر ضروری۔ اور غیر مفید ہونا۔ اور وہ کیا اسباب ہیں جن سے تدبیر کی وقعت انسان کے دل سے جاتی رہتی ہے؟

کوئی شخص اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ نے ہر ذی روح کی جبلت میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ نفع حاصل کرنے یا ضرر کے دفع کرنے کا بالطبع ارادہ کرتے ہیں اور جہانتک ان کی دست رس ہوتی ہے اس غرض کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ بھوک میں کھانے کی۔ اور پیاس میں پانی کی جستجو کرتے ہیں۔ گھوڑا شیر سے۔ اور چوہا بلّی سے بھاگتا ہے یہی کوشش جب انسان میں پائی جاتی ہے تو اس کا نام تدبیر رکھا جاتا ہے۔ تدبیر کے معنی لغت میں انجام کار پر نظر کرنے کے ہیں۔ اور عرف عام میں مطلوب کے قدرتی اسباب کی جستجو کرنے اور ان کے ذریعہ سے اُس مطلوب کو بہم پہنچانے میں کوشش کرنے کو تدبیر کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوشش تمام حیوانات میں سے صرف انسان ہی میں جو کہ ذی روح ہونے کے علاوہ عقل بھی رکھتا ہے پائی جا سکتی ہے۔ پس جس طرح دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے کوشش کرنا اور حیوانات کا قدرتی خاصہ ہے۔ اسی طرح تدبیر کرنا انسان کا قدرتی خاصہ ہے۔

جو لوگ تدبیر کو زبان سے محض بیکار اور لاحاصل بتاتے ہیں اور دل سے بھی ایسا ہی یقین کرتے ہیں۔ وہ بھی تدبیر کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ روزمرّہ کے خرچ کے لئے اکھٹی جنس خرید کر رکھتے ہیں تاکہ ہر روز فکر کرنی نہ پڑے۔ پُرانی جڑاول کو گرمی برسات میں حفاظت سے رکھتے ہیں تاکہ آئندہ موسم سرما میں کام آئے۔ مکانوں کی مرمت کرتے ہیں تاکہ وہ گرنے سے محفوظ رہیں۔ چھتوں پر مٹی ڈالتے ہیں تاکہ برسات میں پانی نہ ٹپکے روپیہ پیسے کو بغیر حفاظت کے نہیں رکھتے۔ اکیلے مکان کو کھلا نہیں چھوڑتے۔ مجبلنی کو

مقیدر کہتے ہیں اولاد کو تا بمقدور بُری صحبت سے روکتے ہیں۔ غرضکہ اُن تمام مقاصد کے لئے جن کے اسباب نہایت ظاہری اور بدیہی ہیں ہمیشہ تدبیر کرتے ہیں۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر کرنا انسان کی فطرت کا مقتضا ہے۔ اور یہ سبق اُسکو قدرت ہی نے سکھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ قدرت کا کوئی عطیہ بیکار نہیں ہوتا۔ پس ضرور ہے کہ تدبیر بھی انسان کے حق میں بیکار اور غیر مفید نہ ہو جیسا کہ رسول خدا صلعم نے پرندوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ "تغدو اخماصاً و تروح بطاناً"، یعنی جانور صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کوشش ہی سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اور فرمایا کہ "الاسواق موائد الله" فمن اتاها فقد اصاب منها بازار خدا کی نعمتوں کے خوان ہیں جو وہاں آئیگا بہرہ مند ہوگا، یعنی تجارت میں دوڑ دھوپ کرنے سے ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ قدرتی خاصیت جس کا نام تدبیر ہے انسان کی طبیعت میں بیکار نہیں پیدا کی گئی۔ اور انسان کی کامیابی کا سیدھا رستہ تدبیر کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

بالفعل ہماری قوم میں یہ خیال کثرت سے پھیلا ہوا ہے کہ آدمی کی تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نفع یا ضرر جو کچھ پہنچنے والا ہوتا ہے وہ ضرور پہنچتا ہے۔ خواہ تدبیر کی جائے خواہ نہ کیجائے۔ اور وہ اسکو دین اسلام کا ایک ضروری عقیدہ خیال کرتے ہیں اگرچہ وہ جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا سرسری اور معمولی اغراض کے لئے ہمیشہ تدبیریں کرتے ہیں۔ مگر جب کوئی ایسا کام پیش آتا ہے جو آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا جسکے وسائل اور اسباب کسی قدر دقیق ہوتے ہیں تو وہ تقدیر اور توکل کا حرف زبان پر لاتے ہیں۔ جو بے علم ہیں وہ تو پیشانی پر انگلی ٹیک کر یہ مصرعہ پڑھ دیتے ہیں۔ مصرعہ۔ جو کہ

پیشانی پہ لکھی ہے وہ پیش آنی ہے۔ اور پڑھے لکھے آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کر کے کبھی اپنی مجبوری اور کبھی اپنے توکل کا اظہار کرتے ہیں۔ کوئی یہ آیت پڑھتا ہے کہ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔ یعنی خدا پر بھروسہ کرنا کافی ہے۔ کوئی یہ حدیث پڑھتا ہے کہ جفّ القلم کا ھو کائن۔ یعنی جو کچھ ہونے والا تھا وہ قلم تقدیر لکھ چکا۔ کہیں یہ آیت پیش کیجاتی ہے کہ تعزّ من تشاء وتذلّ من تشاء یعنی جسکو تو چاہے عزت دے اور جس کو تو چاہے ذلت دے اور کہیں یہ حدیث کہ ما شاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن یعنی جو خدا نے چاہا وہ ہو گیا اور جو اُس نے نہ چاہا وہ نہوا۔ اور کہیں یہ آیت پڑھی جاتی ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ یعنی کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں جس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو غرض اسی قسم کی اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں پیش کیجاتی ہیں۔ جو تین باتوں میں کسی ایک نہ ایک بات پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ خدا پر توکل کرنا کافی اور ضرور ہے۔ اور ہر ذی حیات کا رزق اُسکے ذمہ ہے دوسرے یہ کہ ازل سے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا سو ہو چکا۔ تیسرے یہ کہ جو خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور جو بندہ چاہتا ہے نہیں ہوتا۔ لیکن ان تینوں باتوں سے تدبیر کا لاحاصل اور بیکار ہونا لازم نہیں آتا۔ خدا پر توکل کرنا (جیسا کہ ہم آگے مفصّل بیان کرینگے) اس لئے کافی اور ضروری ہے کہ بغیر توکل کے کسی تدبیر پر اقدام کرنے کی جرأت انسان سے نہیں ہو سکتی۔ اور خدا تعالےٰ جو ذی حیات کے رزق کا متکفل ہوا ہے۔ اُس کے یہ معنی ہیں کہ تمام عالم کی پرورش کے لئے جو چیزیں ضروری اور لابدی ہیں اُن کا روئے زمین پر پیدا کرنا اُس کے ذمہ ہے۔ نہ کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے حلق میں اُتار دینا اُس کے ذمہ ہے۔ دوسری بات بھی تدبیر کے منافی نہیں بلکہ موید ہے۔ کیونکہ ازل سے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ یہی تھا کہ ہر شئے اپنے اسباب و علل کے ساتھ وابستہ ہو جب مینہ برسے تو سامان

ہو اور جب مینہہ برسے تو کال ہو جب تخم ریزی کیجائے تو غلہ پیدا ہو۔ اور جب غذا کھائی جائے تو خون پیدا ہو۔ تیسری بات سے بھی تدبیر کا بیکار ہونا نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں جا بجا اپنے مدبر عالم اور مسبب الاسباب اور علۃ العلل ہونے کی وجہ سے اسباب کی تاثیرات اور افعال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى یعنی جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا تھا اور ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ یعنی آیا تم بوتے ہو اسکو یا ہم بوتے ہیں۔

جس قدر ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ عالم موجود ہے اسی قدر ہم کو اسبات کا بھی یقین ہے کہ ہم سب کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ اور جیسا ہم کو پہلے یقین میں ایک نہایت ضعیف احتمال اس بات کا رہتا ہے کہ شاید یہ تمام نمائش عالم خواب کیسی نمائش ہو۔ ویسا ہی ایک نہایت ضعیف احتمال اسبات کا رہتا ہے۔ کہ شاید ہمارے یہ سب افعال و حرکات ایسے ہوں۔ جیسے قطب نما کی سوئی کی حرکت لیکن ایسے ضعیف احتمالات سے یقین زائل نہیں ہو سکتا۔ پس اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جسطرح عالم کا موجود ہونا یقینی ہے اسی طرح ہمارے افعال کا اختیاری ہونا یقینی ہے۔ اگر ہم اپنے افعال میں ایسے ہی مجبور ہوں جیسے اور جمادات مجبور ہیں تو تمام تکلیفات شرعیہ اور سزا و جزا باطل ہو جائے اور جن معنوں میں نیکی بدی۔ مدح۔ ذم۔ لیاقت نالیاقتی۔ انصاف۔ بے انصافی۔ دانائی۔ نادانی فرض جوابدہی۔ قصور اور بے قصوری وغیرہ الفاظ مذہب اور اخلاق اور قانون میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ سب غلط ٹھہر جائیں۔ پس جہاں کہیں قرآن یا حدیث میں ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن میں بندوں کے کام خدا کی طرف نسبت کئے گئے ہیں وہاں اُن الفاظ کی اسناد اپنی حقیقت پر نہیں ہے اور یہ بات اُن آیات و احادیث پر نظر کرنے سے بالکل صاف ہو جاتی ہے جن میں بندوں کے

اقبال وادبار اور راحت وتکلیف وغیرہ کو انہیں کے افعال کا ثمرہ بتایا ہے۔ جیساکہ آگے چلکر ذکر کیا جائیگا۔

اس مطلب کی تائید کے لئے چند آیتیں قرآن مجید کی بھی یہاں نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (رعد) یعنی خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جبتک وہ آپ اپنی حالت نہ بدلیں۔

(۲) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ یعنی یہ اس سبب سے ہے کہ خدا تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو دیتا ہے اُس کو نہیں بدلتا جبتک وہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔

(۳) مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (شوریٰ) یعنی جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہاری ہی کرتوت سے تمکو پہنچتی ہے۔

(۴) فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَہُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ (ہود) یعنی خدا کی شان سے نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے بلکہ وہ آپ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

(۵) ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (انفال) یعنی یہ تمہارے ہی کرتوت کی سزا ہے اور خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

(۶) مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (کہف) یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی نہ چاہے ایمان نہ لائے۔

(۷) لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ (بقرہ) یعنی اس کے لئے مفید ہے جو وہ نیکی کرے اور اس کے لئے مضر ہے جو وہ برائی کرے۔

اسی مضمون کی اور بہت سی آئیتں اور حدیثیں ہیں۔ جنسے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے کام جن کا نتیجہ اچھا ہے۔ اور ایسے کام جن کا نتیجہ برا ہے دونوں طرح کے کام کرنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے۔ اور جو تکلیف یا راحت یا اقبال یا ادبار اُس کو پہونچتا ہے وہ سب اُسی کے کام کے نتیجے ہوتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ شارع نے تقدیر کے وہ معنی نہیں بتائے۔ جو ہماری قوم کے عام خیالات میں سمائے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ جس کو جو نفع یا ضرر پہنچنے والا ہے وہ ضرور پہنچیگا۔ خواہ تدبیر کیجائے خواہ نہ کیجائے۔

دوسری غلطی توکل کے معنی سمجھنے میں ہوئی ہے۔ توکل کے صحیح معنی اپنے کو عاجز سمجھنے اور خدا پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ مگر غلطی سے توکل ایسے بھروسہ کرنے کا نام رکھا گیا ہے۔ کہ تدبیر اور کوشش کا بالکل اُس میں لگاؤ نہ رہے۔ اور انسان مثل جمادات کے بیحس و حرکت ہو کر بیٹھ رہے گویا تدبیر اور توکل میں منافات سمجھی گئی ہے لیکن شریعت سے توکل کے ایسے معنی معلوم ہوتے ہیں جو ہرگز تدبیر کے منافی نہیں۔ اور تدبیر کے ایسے معنی معلوم ہوتے ہیں جو ہرگز توکل کے منافی نہیں جس طرح توکل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی طرح تدبیر کرنے کی تاکید کیگئی ہے۔ اور جسطرح توکل کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اُسی طرح تدبیر کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند آئیتں اور حدیثیں اور اقوال سلف جن میں کوشش اور تدبیر کرنے کی اجازت یا تاکید یا تعریف کی گئی ہے نقل کیے جائیں۔

(۱) وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النساء) یعنی ہم نے (تمہارے لئے) دن کو کمائی کرنے کا وقت بنایا۔

(۲) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (الحجر) یعنی ہم نے تمہارے لئے زمین پر

معاش حاصل کرنے کے اسباب پیدا کئے۔

(۳) فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعۃ) یعنی پھیل جاؤ زمین پر اور خدا کا رزق تلاش کرو۔

(۴) عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (مزمل) یعنی خدا نے جان لیا ہے کہ بعضے ہونگے تم میں سے بیمار اور لوگ ہوں گے جو سفر کریں گے زمین پر خدا کے رزق کی تلاش میں (یعنی وہ بھی بیماروں کی طرح رعایت کے قابل ہیں)

اسی طرح اور بہت سی آیتیں ہیں جنسے طلب معاش کے لئے کوشش اور تدبیر کرنے کی اجازت اور ترغیب پائی جاتی ہے اور اخبار و آثار جو اس باب میں وارد ہیں اُن میں سے چند اس مقام پر احیاء العلوم سے نقل کرتے ہیں۔

(۱) قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صلعم) مِنَ الذُّنُوبِ ذُنُوبٌ لَا يُكَفِّرُهَا إِلَّا الْهَمُّ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ۔ یعنی بعضے گناہ ایسے ہیں کہ طلب معاش میں کوشش کرنے ہی سے پاک ہوتے ہیں۔

(۲) اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ الصِّدِّيقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ۔ یعنی سچا سوداگر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں میں محشور ہوگا۔

(۳) مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى عِيَالِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ وَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ یعنی جو شخص دنیا کو وجہ حلال سے اسلئے ڈھونڈتا ہے کہ سوال کرنے سے بچے اور اپنے بال بچوں کی خبر لے اور ہمسایہ کے ساتھ ہمدردی کرے وہ خدا سے ایسی حالت میں ملیگا کہ اُس کا مُنھ چودھویں رات کے چاند کی طرح

چمکتا ہوگا:

(۴) کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلعم) جَالِسًا مَعَ اَصْحَابِہٖ ذَاتَ یَوْمٍ فَنَظَرُوْا اِلٰی شَابٍّ ذِیْ جَلَدٍ وَّقُوَّۃٍ وَّقَدْ بَکَرَ یَسْعٰی فَقَالُوْا وَیْحَ ھٰذَا لَوْ کَانَ شَبَابُہٗ وَجَلَدُہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَالَ (صلعم) لَا تَقُوْلُوْا ھٰذَا فَاِنَّہٗ اِنْ کَانَ یَسْعٰی عَلٰی نَفْسِہٖ لِیَکُفَّہَا عَنِ الْمَسْئَلَۃِ وَیُغْنِیَہَا عَنِ النَّاسِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اِنْ کَانَ یَسْعٰی عَلٰی اَبَوَیْنِ ضَعِیْفَیْنِ اَوْ ذُرِّیَّۃٍ ضِعَافٍ لِیُغْنِیَہُمْ وَیَکْفِیَہُمْ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ یعنی ایک روز آں حضرت صلعم صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے ایک چست اور قوی جوان کو دیکھا۔ کہ علی الصباح معاش کی تلاش میں نکلا تھا۔ بولے کیا خوب ہوتا اگر اسکی قوت اور چستی خدا کی راہ میں صرف ہوتی اسپر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے لئے سعی کرتا ہے کہ تا مانگنے سے بچے اور لوگوں کا محتاج نہ ہو تو وہ خدا ہی کی راہ میں ہے۔ اور اگر وہ اپنے ضعیف ماں باپ یا بال بچوں کے لئے کوشش کرتا ہے۔ تاکہ اُن کو مستغنی کرے اور ان کے کام آئے تو بھی وہ خدا ہی کی راہ میں ہے۔

(۵) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ یَتَّخِذُ الْمِھْنَۃَ لِیَسْتَغْنِیَ بِہَا عَنِ النَّاسِ ۔ یعنی خدا تعالے اُس بندہ کو دوست رکھتا ہے جو نوکری اِس لئے اختیار کرے کہ لوگوں کا محتاج نہو

(۶) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ ۔ یعنی خدا تعالی پیشہ ور مسلمانوں کو دوست رکھتا ہے۔ ان تمام آیتوں اور حدیثوں اور اقوال سلف سے صاف ظاہر ہے کہ طلب معاش میں کوشش اور تدبیر کرنی انسان کا ایک ضروری فرض ہے۔ پس اگر تدبیر اور توکل میں منافات ہوتی تو طلب معاش میں کوشش کرنے کی اجازت اور ترغیب اور تعریف نہ ہوتی۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ "بعض اوقات ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ

ہاتھ پاؤں سے کسب کرنے اور دل سے تدبیر کرنے کو ترک کرنا اس کا نام توکل ہے۔ یہ
جاہلوں کا خیال ہے۔ کیونکہ کسب اور تدبیر کو ترک کرنا شریعت میں حرام ہے۔ اور جبکہ شریعت
نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ دینی فضیلت (یعنی توکل)
ممنوعات شرعیہ (یعنی ترک کسب و ترک تدبیر سے حاصل ہوسکے" اس کے سوا بیماری کی حالت
میں دوا اور پرہیز وغیرہ سے اُسکے دفعیہ کی تدبیر کرنی بھی بیشمار روایتوں سے ثابت ہے
چنانچہ بعض محدثین نے خاص اسی قسم کی حدیثیں جمع کی ہیں، اور اس مجموعہ کا نام طب نبوی
رکھا ہے۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ "آپ نے اکثر صحابہ کو دوا اور پرہیز کی تاکید فرمائی ہے
سعد بن معاذ کی فصد خود آں حضرت نے لی۔ اور سعد بن زرارہ کے بدن پر داغ دیا۔ علی
مرتضیٰ کی آنکھیں دکھتی تھیں آپ نے کھجوریں کھانے کو منع کیا۔ اور صہیب کو آنکھیں دکھنے
میں خرما کھانے کا پرہیز بتایا۔ خود آں حضرت صلعم ہمیشہ رات کو سرمہ اور ہر مہینے میں ایک بار
پچھنے لگاتے تھے۔ اور ہر سال سنا کا مسہل لیتے تھے۔ بچھو وغیرہ کے کاٹنے کا بارہا
آپ نے علاج کیا۔ دردسر اور پھنسی پھوڑے کے لئے حنا کا استعمال فرماتے تھے۔ اسی
طرح کی اور بہت سی روایتیں لکھی ہیں۔ اور اُن لوگوں کا قول رد کیا ہے جو علاج معالجہ ترک
کرنے کو افضل بتاتے ہیں اور آخر کو یہ لکھا ہے کہ جو لوگ ترک تداوی کو شرعاً توکل قرار دیتے
ہیں۔ اُن کو چاہیئے کہ بھوک میں کھانا نہ کھانے اور پیاس میں پانی نہ پینے اور سردی میں کپڑا
نہ پہننے کو بھی شرطِ توکل قرار دیں۔ حالانکہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے۔

توکل کی حقیقت جو ہمارے خیال ناقص میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ انسان کی کامیابی
کا سیدھا رستہ جو فطرت الٰہی نے اُسکو بتایا ہے تدبیر کے سوا اور کوئی نہیں ہے لیکن تدبیر کا
کامیاب ہونا ایسے ذریعوں پر موقوف ہے جو قطعاً انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ اوّل تو

انسان کی تدبیر میں بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی حصول مقاصد کے لئے جو واقعی اسباب و علل ہیں وہاں تک اسکا ذہن نہیں پہونچتا۔ اور اس سببسے ناکام رہتا ہے مثلاً طبیب نے مرض کے اسباب و علامات کے سمجھنے میں غلطی کی اور اس سببسے اُسکا علاج مرض کے موافق نہ پڑا۔ پھر بعض اوقات تدبیر کے ناقص رہجانے سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً طبیب نے اسباب و علامات تو صحیح سمجھے مگر جو دوا اُس مرض کے لئے نافع تھی وہ بہم نہ پہونچی۔ اور اگر بالفرض تدبیر میں کوئی غلطی یا نقصان واقع نہیں ہوا۔ اور مطلب بھی حسب دلخواہ حاصل ہوگیا تو بھی غور کرنا چاہیئے کہ جن وسائل سے مطلب حاصل ہوا ہے اُن میں کتنے ایسے ہیں جو انسان کی قدرت سے باہر ہیں۔ مثلاً جو تدبیر کہ وہ اپنی بقاے حیات کے لئے ہر روز دو وقت کرتا ہے یعنی روٹی دال سالن وغیرہ جو دونوں وقت پکاکر کھاتا ہے۔ اگر اُس میں سے صرف روٹی کے لئے اناج پیدا ہونے اور آٹا پیسکر تیار ہونے کے تمام وسائل پر نظر کی جائے تو بے انتہا وسیلوں کے ایسے مختلف سلسلے معلوم ہونگے جن میں سے ہر ایک کا مرتب کرنا اُسکی طاقت سے باہر ہے۔ مثلاً اگر کسان کی اُن تمام ترتیب دار کوششوں سے جو اُس نے فصل کے تیار کرنے میں کی ہیں۔ اور مینہہ کے پانی اور دن کی حرارت اور رات کی برودت اور مختلف ہواؤں کے تموج اور دیگر قدرتی اسباب سے جن کے سبب سے غلہ تیار ہوا قطع نظر کیجائے اور اُن آلات سے بھی قطع نظر کیجائے جو کھیتی کے کام میں آئے ہیں اور جن کے بننے میں بڑھئی اور لوہار اور اور کاریگروں کی ضرورت پڑی ہے اور جن کے لئے بہت سے مزدوروں نے لوہا کانوں سے اور لکڑی جنگل سے بہم پہونچائی ہے۔ اور صرف یہ دیکھا جائے کہ غلہ تیار ہوکر اور اُسکا آٹا پسکر انسان تک کیونکر پہونچتا ہے تو بھی ایک بڑا لمبا سلسلہ نظر آئیگا۔ جو اُس کے احاطہ قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ غلہ سب جگہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھر کر لیجایا جاتا ہے

اور اس غرض کے لئے بیوپاری دریا اور جنگل قطع کرتے ہیں اور باوجودیکہ کبھی ڈوب جانے کی وجہ سے اور کبھی اُلٹ جانے کے سبب سے اور کبھی اور اسباب سے اُن کو سخت سخت نقصان پہنچتے ہیں۔ تو بھی مسبب الاسباب نے اُن کے دل پر منفعت کی امید کو ایسا مسلط کیا ہے کہ وہ اپنی کوشش سے باز نہیں آتے۔ اور انسان کے مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے خاص خاص ملکوں کی پیداوار اور تمام دنیا کی پرورش کرتی ہے۔ پھر جن جہازوں میں یا جن چھکڑوں میں غلہ لدکر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے وہ بھی خود بخود تیار نہیں ہوتے بلکہ بے شمار آدمیوں کی صنعت سے تیار ہوتے ہیں۔ پھر ان بیوپاریوں سے دکاندار لوگ خرید کر ہر ایک شہر کے کوچہ کوچہ میں پھیل جاتے ہیں۔ اور اسکو پنہاریوں سے پسواتے ہیں۔ اور جن آلات سے غلہ پستا ہے یا جا بجا متفرق ہوتا ہے۔ اُنکی تیاری بھی ایک جم غفیر کی محنت پر موقوف ہے غرضکہ ادنی سے ادنی مقصد کے لئے انسان کو وہ اسباب درکار ہیں جو اُس کی قدرت احاطہ سے باہر ہیں۔ مگر مدبّر السّموات والارض نے نظام عالم کا مدار ایسے محکم اور مضبوط قانون پر رکھا ہے۔ جو اسکی عاجز مخلوق کی تمام ضرورتوں کو حاوی ہے اور کبھی اپنے دائمی اقتضا سے تجاوز نہیں کرتا۔ اسی واسطے انبیا علیہم السّلام نے جو کہ دنیا میں خاص خدائے واحد کی پرستش اور توحید اور عظمت وجلال پھیلانے کے لئے بھیجے گئے تھے بندوں کو ایسے قاعدے تعلیم فرمائے ہیں کہ وہ کسی حالت میں اُس بڑے بازیگر کو جو پردہ میں بیٹھا اس بڑی پتلی کو نچا رہا ہے پر کبھی سامنے نہیں آتا بھولنے نہ پائیں۔ صبر اور شکر۔ رضا و تسلیم۔ خوف و رجاء توبہ و استغفار عبادت و صدقہ۔ ذکر اور دعا۔ اور سوا اُن کے اور مقامات یقین جو انبیا نے تعلیم کئے ہیں وہ سب اپنے اپنے موقع پر اسی غرض کے لئے تعلیم کئے ہیں۔ اسی طرح توکل کی بھی جا بجا تاکید کی گئی ہے یعنی یہ سکھایا گیا ہے کہ انسان کو اپنی تدبیر پر مغرور نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر قدرتی

تائید نہ ہوگی اور وہ تمام اسباب جو مسبب الاسباب نے ہماری کامیابی کے لئے مقدر کئے ہیں مساعدت نہ کرینگے تو ہماری کامیابی غیر ممکن ہے۔ مگر یہ سمجھنا کہ محض خدا پر توکل کرکے بے حس و حرکت بیٹھ جانے سے مطلب حاصل ہو سکتا ہے سخت غلطی ہے۔ چنانچہ عمرؓ فاروق نے اس غلطی کو صاف ظاہر کردیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ لا یقعد احدکم عن طلب الرزق یقول اللھم ارزقنی فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذھبا ولا فضۃ۔ (احیاء العلوم) یعنی تم میں سے کسی کو نہیں چاہیئے کہ تلاش معاش سے بیٹھ رہے اور یہ پڑھا کرے کہ اللھم ارزقنی بارخدا مجھکو رزق دے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونا اور چاندی نہیں برستا۔

قیل لاحمد ما تقول فمن جلس فی بیتہ او مسجدہ وقال لا اعمل شیئا حتے یاتینی رزقی فقال احمد ھذا رجل جھل العلم اما سمع قول النبی صلعم ان اللہ جعل رزقی تحت ظل رمحی وقولہ حین ذکر الطیر فقال تغدو اخماصا وتروح بطانا فذکرانھا تغدو فی طلب الرزق (احیاء العلوم) یعنی امام احمد بن حنبل سے جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ اُس شخص کے حق میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھا رہے اور کہے کہ میں کچھ نہ کرونگا جب تک میرے پاس رزق آپ سے نہ آئے۔ تو اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ ایسا شخص علم دین سے جاہل ہے۔ کیا اُس نے نبی صلعم سے نہیں سُنا کہ خدا نے میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے مقرر کیا ہے۔ اور یہ قول بھی نہیں سُنا کہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہوکر آتے ہیں یعنی وہ رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں

توکل کی تعلیم میں اُس روحانی تلقین کے علاوہ جو اوپر ذکر کی گئی ایک دینی مصلحت بھی مضمر ہے۔ یعنی آدمی اپنی عاجزی اور درماندگی پر اور کامیابی کی بے انتہا مشکلات پر نظر کرکے اکثر اوقات تدبیر کرنے سے جی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنی کوشش کو اُن بے انتہا

مشکلات کے مقابلہ میں ناچیز سمجھ کر ہاتھ پاؤں کچھ نہیں ہلاتا۔ اسی واسطے خدا پر بھروسہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ انسان پر مایوسی اور جبن طاری نہ ہونے پائے۔ وہ اپنے اڑے وقتوں میں مسبب الاسباب اور رب الارباب پر بھروسہ کرکے کوشش کے لئے فوراً کھڑا ہوجائے اسی لئے کلام الٰہی میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ یعنی خدا پر بھروسہ کرلینا ہی کامیابی کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اوس پر بھروسہ کرنے کے بعد کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی۔ اور کوشش و تدبیر کرنے کا حوصلہ جو کہ کامیابی کا اصلی سبب ہے خود بخود پیدا ہوجاتا ہے اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہوا کہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ یعنی جب تو کسی کام کا ارادہ کرے۔ تو خدا پر بھروسہ کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ توکل کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ تدبیر و کوشش کرنی نہ پڑے بلکہ اسلئے دیا گیا ہے کہ تدبیر و کوشش کرنی کی جرأت اور حوصلہ زیادہ ہو۔

غالباً ہمارا اوپر کا بیان اس مطلب کے لئے کافی ثبوت ہوگا کہ عقل اور شرع دونوں کی رو سے کامیابی کا اصل ذریعہ تدبیر کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ابھی ہم کو یہ بیان کرنا باقی ہے کہ جب عقل اور مذہب دونوں سے تدبیر کی ضرورت معلوم ہوتی ہے تو کیا سبب ہے کہ ہماری قوم میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ انسان کی تدبیر سے کچھ نہیں ہوتا۔

یہ خیال مختلف اسباب سے انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ کبھی وہ بعض اشخاص کو بغیر سعی و تدبیر کے کامیاب ہوتا دیکھتا ہے۔ مثلاً ایک نہایت مفلس آدمی تھا اسکو اتفاق سے کوئی ایسا دفینہ مل گیا جس سے اُسکا افلاس جاتا رہا۔ یا ایک شخص مدت سے کسی مرض مزمن میں گرفتار تھا اور علاج معالجہ نہ کرتا تھا۔ دفعتہً اسکا مرض خود بخود زائل ہو گیا۔ کبھی وہ بعض لوگوں کو باوجود تدبیر و کوشش کے ناکامیاب پاتا ہے۔ مثلاً ایک دائم المرض آدمی ہمیشہ علاج معالجہ کرتا ہے مگر کبھی تندرست نہیں رہتا۔ یا ایک شخص نے بارہا کھیتی کی اور ہمیشہ نقصان اٹھایا۔ پس ان دونوں

صورتوں سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ بعض کامیابی بغیر تدبیر کے بھی ہوتی ہے۔ اور بعض تدبیریں
غلط یا بے محل بھی ہوتی ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک دستہ قزاقوں اور درندوں سے بےخطر
ہے۔ اور دوسرے رستہ میں قزاقوں اور درندوں کا خطرہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ
اُس بےخطر راستہ میں بعض مسافروں کو گزند پہنچتی ہے اور اس خطرناک رستہ سے بعض مسافر
بامن وامان گذر گئے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ پہلا رستہ خطرناک اور دوسرا بےخطر ہے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ بعضے شخصوں کو (جیسے واعظ۔ مولوی۔ زاہد۔ صوفی وغیرہم
دیکھتے ہیں کہ وہ نوکری۔ حرفہ۔ تجارت۔ زراعت اور اور ظاہری حیلوں میں سے کوئی حیلہ معاش
کا نہیں رکھتے۔ مگر اُن کے سب کام نہایت عمدہ طور سے چلتے ہیں اُن کی حالت اکثر دوڑ دھوپ
کرنے والوں سے بہتر ہے پس اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاش کا مدار حیلہ و
تدبیر پر ہوتا تو یہ لوگ جو محض توکل کے سہارے پر بیٹھے ہیں اور کوئی حیلہ نہیں کرتے کس طرح
فارغ البال رہ سکتے تھے۔ لیکن ایسا سمجھنا بڑی موٹی غلطی ہے۔ یہ بزرگوار محض توکل کے
سہارے پر نہیں بیٹھے بلکہ اُنہوں نے دقائق حیل میں سے ایک ایسا حیلہ اختیار کیا ہے جو ظاہر
بینوں کی نگاہ میں توکل معلوم ہوتا ہے۔ محنت کا حق و فائدہ دو طرح ہوتا ہے معین اور غیر معین
معین ایسا ہے جیسے ڈاکٹر کی فیس جو اس کے ہر پھیرے میں بیمار کو دینی پڑتی ہے۔ یا جیسے
پادری کی تنخواہ مشن سے اس کے لئے مقرر ہے۔ اور غیر معین ایسا ہے جیسے ہندوستانی
طبیب کا نذرانہ کہ کسی بیمار سے ایک روپیہ کسی سے دو روپیہ کسی سے اور زیادہ وصول ہوتا ہے
اور کسی سے کچھ نہیں ملتا۔ پس جو لوگ اپنی قوم میں وعظ یا درس و تلقین وغیرہ کرتے ہیں۔ اور اس
خدمت کی کوئی اُجرت مقرر نہیں کرتے وہ گویا طبیبوں کی طرح قوم میں غیر معین نذرانہ کے مستحق ہوتے
ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر وہ راستی۔ دیانت اور آزادی سے یہ کام کریں تو اُن کا یہ استحقاق تسلیم کے

قابل ہے لیکن افسوس ہے کہ جس قوم میں نہ دولت ہو۔ نہ علم ہو۔ نہ اہل علم اور اہل اللہ کی کچھ عظمت ہو وہاں معاش کا مدار ایسی غیر معین آمدنی پر رکھنے میں راستبازی قائم نہیں رہ سکتی احیار العلوم میں کسی بزرگ کا یہ قول لکھا ہے کہ سب بندے خدا کی رزق سے متمتع ہوتے ہیں۔ مگر بعضے ذلّت کے ساتھ جیسے سائل اور بعضے مشقت اور انتظار کے بعد جیسے تاجر اور بعضے بے وقعتی کے ساتھ جیسے پیشہ ور۔ اور بعضے عزت کے ساتھ جیسے صوفی" یعنی اُن لوگوں کے سوا جو خدا پر تکیہ کئے خانقاہوں اور مسجدوں میں بیٹھے ہیں اور کوئی عزت سے روٹی نہیں کھاتا۔ شاید مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں ایسا ہی ہو مگر زمانہ حال میں ہم بالکل اس کے برخلاف دیکھتے ہیں۔ اب اُن لوگوں کے سوا جو مشقت سے معاش حاصل کر سکتے ہیں۔ اور کوئی عزت سے روٹی نہیں کھاتا۔ اور انصاف سے دیکھو تو ہر زمانہ میں یہی لوگ اصلی عزت کے مستحق ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اگر دنیا سے یہ گروہ بالکل مفقود ہو جائے اور سب لوگ خدا پر توکل کر کے خانقاہوں اور مسجدوں میں بیٹھ رہیں تو چند روز میں ساری دُنیا کا خاتمہ ہو جائے۔ اسکے سوا ایک اور سبب تدبیر کے بیکار ولاحاصل سمجھنے کا یہ ہوتا ہے کہ جس قوم میں زمانہ کے موافق علوم وفنون کی تعلیم نہیں ہوتی اور اُن کا تجربہ اور واقفیت محدود ہوتی ہے۔ اُن کی تدبیریں اکثر غلط یا غیر مفید ہوتی ہیں۔ اور اس سبب سے جبکہ وہ پے درپے ناکامیاں دیکھتے ہیں تو لاچار ہو کر تدبیر کو محض ہیچ و پوچ جاننے لگتے ہیں۔ مثلاً جو شخص نوکری کی لیاقت نہیں رکھتا وہ نوکری تلاش کرتا ہے یا جو تجارت کے اصول سے واقف نہیں وہ تجارت کر بیٹھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ شاذ ونادر ہی کامیاب ہو سکتے ہیں پس جب وہ متواتر ناکامیاں دیکھتے ہیں تو تدبیر سے اُن کا جی چھوٹ جاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ کامیابی کے لئے تین شرطیں نہایت ضروری ہیں۔ محنت۔ علم۔ ہنر۔ اگر ان

میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے گی تو کام حسب دلخواہ سرانجام نہ ہوگا مثلاً ایک شخص نہ پیمائش کے اصول سے واقف ہو اور نہ پیمائش میں مشاق ہے۔ اور ایکدوسرا شخص پیمائش کے اصول تو جانتا ہے۔ مگر اُس نے کبھی پیمائش نہیں کی۔ اور تیسرا شخص پیمائش کے اصول بھی جانتا ہے اور اس میں مشاق بھی ہے۔ اور ان تینوں شخصوں نے تین مختلف رقبوں کی پیمائش شروع کی۔ پہلا شخص کسی طرح صحیح پیمائش نہیں کر سکتا۔ دوسرا شخص بہت دیر میں نہایت وقت سے تھوڑے سے رقبہ کی پیمائش کر سکتا ہے۔ مگر تیسرا شخص نہایت آسانی سے تھوڑے سے عرصہ میں دوسرے شخص سے دس گنا رقبہ کی صحیح پیمائش کر سکتا ہے پھر جس قدر علم اور ہنر زیادہ ہوگا اُسی قدر کامیابی زیادہ ہوگی۔ مثلاً اگر ایک چوتھا شخص پلین ٹیبل یا پریزمٹک کے ذریعہ سے پیمائش کریگا تو تیسرے شخص سے بھی زیادہ صحیح اور جلد پیمائش ہو گی۔ ہماری قوم چونکہ معاش کے اُن علوم و فنون سے بالکل بے بہرہ ہے جو اس زمانہ میں درکار ہیں اس لئے جب وہ کسی کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو اُن کا ہاتھ ہمیشہ اوچھا پڑتا ہے اور آخر کو تھک کر وہ یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام اسباب جو اوپر بیان کئے گئے سب بمنزلہ فرعات کے ہیں اور اُن سب کا اصل اصول ایشیا کی تعلیم اور اُسکی سوسیٹی ہے۔ جس کا ذاتی خاصہ یہ ہے کہ وہم کو غالب اور عقل کو مغلوب کرتی ہے۔ ایشیا کا ہر متنفس ہوش سنبھالتے ہی چاروں طرف سے ایسی آوازیں سنتا ہے جو اُسکی ہمت کو پست اور حوصلہ کو تنگ کرنا چاہتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ وہم کو اُس کی طبیعت پر ایسا مسلط کر دیتی ہیں کہ جن قویٰ کی بدولت وہ اشرف المخلوقات قرار پایا ہے وہ بالکل مضمحل ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ ایشیا کی تمام قوموں میں اوہام کا غلبہ اور عقل

کیا مغلوبیت برابر پائی جاتی ہے. لیکن چونکہ مجھکو خاص مسلمانوں کی حالت سے بحث ہے
اس لئے میں خاصکر انہیں کا ذکر کرتا ہوں. مثلاً اولاد جو ماں باپ کی بے پروائی یا نالیاقتی
یا فرط محبت کے سبب نالائق ہو جاتی ہے. اُس کا الزام ہمیشہ تقدیر کے ذمہ لگایا جاتا ہے
اور یہ کہا جاتا ہے کہ تقدیر کے بگڑی کو کوئی سنوار نہیں سکتا. جنون. خفقان. بخار. سرسام
اور اکثر بیماریوں کے علاج سیانوں اور عاملوں سے کرائے جاتے ہیں. اگر کسی کو کوئی ناگہانی
صدمہ پہنچ جائے تو اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس کو کسی بُرے کام کی سزا ملی ہے. گو اُس بُرے
کام کو اُس صدمہ سے کچھ علاقہ ہو یا نہ ہو. مثلاً گھوڑے سے اسلیئے گر پڑا کہ سادات کی بے ادبی
کی تھی. مجنون اس سبب سے ہو گیا کہ خلفا پر تبرا کیا کرتا تھا. فالج اس سبب سے گرا کہ مسجد میں ناپاک چلا گیا
تھا. لنگڑا اس وجہ سے ہو گیا کہ شہید صاحب کی قبر پر جوتیوں سمیت چڑھ گیا تھا. جس شخص نے
اپنی محنت سے دولت کمائی ہے یا باپ دادا کی میراث اُسکو پہنچی ہے. یا جو شخص صاحب
اولاد ہے یا جسکی اولاد سعادت مند ہے اُسپر خدا کی ایک خاص اور غیر معتاد عنایت سمجھتے
ہیں جس کا نام اقبال ہے. اور جو شخص ایسا نہیں ہوتا اُسکو خدا کے ایک خاص اور غیر معتاد غصہ
میں گرفتار جانتے ہیں جس کا نام ادبار ہے. مکان اور مویشی عورتیں مبارک یا نحس سمجھی جاتی ہیں
دیوان حافظ اور دیگر کتابوں میں فالیں دیکھی جاتی ہیں. جانوروں اور اور چیزوں سے اچھے یا
بُرے شگون لئے جاتے ہیں. جن. بھوت اور پریاں وغیرہ مانی جاتی ہیں. مزاروں سے مرادیں
مانگی جاتی ہیں. اور نذریں چڑھائی جاتی ہیں. عربی. فارسی. اور اُردو جو مسلمانوں کی زبانیں ہیں
ان تینوں زبانوں کا لٹریچر اسی قسم کے اوہام اور خیالات سے بھرا ہوا ہے. جس وقت سے
بچہ مکتب میں بیٹھتا ہے برابر یہی تعلیم پاتا ہے. گھر میں چھوٹے بڑے سے یہی سبق پڑھتا ہے
باہر ہمجولیوں سے یہی آوازیں سنتا ہے. اسطرح بیشمار اور ہزار در ہزار اوہام ہیں جنہوں نے چاروں

طرف سے ان کو جکڑ بند کر رکھا ہے۔

ہنری ٹامس بکل نے اپنی تاریخ تمدن میں نہایت عمدگی سے یہ بات ثابت کی ہے کہ جن ملکوں میں نیچرل فنامنا یعنی قدرتی ظہور نہایت تعجب خیز اور دہشت انگیز ہوتے ہیں وہاں خواہ مخواہ وہم غالب اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور جب تک بذریعہ تعلیم یا دیگر اسباب کے وہم کو مغلوب اور عقل کو غالب نہیں کیا جاتا۔ وہ ملک اسی حالت میں گرفتار رہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ایشیا۔ افریقہ اور امریکہ میں بہ نسبت یورپ کے بیرونی دنیا نہایت عظیم الشان ہے۔ صرف پہاڑ اور قدرتی سرحدوں کا جو ہمیشہ قایم اور ثابت رہتی ہیں یہ ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اتفاقی فنامنا کا بھی یہی حال ہے مثلاً زلزلہ طوفان وبا وغیرہ جو کہ ان ملکوں میں بہ نسبت یورپ کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اور بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ خطرے جو بار بار ظہور کرتے ہیں ان سے بھی وہی نتیجے پیدا ہوتے ہیں جو قدرت کے دایمی مظاہر سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ دونوں حالتوں میں وہم اور تصورات زیادہ ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں بہ نسبت اور جگہ کے اس قسم کے واقعات بہت ہوتے ہیں۔ اور اسی سبب سے گرم ملکوں میں وہم غالب رہتا ہے۔ مثلاً زلزلہ جو کہ بڑا اور عجیب واقعہ ہے۔ اور جس کا ظہور ہمیشہ دفعتاً ہوتا ہے اور جس میں جانیں بھی بہت ہلاک ہوتی ہیں۔ ملک پیرو میں اکثر واقع ہوتا ہے۔ اور ہر مرتبہ کے زلزلہ میں عموماً دہشت اور خوف بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض حالتوں میں وہ خوف برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ دل ہمیشہ خائف و ترساں رہتا ہے اور انسان ایسے بڑے بڑے حوادث دیکھتا ہے کہ نہ جن سے بچ سکتا ہے نہ جنکو سمجھ سکتا ہے۔ تو اسکو اپنی مجبوری اور عاجزی کا یقین ہو جاتا ہے اور وہم حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے اور عقل پر غالب ہو کر انسان کے دل میں بے اصل خیالات پیدا کر دیتا ہے۔ ایشیا کی شائستگی کا مرکز یعنی ہندوستان بھی نیچرل فنامنا سے خوف زدہ ہے۔

علاوہ اُن خطروں کے جو گرم آب و ہوا میں وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں: ایشیا میں ایسے بڑے بڑے پہاڑ ہیں جو آسمان کو چھوتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن کی اطراف سے ایسے بڑے بڑے دریا نکلتے ہیں جن کا دھار کسی ہُنر سے پھر نہیں سکتا۔ اور جن پر آجتک کوئی پل نہیں بندھا۔ سوا اسکے ناقابل گذر جنگل بھی ہیں۔ ملک کے ملک ایسے جنگل ہیں جن کی حد نہیں۔ پھر اُن کے بعد غیر تنہا ہی ویرانے ہیں جن سے انسان کو یہ نصیحت ہوتی ہے کہ ہم نہایت کمزور ہیں۔ اور نیچر کے زور کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں خشکی کے دونوں طرف بڑے بڑے سمندر ہیں جن میں ہمیشہ طوفان آتے رہتے ہیں۔ اور اُن سے ایسا نقصان ہوتا ہے کہ ویسا یورپ میں جانتے بھی نہیں۔ اور ایسا دفعتاً زور شور سے ہوتا ہے کہ اُس کے گزند سے بچنا غیر ممکن ہے۔ ایشیا کے وہ حصے جہاں اعلےٰ درجہ کی شائستگی ہوئی (جیسے ہندوستان) یورپ کے نہایت شائستہ حصوں کی نسبت متعدد طبعی اسباب کی وجہ سے زیادہ تر نا تندرست ہیں۔ بڑی بڑی وبائیں جو مختلف اوقات یورپ میں آئیں وہ سب مشرق سے آئیں۔ جو کہ گویا ان کی قدرتی پیدائش کی جگہ ہے۔ اور جہاں وہ نہایت مُہلک ہوتی ہیں۔ جتنی سخت بیماریاں اب تک یورپ میں موجود ہیں منجملہ اُن کے شاذ و نادر ہی کوئی بیماری وہاں کی ہوگی اور سب سے بڑی بڑی بیماریاں سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں اور اس کے بعد گرم ملکوں سے آئیں۔ برخلاف اس کے یورپ میں نیچرل فنامنا نے وہم کو محدود اور سمجھ کو دلیر کیا۔ اور انسان کو اپنی قوتوں پر بھروسہ ہوا۔ علم کی ترقی میں آسانی اور دلیری ہوئی اور تحقیقات کے شوق نے ترقی پائی اور علم کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ جس پر تمام آئندہ ترقیاں موقوف ہیں یورپ کی شائستگی کا مرکز یعنی یونان جو کہ مثل ہندوستان کے جزیرہ نما ہے۔ اُس کی حالت بالکل ہندوستان کے برخلاف ہے۔ جیسے ہند میں ہر شے بڑی اور خوفناک

ہے ویسی ہی یونان میں ہر شے چھوٹی اور کمزور ہے۔ خود یونان ایک بہت چھوٹا سا
ملک ہے اور ایک سرے سے سمندر میں واقع ہے۔ جہاں سے بکمال آسانی گذر ہو سکتا ہے
آب و ہوا یہاں کی نہایت صحت بخش تھی۔ زمین پر زلزلے بہت کم ہوتے تھے۔ طوفان
اور بگولہ سے کم ضرر پہونچتا تھا۔ وحشی اور موذی جانور بھی شمار میں کم تھے۔ یونان کے
اونچے سے اونچے پہاڑ ہمالیہ کی ایک تہائی سے بھی کم اونچے ہیں۔ دریاؤں کا یہ
حال ہے کہ شمالی اور جنوبی یونان میں چند چشموں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اور وہ پایاب ہیں
اور گرمی میں خشک ہو جاتے ہیں۔ پس دونوں ملکوں کی موجودات کے اختلاف کے
سبب خیالات میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ کیونکہ جس قدر خیالات ہوتے ہیں۔ وہ کچھ تو
خود دل ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور کچھ دنیا کی بیرونی صورت کے دیکھنے سے پیدا
ہوتے ہیں۔ ہندوستان جن چیزوں سے گھرا ہوا ہے اُن سے خوف اور دہشت پیدا
ہوئی اور یونان میں انہیں سے اطمینان حاصل ہوا۔ وہاں انسان کا دل خائف ہوا۔ اور یہاں
انہیں باتوں سے ہمت و دلیری ہوئی۔ ہندوستان میں ہر قسم کی دقتیں ایسی بیشمار اور ایسی
خوفناک اور بظاہر اس قدر سمجھ سے باہر پیش آئیں کہ زندگی کی ہر ایک مشکل بات کا سبب
مجبوری ایسا قرار دینا پڑا کہ انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ جب کسی بات کا سبب سمجھ میں
نہ آیا فوراً وہم و تصور نے اپنا عمل کیا اور آخر وہم کا غلبہ ایسا خطرناک ہو گیا کہ سمجھ مغلوب
ہو گئی اور اقبال جاتا رہا۔ یونان میں چونکہ نیچر خوفناک اور بہت چھپا ہوا نہ تھا۔ اس سبب
سے وہاں انسان کے دل پر خوف کم غالب ہوا۔ اور لوگ خیال پرست کم ہوئے۔ طبیعی
اسباب کے دریافت کرنے پر توجہ ہوئی۔ اور علم طبیعی ایک چیز قرار پایا۔ اور انسان کو رفتہ
رفتہ اپنی قوت اور اقتدار کا خیال ہوتا گیا اور وہ ایسی دلیری سے واقعات کی تحقیقات

کرنے لگا کہ اس قسم کی جرات ان ملکوں میں ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جہاں آزادی نیچر کے دباؤ سے
مظلوم ہو رہی ہے اور جہاں ایسے واقعات پیدا ہوتے ہیں جو سمجھ میں نہیں آسکتے۔" انتہی
ملخصاً،" اس کے بعد ٹامس بکل نے ہندوستان اور یونان کا مقابلہ لٹریچر اور مصوری وغیرہ
میں کیا ہے جس سے نہایت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایشیا میں اوہام کا غلبہ مذہب کے
سبب سے نہیں بلکہ قدرت کے خوفناک ظہوروں کے سبب سے انسان کے دل میں پیدا ہوا ہے
اور خاص کر ان دو ملکوں کا مقابلہ اس لئے کیا ہے کہ ایشیا اور یورپ کے مرکز یہی دونوں
ملک قرار دئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جیسے خیالات مرکز میں پیدا ہونگے وہی محیط تک
پھیلیں گے۔ اور یہی سبب ہے کہ ایشیا کے تمام ملکوں میں جہاں ۸۰ کروڑ ۵ لاکھ
آدمی آباد ہیں۔ تقریباً ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی سے اوہام طبیعتوں
پر چھائے ہوئے ہیں۔

ان تمام اسباب کے سوا جو اوپر ذکر کئے گئے اور بھی اسباب ہیں جو انسان کے
دل میں اپنی مجبوری کا خیال پیدا کرتے ہیں اور اسکو بڑے بڑے کاموں پر اقدام نہیں کرنے
دیتے۔ لیکن ہم خیال کرتے ہیں کہ اس قدر بیان بھی اصل مدعا کے ذہن نشین کرنے کے لئے
کافی ہوگا۔ جن قوموں نے تدبیر و کوشش کی ہے وہ جلدی یا دیر میں ضرور کامیاب ہوئی
ہیں۔ اور ایسی ایسی مشکلوں پر غالب آئی ہیں۔ جن کے حل ہونے سے یہ قول اُن کے
ہاں ضرب المثل ہو گیا کہ "اسپاسبی ملٹی ازنتھنک" یعنی کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ پس
جبتک ہماری قوم کے دلمیں بھی ایسے خیالات پیدا نہ ہونگے تب تک امید نہیں ہو سکتی کہ ترقی
اور تمدن کی فہرست میں اُن کا نام درج ہو سکے اور خلافت رحمانی کا اخیر سے اخیر درجہ
بھی اُن کے ہاتھ آئے۔

قرض کے اسباب اور اس کا تدارک

ہندوستان میں قدیم سے قرض لینے کی قبیح عادت پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ رگ وید میں ایک دعا خاص قرض سے حاصل کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اور اب بھی ہندوستان کے ہر حصہ میں تعلیم یافتہ اور جاہل دونوں اس بلا میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اولاد کو قرض کی مصیبت کا حال اکثر اُسوقت معلوم ہوتا ہے جبکہ اُن کے والد یکایک انتقال ہوجاتا ہے۔ اور خاندان کا کوئی خبرگیراں نہیں ہوتا۔ یا قحط کی سختی قرض لینے پر مجبور کرتی ہے۔ تمام دنیا میں اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے سے۔ یا سستی۔ کاہلی۔ قمار بازی وغیرہ کی وجہ سے قرض کی عادت انسان کو پڑتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں خاص کر دو نامعقول سببوں سے لوگ قرض کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں جن کا بیان کیا جاتا ہے۔

شادی غمی کے مصارف بیجا

اگرچہ اہل ہند عام طور پر کفایت شعار ہیں لیکن بعض مواقع پر وہ روپیہ ایسی بیدردی سے خرچ کرتے ہیں اور اکثر والدین سالہا سال تک روپیہ جمع کرتے ہیں۔ اور بیاہ شادی میں خرچ کردیتے ہیں۔ مسلمان اکثر ایک روپیہ پر ۲ پائی فی ماہ یعنی ۱۲ فی صدی فی سال سود پر قرض لیتے ہیں۔ جو کسی قدر آسودہ حال ہیں وہ ۱۲ ار یا عہ فیصدی ماہ کے حساب سے زیور پر قرض لیتے ہیں۔ بعض اوقات ہیتی بھی قرض خواہ کے پاس چلے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ یہ غریب قرض خواہ کے غلام ہوجاتے ہیں۔ قرض کے

پھندے سے نکلنے کے لئے راجپوت اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ اسی طرح غمی کے مصارف کا خیال کیا جائے تو کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ اور اس وقت کی ہولناک تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جبکہ مرنے والا تو مرجاتا ہے لیکن زندہ اپنے آپ کو بوجہ مصارف کی کثرت کے زندہ درگور کی مثال بناتا ہے۔ اور ابھی مردہ گھر ہی میں پڑا ہوا ہے اور پان چھالیا تمباکو کی فرمائش شروع ہوجاتی ہے۔ پھر سوم۔ دسواں۔ بیسواں۔ چہلم۔ سہ ماہی ششماہی۔ برسی کے بیجا اخراجات سامنے نظر آتے ہیں۔ تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ اہل ہند غریب ہیں۔ لیکن یہ بات ناواقف لوگ ہی کہتے ہیں۔ درحقیقت تمام دنیا کے سونے چاندی کی پیداوار کا ½ حصہ بلکہ ⅔ حصہ ہندوستان میں ہر سال صرف ہوتا ہے۔ ۱۸۳۵ء سے سونا چاندی ہندوستان میں پانچ ارب کا آیا ہے چار لاکھ سونار رات دن سونے چاندی کو فضول زیورات کی شکل میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک سونار کی ماہانہ آمدنی چھ روپیہ ماہوار ہے تو اس حساب سے اُن پر (۲۸۸۰۰۰۰) روپیہ صرف ہوتا ہے۔

زیورات سے آمدنی میں ترقی نہیں ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ گھستے رہتے ہیں۔ اور اُن کے چوری جانے کا اندیشہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ہر سال لاتعداد بچے اور عورتیں زیور کی وجہ سے مار ڈالے جاتے ہیں۔ خیال کیجئے کہ ایک شخص اپنے روپیہ کو زیورات و جواہرات کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ اس سے اُسکو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جب اُسکو روپے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُسے قرض لینا پڑتا ہے۔ اور دوسرا شخص اپنے پس انداز کئے ہوئے روپے کو ڈاک خانہ کے سیونگ بنک میں جمع کرتا رہتا ہے اس سے اُسکو تھوڑا سا سود بھی ملتا ہے۔ اور جب ضرورت ہوا اپنے روپے کو نکال

بھی سکتا ہے۔ اگرچہ آخر الذکر کو تمام وکمال روپیہ نکالنے سے سود کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے لیکن وہ کسی ساہوکار کے پاس نہیں جاتا۔ اور سود دینا ہی نہیں پڑتا۔

ہندوستان میں کم ازکم دو ارب روپیہ زیورات وجواہرات کی شکل میں موجود ہے۔ بارہ فیصدی کے حساب سے اسکی آمدنی ۲۴ کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔ جو تمام ہندوستان کے محاصل مالگذاری کے برابر ہے۔ ہندوستان کی مالی حالت میں کس قدر عجیب وغریب تغیّر واقع ہو۔ اگر یہ سونا چاندی جواب جواہرات وزیورات کی شکل میں پڑا ہے اسکو قرضوں کے ادا کرنے میں مضبوط اور توانا مویشی کے خریدنے میں۔ زراعت اور صنعت وحرفت کو ترقی دینے میں اور تجارت کو بڑھانے میں صرف کیا جائے۔

قرض کی برائیاں

(۱) **روپے کا ضائع ہونا**۔ اس وقت ہندوستان میں دو لاکھ سے زیادہ ساہوکار لین دین میں مصروف ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بہت ہیں جو خفیہ طور پر لین دین کرتے ہیں ان لوگوں کو جو روپیہ سود کا وصول ہوتا ہے وہ ایک بڑی بھاری رقم ہے فرض کیجئے کہ ایک شخص ۵۰ روپے ۳/۲ ماہوار سود پر تین سال کے لئے قرض لیتا ہے۔ بعد ختم تین سال اسکو سو روپے سے زائد صرف سود کی بابت ادا کرنا پڑے گا۔ اور پھر بھی ۵۰ روپے اصل بدستور اُس کے ذمہ باقی رہیں گے۔ کوئی شخص بغیر روپے کے کسی قسم کی تجارت نہیں کرسکتا۔ دوکاندار سے قرض سودا اسلف لیا جائے تو وہ زیادہ نرخ پر دیتا ہے۔

(۲) **شرم**۔ مقروض اکثر قرض خواہ سے چھپتا پھرتا ہے۔ اور جگہ جگہ بھاگتا پھرتا

ہے۔ صرف اس واسطے کہ قرض خواہ کا سامنا نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قرض خواہ اسکو برا بھلا کہتا ہے۔ اور دوسروں کے سامنے ذلیل کرتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اسکو جیل میں جانا پڑتا ہے۔ اور اسوقت مقروض کی حالت بہت ہی قابل افسوس ہوتی ہے وہ خود بھی شرمندہ ہوتا ہے اور دوسرے بھی اسکو ذلیل سمجھتے ہیں۔

(۳) **جھوٹ**۔ جو شخص مقروض ہو اُس کے واسطے سچ بولنا نہایت ہی دشوار امر ہے مثلاً ایک شخص جو پہلے سے مقروض ہے ایک ساہوکار سے قرض لیتا ہے۔ اور جب اسکا تقاضا ہوتا ہے تو کہتا ہے میں سود فلاں تاریخ کو ادا کرونگا اور اصل فلاں تاریخ کو اور اگر **مسلمان ہے تو خدا کو ضامن دیکر نہایت سنجیدگی سے کہتا ہے** کہ آپ اطمینان رکھیں میں ضرور اسی طرح ادا کردونگا لیکن جب مقررہ تاریخ آتی ہے تو منھ دیکھتا رہ جاتا ہے اور ایک پیسہ بھی اصل و سود میں ادا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح بیسیوں جھوٹے وعدے کرتا ہے مثل مشہور ہے کہ "جھوٹ قرض کی گردن پر سوار ہوتا ہے"

(۴) **عمر بھر کی غلامی**۔ حضرت سلیمان کی مثال میں سے یہ ایک ضرب المثل ہے کہ "مقروض قرض خواہ کا غلام ہے" ساہوکار اس معاملہ میں اس قدر سخت ہوتے ہیں کہ اگر کبھی کسی شخص کا نام ایک دفعہ اُن کے مقروضوں کی بہی میں چڑھ گیا پھر عمر بھر تک اُسکی رہائی نہیں ہوتی۔ اور ان کے پھندے سے نکلنا مقروض کے لئے سخت مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ جہانتک ہو سکے وہ اُس کے مویشی تک خود مقرر کی ہوئی قیمت پر لے لیتے ہیں۔ اور اسکو صرف فاقہ سے بچنے کے لئے گزارے کیواسطے تھوڑا سا غلہ وغیرہ دیدیتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے قرضے بھی بہت ہیں جو نسلاً بعد نسلاً چلے آتے ہیں۔

(۵) بددیانتی۔ بعض اوقات روپیہ متصدیوں کی تحویل میں مدت تک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اُن سے کسی قسم کا حساب نہیں لیا جاتا۔ اس سبب سے اُن کے روپے کو اپنے مصرف میں خرچ کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور بعض وقت اس سے جعل سازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ قرض خواہوں کے مسلسل اور متواتر تقاضے کی وجہ سے بعض تعلیم یافتہ ہندوستانی بھی جو قرض لینے سے پہلے عزت سے زندگی بسر کرتے تھے بددیانت ہوتے جاتے ہیں اور بعض اوقات اُن کو جیلخانوں میں جانا پڑتا ہے۔

(۶) کنبے کی مصیبت۔ مقروض کا کنبہ بھی مثل اُس کے مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اُن کو اچھی طرح پرورش نہیں کر سکتا۔ اور قرضخواہ اور اپنی روزمرہ کی ضروریات سے ایسا خوف زدہ اور تنگ ہو جاتا ہے کہ اکثر اوقات اپنی تمام عمر دیوالیہ پن میں گذار دیتا ہے یہانتک کہ گھر اور گھر کا تمام اسباب فروخت ہو جاتا ہے۔ اور گھر سے گھر والوں کو باہر نکال دیا جاتا ہے۔ مقروض اپنی زندگی اچھی بُری طرح گذار ہی دیتا ہے۔ لیکن بعد اُس کی وفات کے اُس کے بیوی بچے محتاجی اور بے کسی کی حالت میں دنیا میں پھرتے ہیں۔ اور کوئی اُن کی مدد نہیں کرتا۔

(۷) روحانی و اخلاقی نقصانات۔ مقروض اس قدر ہراساں و پریشان ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کو جو خدا اور بنی نوع کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ادا نہیں کر سکتا اور نہ اپنی اخلاقی حالت ہی درست کر سکتا ہے۔ جب وہ کسی نیک اور عمدہ کام کا ارادہ کرتا ہے تو بسبب کلفت اور رنج کے اسکو پورا نہیں کر سکتا۔ اور اس وجہ سے وہ بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اکثر غم غلط کرنے کے واسطے شراب نانہ خراب کا استعمال شروع کر دیتا ہے۔ اور اسی شراب کی بدولت جلد مرجاتا ہے۔ انجیل میں آیا ہے کہ

"وہ ناپاک لوگ خدا کی بادشاہت میں شریک نہ ہوسکیں گے"! اور قرآن شریف نے شراب خوری وغیرہ کو **شیطانی فعل** قرار دیا ہے۔ اس لئے شراب خوار کے لئے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔

اس ملک میں بہت کم اشخاص ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ فی الحقیقت قرض لینا گناہ ہے اور اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ قرض کی بدولت بد دیانتی کرتے ہیں۔ اور اپنی تباہی و بربادی کا ذمہ وار دوسروں کو قرار دیتے ہیں۔

قرض کا تدارک

پہاڑ سے پتھر ڈھلکانا بہت آسان ہے لیکن اُسکو پہاڑ پر پہنچانا سخت مشکل ہے اسی طرح قرض لینا آسان ہے لیکن قرض اُتارنا بہت مشکل ہے۔ تاہم اگر **قرضدار خدا کو حاضر و ناظر** جان کر قسم کھائے کہ جہانتک مجھسے ممکن ہوگا میں قرض ادا کروں گا تو مندرجہ ذیل قواعد پر سختی سے عمل کرکے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان کو قرض کے پھندے سے چھڑا کر آرام پہنچا سکتا ہے۔

(۱) اپنی آمدنی کا ٹھیک طور پر اندازہ کرو اور اپنے قرض کی فہرست بناؤ۔ اپنی آمدنی کا زیادہ اندازہ نہ کرو۔ اگر تمہارے ایک سے زیادہ قرضخواہ ہیں تو جس کا نہایت ضروری قرض ہے اور جو سخت تقاضا کرتا ہے اس کا نام ایک کتاب میں لکھو اور سب سے پہلے اُس کا قرضہ ادا کرنے کی فکر کرو۔

(۲) اس بات کا مصمم ارادہ کرلو کہ تمھارے اخراجات ایک معین رقم سے زائد نہ ہوں اور ہر مہینے سود کے علاوہ تھوڑی سی رقم اصل میں بھی ادا کرتے رہو۔ اگرچہ فضول خرچ

اور مسرف آدمی کے لیئے یہ ایک سخت مرحلہ ہوگا۔ مگر سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے وہ لوگ جو اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ آخر کار باقاعدہ انتظام کی بدولت وہ کمی خرچ پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ مناسب وقت پر کفایت شعاری کا انتظام نہ کرتے تو اُن کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا۔

صرف سود ادا کرنا اس لیئے کافی نہیں ہے کہ اصل بدستور باقی رہے۔ اور اگرچہ اکثر اوقات سود اصل سے بھی سہ چند چہار چند زیادہ ادا کر دیا جاتا ہے لیکن چونکہ اصل میں کچھ نہیں دیا جاتا۔ اسلیئے اصل رقم رہ جاتی ہے۔ اور سود بڑھتا جاتا ہے۔ پس اگر اصل میں تھوڑا تھوڑا ادا کیا جائے تو قرضہ رفتہ رفتہ ادا ہو جائے گا۔

فرض کیجئے ایک شخص کی ماہانہ آمدنی ۳۰ روپے ماہوار ہے۔ اور وہ دوسو روپے کا قرضدار ہے اور اُسکو بارہ فیصدی یعنی دو روپے ماہوار سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ پس اسکو مصمم ارادہ کر لینا چاہیئے کہ اپنا گذارہ [illegible] روپے ماہوار میں کریگا۔ اور [illegible] روپے ماہوار برابر جبتک قرض پورے طور پر ادا نہ ہو دیتا رہیگا۔ تو تھوڑے عرصہ میں قرض بالکل صاف ہو جائیگا۔ یعنی اس حساب سے وہ چھ سال میں قرض بالکل ادا کر دیگا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل نقشے سے ظاہر ہوگا۔

سال	سود	اصل	بقیہ واجب الادا
ختم سال اوّل	[illegible]	[illegible]	[illegible]
" دوم	[illegible]	[illegible]	[illegible]
" سوم	[illegible]	[illegible]	[illegible]
" چہارم	[illegible]	[illegible]	[illegible]
" پنجم	[illegible]	[illegible]	[illegible]
" ششم	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اور اگر وہ چھ روپیہ ماہوار کے حساب سے ادا کرتا تو چار سال سے بھی کم عرصہ میں یہ رقم بیباق ہوجاتی۔

(۳) اپنے جواہرات و زیورات کو اگر ممکن ہو تو اُن کی ضمانت پر قرض لینے کی بجائے فروخت کردو۔ کیونکہ یہ بات بیان ہوچکی ہے۔ کہ کروڑوں روپیہ جواہرات و زیورات پر فضول صرف ہوتا ہے۔ اگر جاہل عورات سے یہ کہا جائے کہ تمھارے زیورات فروخت کردیے جائیں تو وہ ہرگز اسکو منظور نہ کرینگی اور شاید زیور کے بدلے جان تک دینا قبول کریں گی لیکن جب قرض کے نقصانات اور عیوب اُن پر ظاہر ہوں گے تو معقول پسند عورتیں اس کو سمجھ جائیں گی اور اس پر ہرگز اصرار نہ کریں گی۔

(۴) اپنے مصارف پر نظر غایر رکھو۔ ہر ایک باقاعدہ ریاست اپنے آمد و خرچ کا سالانہ موازنہ تیار کرتی ہے۔ پس اسی طرح ہر ایک گھر کا ایک بجٹ تیار ہونا چاہیے اخراجات کی بڑی بڑی مدات یہ ہونی چاہئیں۔ یعنی کرایہ مکان۔ ٹکس۔ غلہ اور چیزیں جو گھر میں روزمرہ مستعمل ہوتی ہیں۔ کپڑا اخراجات تعلیم خیرات۔ متفرق اخراجات۔ اور بجٹ ہر ایک مد کو جانچ کر ایک نقشہ تیار کرو۔ اور اُسی کے موافق خرچ کرنا چاہیئے۔

(۵) اپنے مصارف کا حساب کتاب رکھو۔ ہر ایک خرچ کا جو تم کرو خیال رکھو۔ بہت سے غریب آدمی کہتے ہیں کہ ہمیں حساب کتاب رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ قول پیش کرتے ہیں کہ کیا ننگی نہائے گی اور کیا نچوڑے گی۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ انہیں کو اس قسم کا حساب رکھنے کی اشد ضرورت ہے جس قدر زیادہ آدمی غریب ہو اُسی قدر اسکو پائی پائی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا خرچ کرتا ہے اور

کہاں خرچ کرتا ہے۔ اور وہ خرچ بیجا ہے یا بجا ہے۔

(۶) **ہر ایک چیز نقد خرید کرو۔** جب کوئی شخص کوئی شے خرید کرے تو پہلے یہ خیال کرے کہ آیا مجھکو اس کی ضرورت شدید ہے یا نہیں۔ اگر تمہارا حساب کتاب کسی دوکاندار سے ہے تو وہ تمہیں اشیاء لینی پڑتی ہیں۔ جو دوکاندار دینی پسند کرتا ہے۔ اگر روپیہ نقد تمہاری پاس ہو تو تم ہر ایک جگہ جا سکتے ہو۔ اور جگہ جگہ نرخ دریافت کر سکتے ہو اور جو چیز عمدہ سستی ہو خرید کر سکتے ہو۔ اور اس میں تمہیں فائدہ بھی ہوگا۔

(۷) **نیلام گھروں میں جانا اور دوکانوں پر گشت لگانا بند کردو۔** اکثر لوگ جب کسی منڈی یا نیلام گھر میں جاتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک بڑے خریدنے والے شمار کئے جائیں۔ خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ سودا خرید لیتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوکانوں پر اکثر جانا بیہودہ خریدار بنتا ہے۔ جب کسی چیز کی خریداری کی ترغیب ہو تو پہلے اپنے دل سے سوال کرو کہ کیا میں اس کو خرید کروں اور کیا میرا گذارہ بغیر اس کے ہو سکتا ہے۔

(۸) **مضرت رساں شرابوں اور تمباکو پر روپیہ برباد نہ کرو۔** یونانی میں ایک ضرب المثل ہے۔ کہ پینے کی تمام چیزوں میں پانی سب سے اچھا ہے۔ صدیوں سے اہل ہند (سوائے چند مخصوص جماعتوں کے) نشے کی مختلف چیزیں استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اب مسلمان بھی اس مرض میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمیں آباؤ اجداد کی تقلید کرنی چاہیئے۔ تمباکو نوشی کی ہرگز عادت نہ ڈالو۔ اور نوجوانوں کے واسطے تو تمباکو نہایت ہی مضر صحت ہے بعض لحاظ سے افیون شراب سے زیادہ مضر ہے۔

(۹) **محنتی بنو۔** اگر انسان محنتی ہو۔ تو ہر ایک مصیبت کا مقابلہ کر سکتا ہے جیسا کہ

ایک انگریزی میں مثل ہے۔ کہ "محنتی ہاتھ دولت پیدا کرتا ہے" نیند کو عزیز نہ رکھو ایسا نہ ہو کہ تم مفلس ہو جاؤ۔

(١٠) **ڈاکخانہ کے سیونگ بنک میں حساب رکھو۔** بہت نہیں بلکہ اکثر اہل ہند بالکل مفلس ہیں۔ اور ایک پائی بھی نہیں بچاتے۔ اور اُن کے ہاں بیاہ شادی یا غمی ہو جاتی ہے تو سوائے قرض لینے کے اور کوئی تدبیر اُن کو نہیں سوجھتی ہے۔ پس اگر تھوڑا تھوڑا اپنے شہر کے ڈاک خانہ میں جمع کرا دیا کریں تو اس مصیبت سے نجات پا سکتے اور اگر سود لینا چاہیں تو تھوڑا سا سود بھی ملجاتا ہے۔

قرض سے آزاد ہونے کے فوائد

(١) **روپے کا بچانا۔** یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سخت محنت سے اور خون جگر کھا کر کمایا ہوا روپیہ اکثر ساہوکاروں کے پاس جاتا ہے۔ اور یہ اُن کے لئے سوہان روح ہوتا ہے۔ جو شخص مقروض نہیں ہے وہ اس بلا سے محفوظ ہے۔

(٢) **روپے کے معاملہ میں فکر سے نجات۔** مقروض اپنی ضرورت کو جب پورے طور پر انجام نہیں دیسکتا تو اکثر اسکی راتیں بے خوابی میں گذرتی ہیں۔ اور وہ شخص جو مقروض نہیں ہے آرام سے سوتا ہے۔ کیونکہ اسکو کوئی فکر لاحق نہیں ہے۔

(٣) **ایسے شخص کو ہر کوئی تجارت کے کاروبار میں خوشی سے شریک** کر لیتا ہے۔ قرضخواہ مقروض کو ہر وقت بُری نظر سے دیکھتا ہے اور اسکو بہت ملامتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور وہ شخص جو مقروض نہیں ہے اسکو ہر شخص خوشی و خرمی سے چاہتا ہے۔ کہ وہ کاروبار اور تجارت میں ہمارا شریک ہو جائے۔

(۴) دیانت دار سچا آدمی ہی ترقی کرتا ہے۔ مقروض بے شمار ایسے وعدے کرتا ہے جن کو کبھی پورا نہیں کر سکتا۔ اور بد دیانتی سے مال حاصل کرتا ہے۔ جس کی قیمت وہ کبھی ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ پس فریب اور جعلسازی کو ترقی ہوتی ہے۔ برعکس اس کے دیانت دار آدمی کی عزت اور بڑھتی ہے۔ ہر جگہ اسکو مال ملسکتا ہے۔

(۵) غربا کی مدد کرنیکی قابلیت۔ انسانی زندگی کی سب سے زیادہ خوشی دوسروں کو فائدہ پہونچانا ہے۔ ہم وہ شے ہرگز دوسروں کو دینے کے مستحق نہیں ہیں۔ جو ہماری نہیں۔ ہم کو دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا لازم ہی جب کوئی آدمی خود مقروض نہ ہوگا تو وہ غربا کی مدد کیواسطے زیادہ بچا سکے گا۔

(۶) خاندان کی خوشی اور بچوں کیلئے مثال۔ مقروض کے گھر کا حال پہلے تحریر کیا جاچکا ہے۔ اس کے گھر میں ہرگز کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ مقروض باپ کی اولاد بھی اکثر مقروض ہوتی ہے۔ اور جو شخص قرض کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہے گو وہ سردست جرأت کے بڑے بڑے کارنمایاں نہ کرسکے۔ تاہم آئندہ نسلوں کے واسطے اُس کا وجود ایک برکت کا باعث ہوسکتا ہے۔

یہ ہیں مصائب قرض کے اُمید کہ اہل اسلام جو اس مرض متعدی میں مبتلا ہیں اس مضمون کو اچھی طرح پڑھیں گے اور اسپر عمل کرینگے اور حتی الامکان اپنے دوستوں عزیزوں ہمسایوں کو بھی اس ناگوار تکلیف دہ مصیبت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ فقط*

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

رسالہ کانفرنس

نمبر (۱۱)

التربیۃ والتعلیم

یعنی

حضرت العلامۃ المصلح والتقی الصالح السید رشید رضا ایڈیٹر المنار ناظر مدرسۃ الدعوۃ والارشاد مصر کی وہ عظیم الشان اصلاحی تقریریں جو انھوں نے اجلاس ندوۃ العلماء، مدرسۃ العلوم علیگڑھ اور مدرسہ عربی دیوبند میں فرمائیں

مع ترجمہ اُردو

حسب الحکم آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب آنریری جائنٹ سکرٹری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

(علی گڑھ صدر دفتر کانفرنس سے شائع ہوا)

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

النشرة الحادية عشر
لمؤتمر التربية والتعليم الاسلامي في الهند

التربية والتعليم

وهي تلك الخطب الاصلاحية العظيمة الشان التي تفضل بالقائها حضرة السيد الامام

حكيم الاسلام السيد محمد رشيد رضا

منشي مجلة المنار الاغر وناظر مدرسة الدعوة والارشاد بمصر

في مؤتمر ندوة العلماء والكلية الاسلامية الكبرى في علي گڑھ والكلية العربية الكبرى في ديوبند
مع ترجمتها الاوردية ابان تشريفه الى الهند سنہ ۱۳۳۱ھ و ۱۹۱۲ع

امر بطبعها ونشرها لتعميم نفعها حضرة صاحب العزة آفتاب احمد خان رئيس مؤتمر التربية والتعليم الاسلامي في علي گڑھ

عني بترجمتها ومباشرة طبعها العبد المفتقر الى رحمة الباري رشيد احمد الانصاري في مطبعة

المطبعة الاحمدية في علي گڈھ

فہرست مضامین

الخطبة الافتتاحية الرئيسية التي القاها المصلح الشهير الشيخ الاستاذ السيد رشيد رضا رئيس احتفال ندوة العلماء في هذا العام

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور. والصلوٰة والسلام على نبيه ورسوله الذي ارسله ليخرج الناس من الظلمات الى النور، سيدنا محمد خاتم النبيين وامام المصلحين، وعلى آله وصحبه ومن تبعهم في هديهم الى يوم الدين۔

ثم اني بعد حمد الله وشكره عودًا على بدء، اشكر لهذه الجمعية

علامہ سید رشید رضا صدر اجلاس سیزدہم ندوۃ العلما لکھنؤ کی افتتاحی تقریر جو انھوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ میں کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ ورسولہ الذی ارسلہ لیخرج الناس من الظلمات الی النور سیدنا محمد خاتم النبیین وامام المصلحین۔ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہم فی ہدیہم الی یوم الدین۔

خدائے پاک کے حضور میں حمد وشکر کے بعد میں اس مبارک مجلس ندوۃ العلما کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ

المباركة - جمعية ندوة العلماء
دعوتها اياي من مصر الى
الهند لحضور الاحتفال السنوي
العام الذي تقيمه في هذا العام
وان جعلت دعوتها هذه مبنية
على حسن ظنها بي ورجائها الفائدة
بحضوري ومشاركتي لاعضائها
العلماء الاعلام.

اشكر هذه الجمعية بالقول
كما شكرتها بالفعل بان اجبت
دعوتها ولبيت طلبها، في
وقت انا اشغل فيه ما كنت
منذ وجدت، فقد كنت
مشتغلا بتأسيس دار الدعوة
والارشاد والنظر في كل ما يحتاج
اليه التاسيس الحسي والمعنوي
من حاجات البناء والاثاث
والماعون وادوات التعليم
والكتب واختيار المعلمين
والمستخدمين وغير ذلك.
جاءتني الدعوة وانا على

اُس نے مجھ کو اپنے عام سالانہ جلسہ
کی شرکت کے لیے مصر سے ہندوستان
آنے کی دعوت دی اور اُس کی یہ دعوت
صرف میرے ساتھ حسن ظن کی بنا پر
تھی اور اس لیے تھی کہ میری شرکت
سے اور ندوۃ العلما کے علما و فضلا
کی ملاقات سے فوائد مترتب
ہوں گے۔

اب میں اس مجلس کا قولاً شکریہ
ادا کرتا ہوں جس طرح میں نے عملاً
اُس کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ایسے
زمانے میں جبکہ میں مدرسہ دارالدعوۃ
والارشاد کی بنیاد ڈالنے میں اور
اس کے لیے تیاری عمارت و سامان
وضروریات تعلیم و نصاب و انتخاب
معلمین وغیرہ میں مشغول تھا
اس مجلس کی دعوت کو لبیک کہا
اور بسر وچشم قبول کیا۔

اس دعوت کے پہونچتے وقت
میں نہ صرف انہیں جھگڑوں میں مبتلا
تھا بلکہ بعض واقعات اس سے بھی

ذلك، بل الامر اعظم من ذلك
فوافقت ما كانت تصبو اليه
نفسي ويحن اليه قلبي من زيارة
الديار الهندية واختبار حال
التربية والتعليم الاسلامي
فيها. ولكن تعارض المانع
والمقتضي بل كان هنالك موانع
عديدة كل واحد منها كان
كافيًا للترجيح فكيف بها وقد
اجتمعت.

مضت سنة الله في سجايا
البشر وطباعهم في العمل الذي
يندفعون اليه بمقتضى نظرتهم
ان يرجحوا المانع على المقتضي
اذا كان كل منهما نظريا مناطه
الرأي والفكر او وجدانيا مناطه
الشعور والهوى النفسي واما
اذا كان احدهما وجدانيا او
يمده الوجدان والاخر
ليس كذلك فان الترجيح يكون
في الغالب للوجداني، او ما يمده

زیادہ اہم درپیش تھے۔ لیکن یہ
دعوت میری خواہش کے مطابق
اور دلی اشتیاق کے موافق تھی کیونکہ
میں ایک مدت سے ہندوستان کا
آرزومند تھا اور دل چاہتا تھا کہ اس
ملک کی مذہبی اسلامی تعلیم و تربیت کا
معائنہ کروں لیکن درمیان میں موانع
پیش آتے گئے اور نہ صرف ایک
مانع بلکہ متعدد موانع جن میں سے
ہر ایک میرے ارادے کی تعویق کے
لیے کافی تھا۔

لیکن انسانی طبائع کے متعلق
خدا کا یہ قانون ہے کہ جس امر کی طرف
انسان اپنے اقتضاے فطرت کے
لحاظ سے مائل ہوتا ہے اور اس کے لیے
مانع یا باعث نظری ہوتا ہے جسکا منتہی غور و فکر ہے
یا وجدانی ہوتا ہے جسکا منتہی احساس و جذبات ہے
ہمیشہ مانع کو باعث و مقتضی پر ترجیح دیتا ہے اور
جب مانع و مقتضی میں سے ایک مبنی پر جذبات
و احساس ہوتا ہے اور دوسرا ایسا نہیں ہوتا تو ترجیح
اکثر وجدانی اور احساسی شے کو دیجاتی ہے۔

ويؤيده الشعور الوجداني
لهذا كانت تغالبني نفسي
على اجابة الدعوة وترك ادارة
مدرسة دار الدعوة والارشاد
بعد فتحها وما علي من الدروس
فيها وترك ادارة المنار واعماله
وامتعاد غارب الاغتراب النائي
عن التلاميذ والمريدين والاصحاب
وان لم اكن من الذين يرضون
لانفسهم ترجيح مقتضى الشعور
والميل على مقتضى المصلحة والراي
وان كان من الشعور والهوى
ما هو عين الحق والهدى بدليل
حديث "لا يؤمن احدكم حتى
يكون هواه تبعا لما جئت به"
فتحت مدرسة دار الدعوة والارشاد
وهي منتهى رجائي في خدمة
الاسلام وغاية سعيي في اصلاح
التربية والتعليم واقر الله عيني
برؤيتها والبدء بالقاء الدروس
فيها ثم رأيتني مدعوا الى

اس لیے میرا دل اس دعوت کے قبول
کرنے پر اور مدرسہ دار الدعوۃ والارشاد کے
انتظامات اور وہاں کی درس و تدریس اور
رسالہ **المنار** کے تمام انتظامات و ضروریات
کے چھوڑ دینے پر اور دوست و احباب
و معتقدین و تلامذہ سے تھوڑے دن
کے لیے دور ہونے پر مجبور کرتا تھا اور گو
میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو مصلحت و
عقل پر احساس کو ترجیح دیتے ہیں اور
اگرچہ بعض احساسات اور خواہشیں
ایسی ہوتی ہیں جو عین ہدایت و راستبازی
ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے "تم میں سے
کوئی اُس وقت تک با ایمان نہیں ہو سکتا
جب تک اُس کی خواہش اُس امر کے موافق
نہ ہو جس کو میں لایا ہوں"
وہ مدرسہ دار الدعوۃ والارشاد کھل گیا جو
اسلامی خدمت کے سلسلہ میں میری انتہائے امید
و غایت آرزو ہے اُس کو دیکھ کر اور وہاں کی
درس و تدریس کی ابتدا کر کے خدا نے
میری آنکھوں میں ٹھنڈک بخشی تھی مجھ کو
اس کی مفارقت کا پیغام ملا جبکہ

مفارقتها في اول العهد بوصالها والتمكن من التمتع بجمالها، فتجدد لي شعور ووجد ان لم يكن عندي في ايام السعي والنصب. وكنت كالعاشق الذي دعي الى ترك معشوقه بعد طول العناء في طلبه۔

هكذا كانت تتناز عني الآراء المتعارضة وتتجاذبني ارواح الشعور المتناوحة حتى عرضت ذلك على اخواني اعضاء ادارة جماعة الدعوة والارشاد بعد ان استشرت غيرهم من الاصدقاء ذوي الرشاد فاجتمعت كلمة الجماعة على ان اجيب الدعوة وان اكون فيها سفيرا عنهم ووافدا من قبلهم. احيي بلسانهم ندوة العلماء وجميع من القاه من مسلمي هذه الديار الفضلاء واعرض عليهم رأيي ورأى الجماعة فيما ينبغي

وصال کی ابتدا اور اُس کے جمال سے تمتع حاصل کرنے کا پہلا موقع تھا اسوقت مجھ میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جو اس کام کی کوشش کرتے وقت نہ تھا اور میری حالت اُس عاشق کے مثل تھی جو اپنے محبوب کی طلب میں سرگرداں تھا اور جب اس کی طلب پوری ہوئی تو مفارقت پر مجبور کیا گیا۔

یہ مختلف خیالات میرے دل دماغ میں گردش کرتے رہے تھے۔ آخر میں نے دوستوں کے مشورہ کے بعد اس معاملہ کو جماعت الدعوۃ والارشاد کے ارکان انتظامی کے سامنے پیش کیا ارکان نے بالاتفاق اس بات کو منظور کیا کہ میں آپ کی مجلس کی دعوت کو قبول کروں اور اُن کی طرف سے سفیر ہو کر میں یہاں آؤں اور اُن کی طرف سے ندوۃ العلماء کو اور اس ملک کے اُن تمام مسلمانوں کو جن سے ملنے کا مجکو موقع ملے سلام وتحیت ادا کروں اور اُن کے سامنے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور خدمت اسلام کے متعلق اپنے اور اپنی جماعت کے خیالات پیش کروں۔

لنا وما يجب علينا من خدمة
الاسلام وترقية شأن المسلمين
من طريق التربية والتعليم:

فانا ايها السادة الاخوان
اخاطبكم بالاصالة عن نفسي
وبالنيابة عن جماعة من اخوانكم
المسلمين في مصر الذين يشاركونكم
في مثل شعوركم الشريف وسعيكم
الحميد فكان اجماع الاخوان هو
المرجع الاخير الذي عليه التعويل
وها اناذا بين ايديكم
البيكم واحييكم:

ايها الاخوة الكرام

اذا كنت قد اضعت شيئاً
من وقتكم بذكر كلمات من خبر
رحلتي اليكم فان لي نية صالحة
فيه تتعلق بغرضين : احدهما
ان يكون شفيعا لي بين يدي
مذاكرتكم في امر التربية و
التعليم بالاصغاء الى ما
اقول فانه اذا لم يكن قول

اس لیے اے معزز بھائیو! میں تم کو
اپنی طرف سے اصالتاً اور تمہارے اُن
مصری مسلمان بھائیوں کی جماعت کی طرف
سے جو تمہارے شریف احساس
اور محمود کوشش میں تمہارے شریک
ہیں وکالتاً خطاب کرتا ہوں۔ ہاں
اب میں تمہارے سامنے ہوں لبیک
کہتا ہوں اور تحیت دیتا ہوں۔

برادران کرام! اگر میں نے تمہارا
کچھ وقت اپنے سفر کے حالات کے
تذکرہ میں ضائع کیا تو اس میں میری
نیت صالح تھی۔ اور وہ صرف دو
غرضوں سے متعلق ہے۔ اوّل یہ کہ مسئلہ
تربیت و تعلیم کے بحث و مذاکرہ میں
اس بات کا شفیع ہو کہ آپ میری
بات کی طرف کان ضرور دھریں
کیونکہ اگر یہ کسی محقق اور تجربہ کار کے
بیانات نہیں ہیں تو ایک مخلص حبیب
کی نصیحت ضرور ہے۔ اور جس کا یہ
حال ہو وہ اس بات کا مستحق
ہے کہ اگر وہ صحیح کہتا ہے تو قبول

الخبير المدقق فهو قول المحب
المخلص . ومن كان هذا
شأنه فهو جدير بان يتلقى
ما يصيب فيه بالقبول و
ما يخطئ فيه بالعفو والسماح
على انني مشتغل بهذه المسئلة
منذ خمس عشرة سنة بحثا
ومذاكرة ومناظرة وكتابة
وخطابة وتعليما . وان المقيم
في مصر ليسهل عليه ان يعرف
من احوال المسلمين في تربيتهم
وتعليمهم وسائر شؤنهم
ما لا يسهل على المقيم في قطر
آخر ولهذا قال بعض عقلاء
الافرنج ان مصر هي الدماغ
المفكر للعالم الاسلامي

والغرض الثاني من تلك
الكلمات ان ابين لكم انني
لست انا الذي اهتم وحدي
بزيارة بلادكم واختبار احوالكم
بل يشاركني في ذلك جمهور

کیا جائے اور اگر غلط کہتا ہے تو معاف
کیا جائے ۔ میں اس مسئلہ تربیت
وتعلیم میں پندرہ سال سے بحث
ومباحثہ مذاکرہ ومناظرہ تحریر و
تقریر اور تعلیم کے ذریعہ سے
مشغول ہوں ۔ اور ایک مصر کے
باشندہ کے لیے مسلمانوں کی تعلیم
وتربیت اور عام حالات کی اطلاع
دوسرے ملک کے باشندہ سے
زیادہ آسان ہے ۔ اسی لیے بعض
دانایانِ فرنگ کا قول ہے کہ "مصر جسم
اسلامی کا سوچنے والا دماغ ہے"

دوسری غرض حالات سفر کے
بیان سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ صرف
میں ہی تمہارے ملک کی زیارت
اور تمہارے حالات کے معائنہ کا
مشتاق نہیں ہوں بلکہ تمام مصری
اور غیر مصری بھائیوں کی غور وفکر
کرنے والی جماعت اس میں میری
شریک ہے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ نہ ہر مراد
پوری ہوتی ہے اور نہ ہر تمنا بر آتی ہے ۔

المتفکرین من اخواننا المصریین
وکذا غیر المصریین من فضلاء
المسلمین، وکل ما یحبه المرء
ویهتم به یدارکه وینالہ۔

ایها الاخوة الکرام

ان للاسلام علیکم وعلی
سائر مسلمی بلادکم من حق احیاء
علومه وآدابه واعماله
مثل ما له علی مسلمی مصر من ذلک
فانی علمت بالاختبار الطویل
انه لا یوجد بلاد اسلامیة
فیها من حریة التربیة والتعلیم
ویقظة الفکر وسعة الثروة مثل
ما فی الهند ومصر، ویجب علینا
شکر هذه النعمة باستعمالها و
الانتفاع بها

ان اخواننا مسلمی التتار
فی روسیة ایقاظ منتبهون
وعندهم نهضة فی التعلیم
تذکر فتشکر، ولکن حکومتهم
تضیق علیهم السبل، وتطارد

برادران کرام! تم پر اور تمہارے
ملک کے تمام مسلمانوں پر اُسی طرح
اسلام کا یہ حق ہے کہ اُس کے علوم اور
فنون اور کارناموں کو زندہ کرو جس طرح
مسلمانان مصر پر ہے۔ کیونکہ ایک مدت
کے تجربہ نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ
ہندوستان و مصر کے سوا کوئی ایسا
اسلامی ملک نہیں ہے جہاں تعلیم و
تربیت کی آزادی۔ خیالات کی بیداری
اور دولت کی کثرت ہندوستان و مصر کی
طرح ہو۔ اس بنا پر ہم کو خدا کی اس عنایت کا
اس سے فائدہ اُٹھا کر اور اسکو مصرف میں
لا کر عملاً شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ہمارے روسی مسلمان تاتاری بھائی
بھی بیدار اور ہوشیار ہیں اور اُن کے یہاں
بھی قابل ذکر اور قابل شکر تعلیمی ترقی ہے۔
لیکن اُن کی گورنمنٹ اُن کی ترقی کا رستہ
نہایت تنگ کرتی رہتی ہے۔ اور اُن کے
اساتذہ اور معلمین کو جلاوطن کرتی رہتی
ہے۔ اُن کو اشاعت تعلیم کے
جرم میں کبھی جلاوطن کرتی ہے

الاساتذة المعلمين منهم و
تعاقبهم على جريمة التعليم
بالنفي تارة وبالسجن تارة
اخرى: كان الشيخ العالم
الجليل الصالح عالمجان منذ
ثلاث سنين عندنا في مصر
منفيا من وطنه . مبعدا عن
بلده، لانه يعلم المسلمين و
ينبه افكارهم في مدرسة
الشهيرة في مدينة قزان وقد
نفي اخوه ومساعده في التعليم
معه ايضا.

وان الاخوين النجيبين
عبد الله بوبي وعبيد الله بوبي
قد انشآ مدرسة في قرية
بوبي واجتهدا في امرهما
استطاعا فالقت عليهما الحكومة
الروسية القبض في شتاء
العام الماضي والقتهما في غياهب
السجن بقصد محاكمتهما في
محكمة الجنايات بقزان و

اور کبھی قید کرتی ہے۔ مشہور تاتاری
عالم عالم جان۔ تین برس سے اپنے
وطن سے نکال دیا گیا تھا اور مصر میں
مقیم تھا کیونکہ وہ اپنی مشہور درسگاہ
واقع شہر قزان میں مسلمانوں کی تعلیم
وترقی میں مشغول تھا۔ عالم جان کے
ساتھ اس کا بھائی جو اس کوشش
میں اُس کا برابر کا شریک تھا جلاوطن
کیا گیا۔

عبداللہ بوبی اور عبیداللہ بوبی
دو شریف النسب بھائیوں نے روس
کے ایک قریہ بوبی میں ایک مدرسہ
قائم کیا اس مدرسہ کی ترقی وانتظام
میں ان دونوں بھائیوں نے حتی الوسع
بہت کوشش کی اُس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ گورنمنٹ نے گزشتہ سال کے
موسم سرما میں ان دونوں کو گرفتار
کرلیا اور قید کرلیا اور ظاہر ہوگیا کہ
قزان کی عدالت فوجداری
میں ان کا فیصلہ ہوگا۔

سال پورا گذر گیا۔ اور وہ اب تک

قد مضى العام بطوله ولم يطلبا
للمحاكمة ولكن رأينا في احدى
الجرائد الاسلامية الروسية
انه ينتظر ان يحاكما في هذا
الربيع والله اعلم، وقد نشرت
جريدة نوفي فريميا الروسية
التي تصدر في بطرسبرج
مقالات حثت فيها الحكومة
على منع التتار من السعي
لتعليم مسلمي تركستان و
نبهتها الى خطر سياحتهم
فيها لئلا ينبهوا الترك الغافلين
هذه اشارة الى حال
اقرب المسلمين الذين تحت
سلطة دولة اوروبية اليكم،
وان حال مسلمي المغرب لشر
من حالهم فان مسلمي التتار
مجدون في امر التربية والتعليم
على مراقبة حكومتهم لهم و
ضغطها عليهم، وهم دائما
يرسلون الوفود الى مصر و

فیصلہ کے لیے طلب نہ کیے گئے ایک
روسی اسلامی اخبار میں اب میں نے
پڑھا تھا کہ اس موسم بہار میں امید ہی کہ
اُن کا فیصلہ ہو جائے۔ روسی اخبار
نووی دریمیائے جو پیٹرسبرگ سے شائع
ہوتا ہے چند مضامین نکلے جن میں
گورنمنٹ کو آمادہ کیا گیا تھا کہ تاتاری مسلمانوں
کو ترکستان میں اشاعت تعلیم سے باز
رکھا جائے اور اُس نے بتایا تھا کہ ان
تاتاریوں کی ترکستان میں آمدورفت سے خطرہ
پیدا ہونے کا اندیشہ ہی۔ کیونکہ ان کے اختلاط
سے ترکی مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو گی۔
یہ اُن مسلمانوں کے مختصر حالات کا اشارہ ہے
جو تم سے نہایت قریب ایک یورپین
طاقت کے ماتحت ہیں۔ ٹیونس اور الجیریا
کے مسلمانوں کی حالت اس سے بھی زیادہ
خراب ہی۔ کیونکہ تاتاری ان مشکلات کے
باوجود بھی تعلیم و تربیت میں کوشاں ہیں۔ اور
وہ ہمیشہ طلبا کی جماعت بغرض تحصیل
علم عربی مصر شام اور حجاز میں
بھیجتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ واپس وطن

سورية والحجاز ليتعلموا ويتقنوا
اللغة العربية ليكونوا معلمين
اذا رجعوا الى بلادهم، ومنهم
من يذهبون الى الاستانة
لاجل تعلم الفنون العصرية، و
المراقبة على هؤلاء شديدة
اما مسلمو تونس والجزائر
فلا يستطيعون ان يعملوا مثل
عملهم، فان مراقبة فرنسة
لهم اشد، واحاطتها بهم اقوى
واعم، وقد اعترف بعض
المنصفين من الفرنسيين بهذا
الضغط، وصرح بعضهم بانهم
يعتقدون انهم سينسخون
الاسلام واللغة العربية من الغرب
ولكن اناسا آخرين يرون ان
حسن معاملة المسلمين انفع لهم
ويسعون في اقناع حكومتهم
بذلك ولما ينجحوا في سعيهم
ولا احب ان ازيدكم مما اعلم
في ذلك۔

کے بعد معلم اور اُستاد کا کام دے سکیں۔
بعض تاتاری طلبہ علوم جدیدہ کی تحصیل
کے لیے قسطنطنیہ کا سفر کرتے ہیں گو روسی
گورنمنٹ کی طرف سے ان طلبہ کی بڑی
دیکھ بھال ہوتی رہتی ہے۔ لیکن ٹیونس اور
الجزایا کے مسلمان ان تاتاری مسلمانوں کی
طرح جرأت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ فرنچ
گورنمنٹ اُن کی نگرانی نہایت سخت کرتی
ہے۔ بعض منصف مزاج فرانسیسیوں نے
اپنی اس سخت گیری کو تسلیم کیا ہے اور اُنھوں
نے صاف بیان کیا ہے کہ اُنکا مقصد اس سے
ارض مغرب سے اسلام اور اس کی عربی زبان کو
محو کرنا ہے۔ لیکن بعض دوسرے فرانسیسیوں کی رائے
ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا آیندہ حالت کے
لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور اس بات کے لیے
کوشاں ہیں کہ وہ اپنی گورنمنٹ کو یہ اچھی طرح
سمجھا دیں گو اُن کو ابتک اپنی اس کوشش
میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا
کہ اس قسم کے جن کثیر واقعات سے مجکو
اطلاع ہے اُن کو اس سے زیادہ آپ کے
سامنے بیان کروں۔

واما مسلموجاوة والملايو
فحالهم اسوء من جميع احوال
المسلمين وقد احاطتهم هو
لنداه بسور من الجهل لا يتسلقه
احد. وان شئتم ان تعرفوا شيئًا
مفصلا عنهم فانني آتيكم برسالة
مطبوعة باللغة الانكليزية في
ذلك فترجموها وانشروها
في جرائدكم واعتبروا بها.
واشكروا نعمة الله عليكم
وجدوا واجتهدوا في تعميم
التربية والتعليم بينكم۔

ايها الاخوة الكرام۔

ان الحكومة الانكليزية
اوسع الحكومات الاستعمارية
حرية ويمكن لمن يكونون
في ظل حكمها ان يرقوا انفسهم
اذا سلكوا في ذلك طريق العقل
والحكمة ولا يمكن ذلك لكل من
كان في ظل غيرها من الحكومات
الاستعمارية، ورب ظل ذي

جاوہ اور ملایا کے مسلمانوں کی حالت تمام
دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ ردّی ہے ہولینڈ
نے اُن کے چاروں طرف جہالت کی ایسی
دیوار قائم کردی ہے جس پر کوئی چڑھ نہیں سکتا
اگر آپ لوگ یہاں کے مسلمانوں کے
تفصیلی حالات جاننا چاہتے ہیں تو آپ کو
ایک انگریزی مطبوعہ رسالہ کا حوالہ دیسکتا
ہوں آپ اس کا ترجمہ کرکے اپنے اخبارات
میں شایع کریں اور اس سے عبرت
حاصل کریں اور خدا نے آپ لوگوں پر جو اپنا
فضل نازل فرمایا ہے اُس پر شکر کریں اور
تعلیم و تربیت کی اشاعت میں کوشش کریں

برادرانِ کرام!

برٹش گورنمنٹ اُن تمام گورنمنٹوں میں بحیثیت
آزادی کے سب سے بہتر ہے جو غیر ممالک قابض
ہیں جو لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ
رہتے ہیں اُن کو اپنی ترقی کا پورا موقع
ہے بشرطیکہ وہ عقل و دانائی کی راہ
اختیار کریں یہ موقع دوسری گورنمنٹوں
میں بالکل میسّر نہیں۔ اور مقتضائے
عقل و مصلحت یہ ہے کہ تمدنی

ثلاث شعب، لا ظليل ولا يغني
من اللهب، ومن العقل والحكمة
ان يتعد المشتغلون بالاصلاح
العلمي والتهذيبي عن السياسة
سرا وجهرا. فان السياسة
ما دخلت في عمل الا وافسدته
كما قال الاستاذ الامام

لو كان الذين تضطهدهم
بعض الدول وتعاقبهم على التعليم
يمزجون عملهم بالسياسة
لكنت اول من يعذرها. فانا
علمنا من قواعد علم الاجتماع
المستنبطة من التاريخ ان الدول
لا تغفر ان تعارض او تنازع
في ملكها وسلطانها وقد تغفر
ما دون ذلك من الذنوب اذا
وقع ممن يخلصون لسلطانها و
تأمنهم عليه فذلك في دين السياسة
كالشرك في الاسلام قال تعالى -
"إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ
وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ"

وتعلیمی مصلحین سراً وعلانیۃً ہر طرح پالٹیکس سے
بالکل الگ رہیں، کیونکہ پالٹیکس کا یہ حال ہے
کہ جس کام میں اسکی ذرا بھی آمیزش ہوجاتی ہے
وہ سارا کام غارت جاتا ہے، حضرت الاستاذ
مفتی محمد عبدہ کا یہی مقولہ تھا۔

اگر یورپ کی بعض مذکورۃ الصدر سلطنتیں اس
بنا پر مصلحین تعلیم کو سزا دیتیں یا اُن کے ساتھ
سختی سے پیش آتیں کہ وہ اپنے کام میں پالٹیکس
کی آمیزش کرتے ہیں تو میں سب سے اوّل وہ
شخص ہوتا جو اُن سلطنتوں کو اپنے اس فعل
میں معذور سمجھتا۔ کیونکہ قواعد علم معاشرت نے
جس کا منتہیٰ علم تاریخ ہے ہم کو بتایا ہے کہ سلطنتیں
کبھی اس جرم کو کہ اُن کی حکومت کی مخالفت
کی جائے یا اُس کے سلب کی کوشش کیجائے
معاف نہیں کرتیں اس جرم کے سوا اور تمام جرائم
ممکن ہے کہ وہ معاف کر بھی دیں اگر وہ اُن اشخاص سے
صادر ہوئے ہیں جنکے اخلاص و اطاعت پر حکومت
کو اعتبار ہے اس کی مثال پالٹیکس کی شریعت میں وہی
ہی ہے جو شریعت اسلام میں شرک کی۔ خدائے پاک قرآن مجید میں فرماتا ہے
"خدا اُس گناہ کو نہیں معاف کرتا کہ اُسکے ساتھ شرک
کیا جائے اُسکے سوا اور گناہ جسکو چاہے معاف کردیتا ہے"

لقد عهد من بعض الدول
المرتقية العدل والرحمة في القضاء
والادارة ولا توجد دولة في
الارض تعتصم بالرحمة او العدل
في السياسة . واعني من السياسة
حفظ الملك والسيادة . وما يتعلق
بالتعدي على السلطة . ولكن
الدولة العاقلة تزن الشدة
في ذلك والقسوة بميزان العقل
والحكمة . والسياسة قد يكون
لها عقل ولكن لا يكون لها قلب

كانت دول الاسلام في العصر
الاول اعدل وارحم ما عرف
التاريخ من الدول حتى في اثناء
الفتوحات والحكومة العسكرية
التي كانت ولا تزال تظهر القسوة
الشديدة وقد اعترف بذلك
المنصفون من مؤرخي الافرنج
وعلماء التاريخ فيهم . قال
غوستاف لوبون الفيلسوف
المؤرخ الفرنسي "ما عرف التاريخ

بعض ترقی یافتہ سلطنتوں سے فیصلہ اور
انتظام ملکی میں عدل وشفقت مشاہدہ ہوا ہے
لیکن کسی ایسی حکومت کا نشان نہیں دیا جا سکتا
جس نے سیاست میں عدل وشفقت سے
کام لیا ہو اور سیاست سے میری مراد حکومت
وسلطنت کی حفاظت اور سلطنت پر دست درازی
ہے. لیکن دانا گورنمنٹ اس بارہ میں بھی اپنی
سختی اور سنگدلی کو عقل ومصلحت کی ترازو
میں تول لیا کرتی ہے پالٹیکس کے جسم میں ممکن
ہے کہ دماغ عقل ہو لیکن کبھی اُس میں دل
نہیں ہوتا۔

گذشتہ حکومتہائے اسلامیہ تاریخ نے جن
سلطنتوں کا حال ہمیں بتایا ہے اُن سے سب سے
زیادہ رحمدل اور عادل تھیں حتیٰ کہ اثنائے
فتوحات اور فوجی قبضہ کی حالت میں بھی،
حالانکہ یہ مواقع وہ ہیں جو ہمیشہ سختی اور سنگدلی
کا مظہر رہی ہیں۔ اور منصف مزاج مورخین
کو تو حکومتہائے اسلامیہ کے متعلق یہ خود اعتراف
ہے فرنچ فلسفی مورخ گستاولی بان لکھتا ہے
"تاریخ کو عربوں سے زیادہ عادل اور رحیم
فاتح کا حال نہیں معلوم ہے"

فانها اعدل ولا ارحم من العرب
فاذا كانت حكومة الخلفاء
الراشدين لايقاس عليها
لانها خلافة نبوة فهاتان
الدولتان الاموية والعباسية
كانتا اعدل دول الارض في
القديم والحديث في القضاء
واوسعهن رحمة وجوداً وفضلا
على الرعية في الجملة ولكنهما
استعملتا الشدة والقسوة في
التنكيل بمن نازعهما السلطة
حتى انهم كانوا يذبحون آل
الرسول عليه الصلاة والسلام
ويقتلونهم اينما ثقفوا : من ظنوا
او توهموا انه يسعى منهم الى
الملك او يسعى له فيه ، بل شهد
التاريخ وروى لنا ان الاب
كان يقتل ابنه والابن يقتل
اباه لاجل الملك

ايها الاخوة الفضلاء
اذا كانت حكومتكم تسمح لكم

لیکن اگر خلافت راشدہ سے کسی امر کا
قیاس نہیں کیا جا سکتا ہی کیونکہ وہ خلافت نبوت
تھی تو اموی اور عباسی خلافتوں کا حال تو
معلوم ہی کہ یہ رعایا پر رحم و احسان اور عدل و
انصاف کرنے میں دنیا کی تمام گذشتہ و موجودہ
سلطنتوں سے بہتر تھیں لیکن یہ دونوں بھی
مخالفین و باغیان حکومت کے مقابلہ میں
سنگدلی و سختی سے باز نہ آئیں حد یہ ہے کہ
انہیں آل رسول صلعم کی بھی اُنھوں نے پرواہ
نہ کی، اُن کو ذبح کیا اُن میں سے جن کے متعلق
یہ سُنا کہ وہ طالب سلطنت ہی یا اُس کی
سلطنت کے لیے کوششیں کی جاتی ہیں
اُن کو جہاں پایا قتل کیا۔ بلکہ تاریخ نے ایسی
مثالیں بھی پیش کی ہیں کہ حکومت کی
محبت میں باپ نے بیٹے کے خون سے
اور بیٹے نے باپ کے خون سے ہاتھ
رنگین کیا ہی۔

برادران عزیز!

جب آپ کو اپنی گورنمنٹ کی طرف سے
یہ اجازت حاصل ہے کہ اپنے بچوں کی
اپنے عقائد مذہبی و اخلاق عادت

ان تربوا اولادكم على عقائد
دينكم وآدابه وفضائله و
عباداته وان تعلموهم ما
ينفعهم في دنيهم ودنياهم
كما تشاؤن لا تشترط على
جمعياتكم العلمية والدينية
ولا على نظام مدارسكم الاحترام
سلطتها، وعدم معارضتها
في سياستها، فقد اعذرت اليكم
واذا قصرتم ولم تبذلوا كل
طاقتكم في تعميم التربية والتعليم
فانما اثمكم على انفسكم، ولا
لوم لكم الا عليها. فكيف اذا
كانت حكومتكم هي التي تحثكم
حتى على التعليم الاهلي، و
تنشطكم حتى على التعليم الديني
وقد فاجأني العجب واخذ من
نفسي كل ماخذ عند ما علمت
ان الحكومة الانكليزية ترغب
مسلمي الهند في تعلم اللغة
العربية وتساعدهم على تعلمها

مذہبی پر تربیت کریں اور اُن کو دینی و
دنیوی امور میں مفید تعلیم جیسی آپ
چاہیں دیں اور جب وہ بجز اس بات
کے کہ اُس کی گورنمنٹ کا احترام کیا جائے
اور کوئی شرط آپ کی مجالس قومی و
مدارس دینی و دنیوی سے تسلیم کرانی
نہیں چاہتی تو اس حالت میں اگر آپ
خود کچھ نہ کریں تو وہ معذور ہے
اور اگر آپ خود اپنی پوری طاقت
اشاعت تعلیم میں صرف نہ کریں تو
درحقیقت خود آپ کا ذاتی قصور
ہوگا اور پھر ایسی حالت میں
جب آپ کی گورنمنٹ خود آپ کو
وطنی و مذہبی تعلیم پر آمادہ کرتی ہے
مجکو یہ معلوم کرکے یک بیک نہایت
سخت تعجب ہوا کہ انگلش گورنمنٹ
خود مسلمانان ہند کو عربی زبان کی
تحصیل کی ترغیب دلاتی ہے اور
اس کے لیے اعانت کرتی ہے۔
اور بعض وطنی مدارس کو معتد بہ
مالی امداد دیتی ہے۔

وانها خصصت مبالغ من المال
لاجل تعليمها في بعض مدارسها
ومبالغ لاعانة المدارس الاهلية
على تعليمها، كمدرسة العلوم
الاسلامية في عليكره وغيرها،
كما اعطت المسلمين آراضي غالية
الاثمان في عدة مدن لبناء
مدارسهم الاهلية فيها وهذه
ندوة العلماء جمعية دينية محضة
ومن مقاصدها نشر الاسلام
وقد اعطتها الحكومة ارضا غالية
الثمن لبناء مدرستها فيها و
خصصت لها مبلغ ستة آلاف
روبية اعانة سنوية

لا اطيل في تفصيل ما سمعته
منكم اي من اهل بلادكم من اخبار
هذه المساعدات فانكم اعرف
بها مني وانما اشير اليه لاذكركم
بان الحجة عليكم تكون انهض
اذا انتم قصرتم في التعليم
وان الحكومات لا تنهض بالامم

مثلاً مدرسۃ العلوم علی گڈھ وغیرہ
نیز مسلمانوں کو بغرض تعمیر مدارس مختلف
شہروں میں گراں قیمت زمینیں عطا کی ہیں
خود یہ ندوۃ العلماء کہ ایک خالص مذہبی
انجمن ہے جس کا ایک مقصد اشاعت
اسلام ہے۔ آپ کی گورنمنٹ نے
اُس کو ایک نہایت بیش قیمت زمین
عطا کی اور چھ ہزار سال کی امداد اُس کے
لیے منظور کی۔

میں اس موقع پر اُن واقعات کی
تفصیل زیادہ نہیں کرونگا جن کو میں نے
آپ سے یعنی آپ کے اہل وطن سے
سُنا ہے کیونکہ آپ کو مجھ سے زیادہ باتیں
معلوم ہیں۔ لیکن اس سے میں صرف اس
امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو
بتاؤں کہ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ
زیادہ مستوجب الزام ٹھہرینگے اگر اشاعت تعلیم میں
آپنے کوتاہی کی۔ اقوام کا یہ حال ہے کہ
جب تک وہ خود اپنی ترقی کے لیے آپ
کوشاں نہ ہونگے گورنمنٹیں اُن کو اپنی کوشش
سے زبردستی ترقی نہیں دیسکتیں۔

اذا لم تنهض الامر بانفسها ،
فعليكم ان تعتمدوا بعد الاستعانة
بحول الله وقوته على جدكم و
اجتهادكم وسعيكم (وَاَنْ لَّيْسَ
لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی) وقد اعجبنی
جواب قاله لورد كرومر لبعض وجهاء
المصريين اذ قال له ذلك الوجيه
انك ايها اللورد قد اصلحت
المالية المصرية وجعلت خدمتك
فی مصر خالصة للحكومة ولم تعمل
للمسلمين شيئاً يرقيهم ، فقال
له اللورد " ان الذي لا يرقی نفسه
لا يرقيه غيره ، فيجب ان تعملوا
لانفسكم واذا عملتم وطلبتم
مني المساعدة فانی اساعدكم "

حاجتنا الى اصلاح التربية والتعليم

ان حاجتنا معشر المسلمين
الى اصلاح التربية والتعليم قد
صار من البديهيات التی

اسلیے خدا کے بعد آپ کو خود اپنی کوشش و
سعی اور جد وجہد پر بھروسہ کرنا چاہیے خدا
فرماتا ہے "انسان کے لیے کوئی چیز نہیں ہے
لیکن جو کچھ وہ کوشش کرے۔

مجکو لارڈ کرومر کا وہ جواب بہت پسند آیا
جو اُنھوں نے مصر کے اُس ذی عزت رئیس کو
دیا تھا جس نے لارڈ موصوف سے بطریق
شکایت کہا کہ "اے لارڈ! آپنے مصر کی
مالی حالت کو بہت کچھ سنبھال دیا لیکن
اپنے سب خدمات آپنے خاص گورنمنٹ
کے لیے صرف کیے اور مسلمانوں کے لیے کچھ
نہیں کیا کہ وہ ترقی کرتے" لارڈ موصوف نے
جواب دیا کہ "جو آپ کو خود کچھ ترقی نہیں دیتا اُس کو
دوسرا ترقی نہیں دیسکتا اسلیے تم خود اپنی ذات کے
کام کرو اور جب کام کرو اور مجھ سے اعانت چاہو
تو میں مدد دونگا"

مسلمانوں کو اصلاح تعلیم وتربیت کی ضرورت

ہم مسلمانوں کو تعلیم وتربیت کی اصلاح کی
جو ضرورت ہے وہ بدیہی ہے جس میں

لا يماري فيها الا الراسخون
في الغباوة او المسرفون في
المكابرة ، وقد اعترف به
كبار علماء الازهر وهم اشهر
علماء الاسلام و علماء الاستانة
ونفوذهم في المملكة العثمانية
لا يعلوه نفوذ ، وقد عقدت
في هذين السنتين لجان من
الفريقين ومن رجال الحكومة
للنظر في ذلك و وضعوا للاصلاح
قوانين وبرامج جديدة ،
واختاروا له كتبا لم تكن تقرأ
فقرروها ورغبوا عن كتب
كانت تقرأ فتركوها ، ورأوا
الحاجة شديدة الى علوم و
فنون جديدة فزادوها وكذلك
فعلتم انتم ايضا في ندوة العلماء
ومكانكم من علماء المسلمين
مكانكم ، وفضلكم فيهم فضلكم
وكذلك علماء تونس قد بحثوا
في هذا الامر منذ سنين و

بیوقوفوں کے سوا کسی کو شک نہیں ہو سکتا.
ازہر کے بڑے بڑے علمانے جو مشاہیر
علماے اسلام ہیں اور نیز علماے قسطنطنیہ
نے جنکے اقتدار و اثر سے بڑھ کر مملکت
عثمانیہ میں کوئی اقتدار اور اثر نہیں ہے
اس بات کو تسلیم کر لیا ہی انہیں سالوں میں
علماے ازہر و قسطنطنیہ اور عہدہ داران
حکومت کی متعدد مجلسیں اس غرض سے
منعقد ہوئیں جن میں اصلاح تعلیم کے لیے
بہت سے قوانین وضع ہوئے تعلیم کے لیے
نئے پروگرام وضع کیئے گئے۔ جدید
نصاب مقرر کیے گئے جو کتابیں پہلے درس
میں داخل نہ تھیں وہ داخل کی گئیں جو داخل
تھیں وہ الگ کی گئیں۔ جدید علوم و فنون
کی ضرورت سمجھی گئی اور اُن کا اضافہ ہوا
خود ندوۃ العلماء میں بھی آپ لوگوں نے
یہی کیا ہی۔ اور آپ لوگوں کو علماے اسلام
میں جو مرتبہ اور عزت حاصل ہے وہ محتاج
بیان نہیں۔ علماے ٹیونس بھی چند
سال سے اس مسئلہ میں کوشاں تھے
اور آخر اُنھوں نے بھی نظام تعلیم میں

احدثوا عدة تغييرات في نظام
التعليم، وبقي هنا وهنالك وفي
كل مكان من يرون ان ما جروا
عليه واعتادوه هو غاية الكمال
التي لا تقبل الزيادة بحال من
الاحوال، ولكن ارقى الباحثين
والمصلحين للنظام الماضي في
تلك الاقطار يرون ان ما وضع
لاصلاح التعليم في الازهر و
الاستانة ليس هو غاية الكمال
المطلوب، وانما ضرب من التدريج
في الاصلاح۔

ليس هذا ابدع في احوال
البشر فقد عرف من سنة
الله تعالى فيهم انهم لا يكادون
يتفقون على شيء وان الجمهور
الاعظم منهم لا يتفقون على
تغيير ما في احوالهم الاجتماعية
الا في الزمن الطويل، وان التغيير
الفجائي السريع لا يخلو من خطر
او ضرر، فليتمسك بها من شاء

متعدد تغیرات کیے لیکن باوجود اسکے
یہاں اور وہاں اور ہر جگہ بعض اشخاص
ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ اور یقینی طور سے
اپنی پہلی راہ کو جس پر وہ اب تک چل
رہے تھے اور اپنی پہلی حالت کو جس کے
وہ خوگر ہوگئے تھے حقیقی مکمل چیز سمجھتے
ہیں۔ جس میں کسی کمی و بیشی کی گنجائش نہیں
اعلیٰ اصلاح طلب جماعت اس موجودہ
تعلیمی اصلاح کو جو ازہر اور قسطنطنیہ میں
میں ہوئی ہے حقیقی صلاح نہیں سمجھتی بلکہ ایک
تدریجی ترقی سمجھتے ہیں' جس میں ابھی تکمیل کی
ضرورت ہے۔

مخالفین صلاح تعلیم کا وجود حالات انسانی کے
لحاظ سے کوئی نئی چیز نہیں ہے کیونکہ خدا کی عادت
یہ جاری ہے کہ تمام انسان کسی ایک بات پر اتفاق
عام نہیں کر سکتے۔ جمعیت انسانی کا جزء اعظم
اپنی معاشرتی حالات میں ایک مدت مدید کے
بعد تغیر کی ضرورت سمجھا کرتا ہے، ناگہانی اور عاجلانہ
اصلاح نقصان اور خطرہ سے خالی نہیں۔ اس
بنا پر اس قدامت پرست گروہ کا وجود اپنے قدیم
نظام اور سسٹم کا عادی ہے صلاح طلب جماعت کے لیے

بالنظام المالوف فلا يضر طلاب
الاصلاح شيئًا اذا كانوا أخذوه
بقوة، ويدعون اليه على
بصيرة، وكان ذلك ناشئًا
عن حياة جديدة نفخ روحها
في الامة، فان العاقبة لهم
" فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً
وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ
فِي الْاَرْضِ"

ليس موقفنا هذا موقف
مناظرة، ولا مقامنا مقام الادلاء
بالحجة، وانما هو موقف تذكير
للناسي، وحفز لهمة الآسي،
وحسبنا من الذكرى فيه قول
الله عز وجل " اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ
مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ"
وانما نحن المسلمين نعرف من
تاريخنا ومن آثار سلفنا اننا كنا
نحن الائمة الوارثين، والسادة
المتبوعين، والحكام العادلين،
والعلماء العاملين، والصلحاء

کچھ مضر نہیں۔ بشرطیکہ اُنھوں نے اصلاح کو مضبوط
پکڑ لیا ہو اور غور و فکر کے بعد وہ اس اصلاح کی لوگوں
کو دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ اصلاح اس جدید زندگی کا
اثر ہو جسکی روح تمام قوم میں پھونکی گئی ہو اسلیے کہ انجام
کار اسی اصلاح طلب جماعت کو فتح حاصل ہو گی۔
خدا فرماتا ہے "(بارش کے پانی میں) کف (جو غیر مفید ہے)
بیکار جاتا ہے اور جو انسان کے لیے نافع و مفید (نکلا)
وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے"

میں یہاں مناظرہ اور اظہار دلائل کے لیے نہیں
کھڑا ہوا ہوں، بلکہ بھولنے والوں کو یاد دلانے کے لیے
اور غمزدوں کی ہمت اُبھارنے کے لیے کھڑا ہوا ہوں
اسلیے مجکو اسوقت نصیحت حاصل کرنے کے لیے
خدائے پاک کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "خدا کسی قوم کی
حالت کو اُسوقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم
خود اپنی حالت نہیں بدلتی"

ہم مسلمانان کو ہماری تاریخ اور ہمارے اسلاف کے
آثار اور کارنامے بتاتے ہیں کہ ہم ہی پہلے
دنیا میں پیشوا اور مقتدیٰ تھے، ہم ہی دنیا
افسر اور سردار تھے، ہم ہی دنیا میں
حاکم عادل تھے، ہم ہی دنیا میں
عالم باعمل تھے، ہم ہی دنیا میں نیک کرداران

المخلصين، والاغنياء المنفقين
والصناع الماهرين، والزراع
المتمرين، والتجار البارعين،
بل كنا فوق جميع الامم،
في كل علم وعمل، حتى كان
العدد القليل لا يطؤن ارض
قوم الا ويجذبونهم بازمة
قلوبهم وعقولهم الى اتباعهم
في دينهم ولغتهم وآدابهم،
فهل نحن اليوم كذلك، السنا قد
تدلينا بل هبطنا من سماء
تلك العزة والرفعة والسلطة
وصرنا وراء جميع الامم، بعد
ان كنا ائمة جميع الامم،
الا نتفكر في ماضينا وحاضرنا،
ونعتبر بسبق كل احد حتى
الوثنيين لنا، اولئك الذين
كانوا قبل اشراق نور
الاسلام على هذه الديار
شرا مما ترون عليه عامتهم
حتى الآن عراة الابدان،

با اخلاص تھے ہم ہی دنیا میں سخی دولتمند تھے
ہم ہی ملک کے آباد کرنیوالے کاشتکار تھے،
ہم ہی دنیا میں ماہر کاریگر تھے، ہم ہی دنیا میں باکمال
تاجر تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم ہی ہر چیز میں
تمام اقوام عالم سے آگے تھے یہاں تک کہ ہماری
ایک قلیل جماعت کا بھی گذر اگر کسی قطعۂ ملک میں
ہو جاتا تھا تو یہ جماعت اُن کے دلوں اور عقلوں کو
اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ اور اس ملک کو اس
قلیل التعداد جماعت کی مذہبی اور اخلاقی پیروی کرنی
پڑتی تھی اور حتیٰ کہ اس کی زبان بھی بولنی پڑتی تھی
لیکن اب کیا ہماری یہ حالت باقی ہے۔ کیا ہم آسمان
عزت و ترقی کے نیچے نہیں لٹک آئے ہیں؟
بلکہ نیچے نہیں گر گئے ہیں؟ اور تمام قوموں سے
پیچھے نہیں ہو گئے ہیں؟ حالانکہ ہم ہی تمام قوموں
کے پیشرو تھے، کیا اسوقت ہم کو اپنی گذشتہ اور
موجودہ حالت پر غور نہیں کرنا چاہیے اور دوسرے
اقوام کی ترقی سے بلکہ ان بت پرست ہندوؤں کی
ترقی سے عبرت نہیں حاصل کرنی چاہیے۔ یہ بت پرست
جو آفتاب اسلام کے اس ملک میں طلوع ہونے سے پہلے
اس حالت سے بھی بدتر حالت میں تھے جس بدتر حالت میں اب تک
اس قوم کے عام افراد کو دیکھتے ہیں کہ برہنہ بدن پھرتے ہیں

يعبدون الجماد والحيوان، و
الانهار والنيران، ويأكلون
على ورق الاشجار، فهل غير الله
ما بنا الا بعد ان غيرنا ما
بانفسنا، كلا انها سنته
فى خلقه "ولن تجد لسنة
الله تبديلا"

نعم ان الله لم يغير ما بنا
من نعمة ورفاهة وعزة و
سيادة الا بعد ان غيرنا ما
بانفسنا من استقلال الرأي،
وصحة الحكم، وحقائق العلم،
ومكارم الاخلاق، وعقائل
الصفات، والاعتصام بحبل
الله والتآخي فى الايمان و
عمل الصالحات والتواصي
بالحق والتواصي بالصبر، والامر
بالمعروف والنهي عن المنكر
وترجيح المصالح العامة على
الاهواء الخاصة وغير ذلك
مما عده القرآن المجيد من

جو جمادات کو، حیوانات کو، دریا کو، آگ کو
پوجتے ہیں درخت کے پتے تک کھاتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ خدا نے ہماری حالت کو
نہیں بدلا جب تک ہم نے خود اپنی حالت
نہ بدلی اور تمام کائنات میں خدا کا یہی قانون
ہے" اور خدا کے قانون میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے"
ہاں بیشک خدا نے ہماری دولت، ثروت،
عزت اور حکومت کی حالت اُسی وقت
بدلی جب ہم نے اپنے استقلال رائے
صحت فیصلہ، حقیقت علم، مکارم اخلاق
محاسن اوصاف کو بدل ڈالا، خدا کی رسی
کو چھوڑ دیا۔ ایمان اور عمل صالح کی رشتہ داری
قطع کر دی۔ راستی اور صبر کی باہمی نصیحت
ترک کر دی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا
فرض چھوڑ دیا۔ ذاتی اغراض کو منافع عام پر ترجیح
دیدی اسکے سوا اُن تمام محاسن سے
ہم نے روگردانی اختیار کی جن کو خدا نے
مسلمانوں کے اوصاف بتائے ہیں
اور جن کے بارے میں خدا کہتا ہے
"تم سب سے بہتر قوم ہو جو لوگوں کے
لیے پیدا کی گئی ہے اچھی باتوں کا حکم

صفات المؤمنين، وقال فيهم
"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ
بِاللّٰهِ"، كذلك لا يغير ما بنا
الآن من الضعف والفقر وسوء
الحال والهوان على الناس والتحاسد
والتباغض والتعادي والتفرق
وغير ذلك مما نشكو منه، و
لا نقلع عن أسبابه، حتى نغير
ما بأنفسنا، ونعود إلى الهداية
التي كان عليها سلفنا ورحم الله
الإمام مالك حيث قال۔
"لا يصلح آخر هذه الأمة
إلا بما صلح به أولها"، وإنما
يكون تغيير ما بالأنفس بالتربية
والتعليم، فإن المراد من التغيير
ما يترتب عليه تغيير العمل وإنما
الأعمال آثار العلوم والأخلاق
فمتى كان العلم بالحق والباطل
وبالمصالح والمفاسد والمنافع

کرتے ہو بُری باتوں سے روکتے ہو اور خدا
پر ایمان رکھتے ہو۔"
اسی طرح ہماری کمزوری، محتاجی، بدحالی
ذلت، باہمی حسد بغض وعداوت گروہ
بندی وغیرہ۔ جن کی ہم شکایت کرتے ہیں
لیکن اُن کے اسباب کو ہم ترک نہیں
کرتے۔ خدا نہیں بدلے گا جب تک
ہم اپنی اندرونی حالت نہ بدلیں اور
اس ہدایت کی طرف رُخ نہ کریں جس پر
ہمارے اسلاف تھے۔ خدا رحمت نازل
کرے امام مالک پر جن کا قول ہے۔ "
آخری جماعت اسلامی کی اُنہیں طریقوں
سے اصلاح ہو سکتی جن سے اوّل جماعت
اسلامی کی اصلاح ہوئی تھی۔"
اور ہمارے اندرونی حالات میں صرف
تربیت وتعلیم سے تغیر ہو سکتا ہے۔ تغیر
سے مراد تغیر اعمال ہے اور اعمال
انسان کے علم واخلاق کے مظاہر اور
اور آثار ہیں اس بنا پر جب ہم کو حق و
باطل، مصالح ومفاسد اور نفع و
ضرر کا صحیح علم ہوگا اور ہمارے

والمضار صحيحًا والاخلاق فاضلة
كانت الاعمال كلها صالحة مؤدية
الى رفعة الافراد وكمالهم الديني
والمدني، فلا بد لنا من اصلاح
طريقة التربية والتهذيب، و
اصلاح طريقة التعليم معا،
ولو كان التعليم الذي جرينا عليه
من عدة قرون يخرج لنا رجالا
ينهضون بالامة الاسلامية
ويخرجونها من جحر الضب الذي
نحن فيه لظهرت آثارهم، و
لما بقينا في هذه المهانة بضع
قرون وكاننا مصابون بالفالج
او داء السكتة، ولكن ما هي التربية
التي نرجو بها صلاح اخلاقنا
وارتفاع هممنا، والتعليم الذي
نرتقي به عقولنا، ونعرف به
ما ينبغي لنا؟
اما تربية الصغار التي عليها
المدار، فهي ليست عندنا في
محل البحث والتبيين، ولا في حيز

اخلاق درست ہونگے تو ہمارے اعمال
خود بخود درست ہو جائینگے اور جن کا نتیجہ
افراد قومی کا مذہبی و تمدنی عروج و کمال ہی
اس لیے ضرورت ہی کہ طریقۂ تہذیب و تربیت
اور نیز طریقۂ تعلیم میں اصلاح کیجائے کیونکہ
بالفرض اگر وہ تعلیم جس پر چند صدیوں سے
چل رہے ہیں وہ ایسے اشخاص پیدا
کرسکتی جو امت اسلامیہ کو اُٹھا سکتے اور
ان کو اس تنگ سوراخ سے نکال سکتے
جس میں ہم اب تک ہیں تو اُن کے نتائج
ظاہر ہوتے اور چند صدیوں سے ہم اس
ذلت میں پڑے نہ رہتے کہ گویا ہم کو فالج
ہی یا سکتہ ہی لیکن قابل غور یہ امر ہی کہ اس
تربیت سے جس سے ہم کو اپنے اخلاق
کی درستگی اور اپنی ہمتوں کی بلندی کی
امید ہی کیا مقصود ہے اور اُسی طرح اُس
تعلیم سے کیا مقصود ہی جس سے ہمارے
خیالات کی ترقی اور اپنی ضروریات کا علم ہو؛
چھوٹے بچوں کی ابتدائی تعلیم جس پر آیندہ
حالت کا مدار ہی وہ ہمارے ہاں نہ لائق
بحث و تحقیق ہے اور نہ مستحق عمل

الحمل والتنفيذ، فاكثر المسلمين
يتركون اولادهم سدى يجري
كل منهم على ماعليه عشيرته
وعشراؤه من هوى اوهدى
الا ان بعض المتفرنجين فى بعض
الامصار الكبيرة منا قد فتنوا
بالمربيات الافرنجيات يلقون
اليهن بافلاذ اكبادهم فيعلمن
الذكور والاناث منهم لغاتهن
وينشئنهم على عادات اقوامهن
واما تربية الكبار بالوعظ و
الارشاد فقد وكل عند عامتنا
الى مشائخ الطرق واكثرهم من
الدجالين الجاهلين يزيدونهم
بدعا وفسادا وغرورا وضلالا.
واما التعليم الديني فقد
اشرنا الى عقمه وسوء اساليبه
والاختلاف فى الحاجة الى اصلاحه
والاشتغال بوضع القوانين و
الانظمة والبرامج له، فهل هذا
هو الاصلاح المطلوب؟

اکثر مسلمان اپنے بچوں کو یوں ہی بیکار چھوڑے
رکھتے ہیں جو سوسائٹی کے اثر سے اچھی یا
بُری تعلیم حاصل کراتے ہیں۔ بعض مقلدین
یورپ بعض ممالک میں یوروپین اتالیقوں
کے شیدا ہیں اور اپنے ان پارہ ہائے
جگر کو اُن اتالیقوں کے آگے ڈالدیتے
ہیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی زبان
سکھاتے ہیں اور اپنے قومی عادات و
خصائل پر اُن کی تربیت کرتے ہیں، بڑوں کی
ہدایت وارشاد کی خدمت مشائخ
اور صوفیوں کے سپرد ہے جن میں سے
اکثر مکار اور جاہل ہوتے ہیں جو اپنے
پیروں کی بدعت گمراہی اور ضلالت اور
بڑھا دیتے ہیں۔
مذہبی تعلیم کی بے نتیجگی اور اس کی
بدتر طریقۂ تعلیم اور اس میں اصلاح اور
اُس کے لیے جدید قواعد نظام اور
نصاب کی ضرورت پر ہم پہلے ہی
اشارہ کر چکے ہیں لیکن کیا
اسی قدر اصلاح کی ضرورت ہے۔؟

التعليم صناعة من الصناعات
ترتقي بارتقاء العمران كما يقول
حكيمنا الاجتماعي ابن خلدون،
وقد جرى اوائلنا فيه على
مقتضى العقل والاختبار بحسب
الحاجة التي كانت تظهر لهم
وتليق بمجالهم. فكان اول ما جروا
عليه طريق الرواية والتحديث
والاملاء، كان احدهم يحفظ
ما يتلقاه او يكتبه او يجمع بين
الحفظ والكتابة، ثم جروا على
طريق آخر من وجه آخر وهو
طريق الاستنباط من المحفوظ
والمكتوب وبسط الدلائل و
المقارنة والترجيح بينها، باستقلال
الفكر، واتباع ما يظهر انه الراجح
ثم وضعت المصنفات في العلوم
والفنون المختلفة فكان ما كتبه
الاولون مبسوطا سهل العبارة
كثير الشواهد والبينات. ثم
صار الناس يدرسون مصنفات

ابن خلدون نے جیسا لکھا ہے تعلیم بھی
ایک قسم کا فن ہے جو ترقی تمدن کے ساتھ ساتھ
ترقی کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف حسب
ضرورت و حاجت بربنائے عقل و تجربہ
تعلیم کے مختلف طریق اختیار کرتے رہتے
تھے۔ سب سے پہلا طریق تعلیم جس پر انھوں نے
عمل کیا وہ طریقۂ روایت و املا ہے
اُستاد زبانی تعلیم دیتا تھا اور طالب علم
اس کو زبانی سُنتا تھا اور اس کو زبانی یاد
رکھتا تھا۔ لکھنے کا دستور نہ تھا پھر زبانی
اور بذریعہ کتابت دونوں کی مخلوط تعلیم
شروع ہوئی پھر ایک اور طریقہ جاری
ہوا اور وہ زبانی اور لکھے ہوئے علوم
سے استنباط دلائل، آزادی کے ساتھ
باہمی دلائل میں ترجیح و موازنہ، اور جانب راجح کے
اتباع کا طریقہ تھا اسکے بعد مختلف علوم فنون
میں کتابیں تصنیف ہوئیں قدما کی تصنیفات
مبسوط مفصل سہل العبارۃ اور عام فہم
ہوتی ہیں جن میں ہر ہر مسئلہ پر نہایت کثرت سے
شواہد اور مثالیں ہوتی ہیں پھر لوگ اپنے
سے پہلے لوگوں کی تصنیفات کو پڑھنے لگے

من قبلهم فيشرحون ما غمض
منها ويستدركون على المصنف
فيما قصر فيه، ويبينون غلطه
فيما غلط فيه مؤيدين اقوالهم
بالدلائل والشواهد، ثم ضعفت
الهمم ووهنت العزائم فصار الناس
يختصرون المصنفات فيذكرون
اهم قواعدها ومسائلها بعبارة
مختصرة خالية من الدلائل و
الشواهد والامثلة الا قليلاً
وتباروا في الاختصار والايجاز
فيه حتى نقل عن بعضهم انه
كان يقرأ الشيء الذي كتبه
بعد عهد بعيد او قريب فلا يفهمه
ثم حدثت عندهم طريقة شرح
المختصرات ثم شرح الشروح و
وضع الحواشي والتقارير عليها،
وجعل هذه الكتب كلها كتب
تدريس تقرأ للطلاب يبدأ
الاستاذ منها بقراءة المتن فالشرح
فالحاشية فالتقرير فيكون جل

اُن کے مشکل مسائل کا حل کرتے تھے پہلے
مصنف نے جو غلطی یا کمی کی تھی اس کی اصلاح
کرتے اور اُس پر دلائل و شواہد قائم کرتے
تھے اس کے بعد لوگوں کی ہمتیں کمزور ہوگئیں
ارادے سست ہوگئے۔ اس لیے لوگ
قدما کی تصنیفات کا اختصار کرنے لگے اہم
قواعد اور مسائل کو مختصر عبارت میں جو دلائل
اور شواہد سے خالی ہو بیان کرنے لگے اس
اختصار اور ایجاز میں مصنفین متاخرین نے
باہمی مسابقت شروع کی، یہانتک کہ ان میں
سے ایک کا قصہ ہے کہ وہ اس قدر مختصر عبارت
لکھتے تھے کہ تھوڑے دنوں کے بعد جب وہ
خود اُس کو پڑھنے بیٹھتے تھے تو غایت اختصار
سے خود اپنا مفہوم آپ نہیں سمجھ سکتے تھے۔
اس کے بعد اُن مختصر کتابوں کی شرح کا طریقہ رائج
ہوا پھر شرح شرح اور حواشی اور تقریر وغیرہ کا
طریقہ جاری ہوا۔ اور یہ تمام کتابیں درس میں
داخل کی گئیں جو طلبہ کو پڑھائی جاتی ہیں۔
اُستاد پہلے متن شروع کراتا ہے پھر اُسکی
شرح پڑھاتا ہے پھر حاشیہ پڑھاتا ہے
پھر اُس کی تقریر پڑھاتا ہے اسوقت

شغله في اشغالهم في عبارات
اولئك الكاتبين لاجل حل
رموز ذلك المتن المختصر وبيان
المراد منه وما يرد عليه وعلى
تلك العبارات وما يجيب به
عنها ولو بالتمحل وتحميل الالفاظ
ما لا تحمل.

هذه اشارة وجيزة الى
كيفيات افادة العلم في الزمن
الماضي بالتدريس والتصنيف
ومنه يعلم انها كانت اطوارًا
مختلفة اقربها الى الصواب اقدمها
ولم ينتقل المسلمون من طور
منها الى طور دفعة واحدة
لانها لم تكن تحصل من قبل
ادارة عامة تضع لها القوانين
والانظمة والبرامج والجداول
وتوزعها على جميع المعلمين كما
تفعل وزارات العلوم والمعارف
في الدول المرتقية في هذا العصر
وانما كان الانتقال من طور الى طور

ان استاد اور شاگردوں کی اصلی توجہ ان شارحین
کی عبارات اور الفاظ کی طرف ہوتی ہے تاکہ متن کے
لا ینحل رموز حل ہوں اور ماتن جو چیستان کہتا ہے
وہ سمجھ میں آئے اور ان الفاظ و عبارات سے جو
اعتراضات پڑتے ہوں اور ان اعتراضات کے
جو جوابات ہوں وہ ذہن نشین ہوں، گو یہ
جوابات الفاظ و عبارات کے ایسے معنے
قرار دینے سے حاصل ہوں جو نہ معنی قرار دیئے
جا سکتے ہیں اور نہ وہ مقصود ہیں۔

یہ ایک گذشتہ زمانہ کے طریقۂ تعلیم کا مختصر بیان
تھا جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح مختلف ادوار
میں تعلیم کے طریقے بدلتے رہے ہیں ان تمام طریقوں
میں سے صحیح تر طریقہ قدیم تر طریقہ ہے۔ مسلمان ان
طرق تعلیم میں سے ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا
طریقۂ تعلیم دفعۃً اور یکبارگی نہیں اختیار کرتے تھے
کیونکہ تغیر و انقلاب کسی عام محکمہ کی طرف سے پیدا
نہیں کیا جاتا تھا۔ جسکا کام قوانین نظام درس
اور نصاب وغیرہ مقرر کرنا ہے اور جو ان قوانین کو
اور نظام و نصاب مقررہ کو تمام پروفیسروں اور
استادوں کے حوالہ کرتا ہے کہ وہ ان کے موافق
تعلیم دیں جیسا کہ آجکل موجودہ متمدن
ممالک ہیں وزارت علوم و فنون کیا
کرتی ہے بلکہ ان میں تغیر و انقلاب
تدریجاً پیدا ہوتا تھا۔

يحصل بالتدريج وقد كان في
زمن العباسيين شيء من النظام
المعروف المتبع في المدارس
الكبرى ولا سيما المدرسة
النظامية ببغداد وما كان
على طرازها فيها وفي غيرها،
ولم يرتق ذلك النظام ويدون
ويعم لانه لما وجد كانت جراثيم
الضعف والمرض الاجتماعي قد
بدأ يظهر تاثيرها في جسم
الامة ولذلك قام بعض العلماء
الاعلام يبحثون في طريقة
التعليم واساليبه ويضعون
القواعد له كما فعل ابو حامد
للغزالي في كتاب العلم من احياء
علوم الدين، وتلميذه ابو بكر
العربي المغربي، ثم ابن خلدون
ثم الشيخ زكريا الانصاري
وكان ينبغي ان يقرأ فن التعليم
بالتصنيف وتحقق مسائله و
تحمل معاهد العلم الكبرى

عباسیوں کے زمانہ میں ایک قسم کا نظام
درس البتہ پیدا ہوا جس کی تقلید بڑے بڑے
مدارس میں کی گئی خصوصاً مدرسۂ نظامیہ
بغداد میں اور جو اس قسم کے مدارس بغداد اور
بغداد کے علاوہ اور شہر میں موجود تھے
اُن میں کی گئی لیکن اس نظام کو ترقی نہوئی
اور اس کے طُرق مُدوّن ہوئے اور نہ عام
طور سے اُن کو پھیلایا گیا۔ کیونکہ تنزل کے
جراثیم کا جسم قوم میں پیدا ہونا اسوقت
شروع ہو چکا تھا اس بنا پر بڑے بڑے
علما طریق تعلیم کی تحقیق کے لیے کھڑے
ہوئے۔ اور اس مسئلہ پر اُنھوں نے
مختلف کتابیں لکھیں امام غزالی نے احیاء
علوم الدین کی کتاب العلم میں اور امام غزالی
کے شاگرد ابوبکر عربی نے پھر علامہ
ابن خلدون نے اور پھر شیخ زکریا
انصاری نے اس پر بحثیں کیں لیکن مناسب
یہ تھا کہ مسائل تعلیم پر مستقل تصنیفات
کی جاتیں اور بڑے بڑے مدارس کو جو
طریقۂ تعلیم بحث و تحقیق سے قرار پاتا
اس کی تعمیل و اجرا پر مجبور کیا جاتا

على العمل بما يظهر انه
الصواب، ولو بامر الحكومة
الى ان يظهر للعلماء شيء من
الخطاء فيه فيرجع عنه كما
تنسخ نظارات المعارف في
دول الحضارة الآن كثيراً من
مواد قوانين التعليم ونظام
المدارس اذ اظهر له انه ضار
وان غيره انفع منه، وانما
لم يفعلوا الان الامة كانت
في طور التدلي والانحطاط،
فكيف تهتدي الى اوثق اسباب
النهوض والارتقاء، وقد بينت
هذه المسئلة في المقدمة التي
وضعتها لكتاب اسرار البلاغة
تصنيف امام فن البلاغة الشيخ
عبد القاهر الجرجاني عند
طبعه، وهذا الكتاب
في البيان وصنوه كتاب
دلائل الاعجاز في المعاني هما
خير مثل لما اشرنا اليه من

گویہ کام سلطنت کے حکم سے کیوں نہوتا
اور یہ طریقہ تعلیم اُس وقت تک زیر عمل رہتا
جب تک اُس میں کوئی خاص کمی یا غلطی محسوس
نہوتی اور اُسوقت یہ طریقہ تعلیم کو چھوڑ کر
دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا جیسے آج کل
متمدن حکومتوں میں سررشتۂ تعلیم وقتاً
فوقتاً قوانین و قواعد تعلیم میں ترمیم و تنسیخ
کرتا رہتا ہے۔ ان علمائے جنھوں نے مسائل
تعلیم پر بحثیں کیں وہ اس لیے ایسا نہ کرسکے
کہ قوم کے انحطاط و تنزل کا زمانہ شروع
ہوچکا تھا ایسی حالت میں کیونکر عروج و ترقی
کے ان قوی اسباب کی طرف توجہ ہوتی
میں نے اس مسئلہ کو امام فن بلاغت
شیخ عبد القاہر جرجانی کی اسرار البلاغۃ
کے مقدمۂ طبع میں بیان کیا ہے۔ کتاب
مذکور فن بیان میں ہے اور اس کی
دوسری شاخ کتاب دلائل الاعجاز ہے
جو فن معانی میں ہے۔ یہ دونوں کتابیں
ہمارے بیان کردہ تعلیمی و تصنیفی ترقی
و تنزل کی سب سے عمدہ مثال
ہیں۔

تدلی التصنیف والتعلیم فانهما
علی کونهما اول الکتب التي صنفت
بهما البلاغة فنا مدوناذا
قواعد وقوانین کلیة مقسمة
الی ابواب وفصول لایزالان
افضل وانفع مما صنف بعدهما
واستمد منهما ولاسیما
الکتب المشهورة المتقنة الصنعة
کالمفتاح للسکاکی والمطول و
المختصر للتفتازانی اللذین فتن
بدقة صنعتهما جمیع علماء
المسلمین في بلاد العرب والعجم
فجعلوهما من کتب التدریس
فکان ذلك سبب موت البلاغة
العربیة في جمیع المدارس الاسلامیة
ولذلك اجتهدنا مع شیخنا
الاستاذ الامام في البحث عن
نسخ اسرار البلاغة ودلائل
الاعجاز في الحجاز والعراق و
الاستانة وتصحیح ما ظفرنا
به وطبعه . وقد قرأهما

یہ دونوں کتابیں سب سے اوّل وہ کتابیں
ہیں جن کی وجہ سے فن بلاغت مدوّن ہوا
اور اُس کے قواعد و قوانین کُلّیہ بنے۔
ابواب و فصول میں اس کی تقسیم ہوئی
اور باوجود اس کے وہ اب تک اس
فن کی ان تمام کتابوں سے بہتر ہیں جو
ان کے بعد تصنیف ہوئیں اور جن کی
تصنیف میں اس کتاب سے مدد لی گئی
خصوصاً اس فن کی مشہور اور متین کتابوں
کی تصنیف میں جیسے سکاکی کی مفتاح
اور تفتازانی کی مطوّل اور مختصر
جن کی باریک بینی پر علماے عرب
عجم بے ساختہ مفتون ہوگئے اور ان کو
درس میں داخل کردیا جس سے تمام
مدارس اسلامیہ میں فن بلاغت مردہ
ہوگیا۔ اسی لیے ہم نے شیخ مفتی
محمد عبدہ کے ساتھ مل کر اسرار البلاغۃ اور
دلائل الاعجاز کے نسخے حجاز۔ عراق اور
قسطنطنیہ سے بہم پہونچانے کی اور
اس کی تصحیح و طبع کی کوشش کی۔
شیخ نے جامع ازھر میں ان دونوں

الاستاذ الامام في الجامع الازهر
فاستفاد منهما كثير من الطلاب
وانتعشت البلاغة العربية العملية
في الازهر بل بث فيها سمة الحياة
بعد ان طال عليها زمن الموت و
قررتهما نظارة المعارف المصرية
في مدرسة دار العلوم وهي المدرسة
التي يتخرج فيها مدرسو اللغة
العربية . وقررتهما ادارة معارف
السودان ايضاً في مدرسة غوردن
الكلية . ولو شئت ان اذكر الامثلة
على تدلينا في التدريس والتصنيف
في كل علم من العلوم الاسلامية
لضاق وقت هذا الاجتماع عنه
وفاتكم ما تنتظرون سماعه من
كثير من العلماء الاعلام ـ

ان ما اشرت اليه من التدلي
في التصنيف والتعليم كان عاما
شاملا لجميع البلاد الاسلامية
ولا غرو فالمسلمون امة واحدة
وقد كان ارتقاؤها في العلوم والاعمال

کتابوں کا درس دیا جس سے بہت سے
طلبہ کو فائدہ ہوا اور عملی طور سے عربی بلاغت
کی ایک حرکت ازہر میں پیدا ہوئی
اور جسم بلاغت میں ایک طویل مدت کے
بعد زندگی کی روح ساری ہوئی سررشتہ
تعلیم سوڈان نے اُن کو گارڈن کالج
کے کورس میں داخل کردیا اسی طرح
اگر میں چاہوں تو علوم اسلامیہ میں سے
ہر علم کی تدریس و تصنیف میں جس طرح
تنزل پیدا ہوا ذکر کرسکتا ہوں لیکن اس
اجلاس کا وقت تنگ ہوجائے گا اور
جن علمائے کرام کی تقریریں سننے کے
آپ منتظر ہیں اُن کی تقریر کا وقت
فوت ہوجائے گا ۔

ہم نے تصنیف و تدریس کے جس
تنزل کا ذکر کیا وہ تمام بلاد اسلامیہ کو
محیط تھا اور ایسا ہونا کچھ تعجب انگیز نہیں
ہے کیونکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں جس کی
علمی و عملی ترقی اس کی مذہبی کتاب
کی ہدایت کے نتائج تھے اور اسی طرح
اس کی پستی مذہب کے راستہ سے ہٹ جانے

من آثار هداية دينها. وتداليها
فيهما من الانحراف عن صراط
دينها ولكن البلاد الاعجمية اصيبت
بمرض آخر في تعليم الدين ووسائله
وهو ان علماءها صاروا يدرسون
تلك العربية التي لا تصلح لتعليم
انفسهم على الوجه المؤدي الى الغاية
من اللغة والدين بالترجمة للطلاب
فكان هذا مصابا على مصاب.
اذا صار طالب العلم يشتري بعشرات
من سني عمره قواعد عامة للغة
لا يعرفها كما تعرف اللغات فيعسر
عليه ان يطبقها على جزئياتها وان
يصل بها الى الغاية المقصودة من
اللغة وهي ان تكون ملكة له يقدر
على التكلم والكتابة بها بغير تكلف
ويفهم الكلام البليغ منها بغير
تردد ويتأثر به من غير تصنع فان
كان مقنعا اقتنع وان كان وعظا
اتعظ وان كان سارا أسر وان
كان محزنا حزن۔

کی وجہ سے ہوئی ہے لیکن ممالک عجم کو تعلیم دین
و وسائل تعلیم دین میں ایک اور مرض لاحق ہوا
وہ یہ کہ عربی کی تعلیم و تدریس طلبہ کو بذریعہ
ترجمہ اس طرح شروع کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ طالبعلم
اپنی عمر کا ایک معتدبہ حصہ کو بیچ کر زبان کے
چند عام قواعد صرف معلوم کرتا ہے جس کو
وہ اُس طرح نہیں جانتا جس طرح زبانوں کو
جاننا چاہیے اس لیے اُن قواعد کو جزئیات
پر تطبیق دینا اور زبان کی تعلیم سے جو مقصود
ہے اس تک پہونچنا سخت مشکل ہوا۔ زبان
کی تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ طالب علم کو
ایسی استطاعت ہوجائے کہ وہ بلا تکلف
اُس زبان میں بولنے اور لکھنے پر اور بلا تردد
بلیغ کلام کو سمجھنے پر قادر ہوجائے اور
اس کلام سے بغیر کسی تصنع کے اُسکے دل پر
اثر پیدا ہو۔ یعنی اگر کلام قناعت پیدا کرنیوالا
ہو تو وہ قانع ہوجائے۔ اگر کلام واعظانہ
ہو تو اس سے وہ نصیحت حاصل کرے
اگر مسرت وخوشی کا کلام ہو تو اُس کے دل
میں خوشی پیدا ہو اور اگر وہ غم والم سے بھرا
ہو تو وہ غمگین ہو۔

كان علماء العجم في القرون الاسلامية الاولى يشاركون اخوانهم المقيمين في بلادهم كالشام ومصر وافريقية والاندلس في التاليف والتصنيف والانشاء والشعر ويضربون معهم بكل سهم فكانوا احسن مظهر لوحدة الاسلام وانما كان ذلك لانهم كانوا يحذقون اللغة العربية بالعمل حتى تصير ملكة راسخة فيهم كرسوخها في ابنائها ولما تضاءلت الهمم وضعفت العزائم وفشت بدعة تعليم العربية والدين ذهبت تلك المزية وضعفت العلوم الدينية واللغوية وتراخت رابطة الوحدة الاسلامية وما عاد ينبغ في بلاد الاعاجم في تحصيل تلك الكتب التي اشرنا اليها على قلة الغناء فيها الا افراد يعدون على الانامل، بل يمكنني ان اقول انهم من القلة بحيث لم يصل الينا من نثرهم و نظمهم شيء خال من لوثة العجمة

پہلی اسلامی صدیوں میں علمائے عجم اپنے اُن عرب بھائیوں کے ساتھ جو اُنکے ممالک میں اقامت گزیں تھے یا مصر و شام و افریقیہ اور اندلس وغیرہ دیگر ممالک میں رہتے تھے۔ تصنیف و تالیف۔ انشاپردازی اور شاعری میں برابر شریک تھے اور اُنکے ساتھ ملکر ہر قسم کا کام کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ اتحاد اسلامی کے بہترین مظہر تھے۔ گذشتہ علمائے عجم کو یہ قدرت اسلیے حاصل ہوتی تھی اور یہ اسلیے ایسا ہوتا تھا کہ وہ عربی زباندانی میں کمال عملی حیثیت سے بہم پہونچاتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ عربی زباندانی میں اسی طرح کامل ہوتے تھے جس طرح خود عرب ہوتے تھے لیکن جب ہمتیں کمزور ہوگئیں اور ارادے سُست ہوگئے اور عربی زبان کی تعلیم میں ترجمہ کی بدعت داخل ہوئی تو یہ کمال جاتا رہا۔ مذہبی و ادبی علوم کمزور ہوگئے اور اتحاد اسلامی کی بندش ڈھیلی ہوگئی اور اسکے بعد پھر عجمی ممالک میں ان کتابوں کی تعلیم سے جنکی طرف میں نے اشارہ کیا۔ کمی لیاقت کی بنا پر چند لوگوں کے سوا جو اُنگلی پر گنے جاتے ہیں کوئی بڑا شخص پیدا نہوا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسقدر کم لیاقت کم استعداد ہیں کہ ہم عربوں تک اُنکا کوئی کلام خواہ نظم یا نثر نہیں پہونچا جسمیں عجمیت کی سُستی نہو

وقد كان السيد جمال الدين الافغاني
الحكيم الكبير والمصلح العظيم هو الذي
نفخ روح الاصلاح اللغوي والعلمي
في مصر وحمل تلاميذه من طلاب
الازهر على الكتابة والخطابة وارشدهم
الى طرقهما. وكان هو كاتبا بليغا
وخطيبا مفوها حتى كان يخطب
بالعربية عدة ساعات بلا تلعثم
ولكنه مع هذا كله ظل الى آخر عمره
يعرف الاعلام التي لا يجوز تعريفها
وتظهر العجمة في لهجته وبعض
الفاظه فلم يصقل لسانه بفصاحتها
كما كان الزمخشري وامثاله ممن قال فيهم
ابن خلدون انهم ليسوا اعاجم الا في
النسب. وسبب ذلك انه تعلم العربية
تعلما فنيا في الكتب ثم اهتدى في الكبر
بثاقب عقله ونور بصيرته الى الطريقة
التي بها تطبع ملكة اللغة في النفس واللسان
فهدى تلاميذه من العرب بمصر اليها
فكانوا اسلس منه عبارة وافصح ديباجة
واسلم من تكلف الصنعة.

مشہور حکیم اور مصلح سید جمال الدین افغانی
جس نے مصر میں علمی وادبی روح پھونکی اور جسنے
اپنے طلبہ کو تحریر و تقریر پر آمادہ کیا اور اُسکی
طرف اُن کی رہنمائی کی اور جو بلیغ انشاپرداز
اور مقرر تھا یہانتک کہ وہ بغیر رکاوٹ کے
گھنٹوں تک عربی میں تقریر کرسکتا تھا، باوجود
ان کمالات قدرتِ علمی کے آخر عمر تک وہ
اُن اعلام پر حرف تعریف داخل کرتا تھا جن پر
حرف تعریف لانا جائز نہیں ہے اور نیز اُسکے لہجہ
اور بعض الفاظ سے عجمی پن ظاہر ہوتا تھا اور اسکی
زبان میں وہ صفائی نہ پیدا ہوئی جو زمخشری
وغیرہ گذشتہ علمائے عجم میں تھی، جنکے متعلق
ابن خلدون کا قول ہے کہ یہ لوگ بجز اس کے
نسباً عجمی ہیں اور کوئی بات ان میں عجمیت کی
نہیں پائی جاتی اس کی وجہ یہ تھی کہ افغانی مرحوم
نے پہلے کتابوں کے ذریعہ سے علمی طور سے
زباندانی حاصل کی پھر کبر سنی میں اپنی ذکاوت و
روشنی ذہن سے وہ رستہ معلوم کیا جس سے
کہ نفس میں عربی زبان میں زباندانی کا ملکہ پیدا
ہوا اس لیے مصر میں اپنے عرب طلبہ
کو جب تعلیم دی تو وہ لوگ خود اُن سے
زیادہ بے تکلف سلیس اور عمدہ عبارت پر
قادر ہوگئے۔

ایها الاساتذۃ الکرام؟

انکم تعلمون ان جمیع
القواعد الکلیۃ للعلوم منتزعۃ
من الجزئیات فالعلم بالجزئیات
مقدم بالطبع فیجب ان یکون
مقدما بالوضع فاذا ذکرت
الاجناس والفصول المقومۃ
والمقسمۃ لانواع من الحیوان
والنبات والقیت علی من لم یر
شیئا من افراد تلك الانواع او
رای قلیلا منها ثم دخل فی
بستان توجد فیه افراد من تلك
الانواع کلها ایحسب انه یستطیع
ان یعرف کلا منها بهدایۃ تلك
التعریفات والقواعد الکلیۃ؟؟
لا لا۔ اما من یعرف افراد تلك
الانواع فانه لا یحتاج الا الی
تنبیه قلیل لمعرفۃ مابینها من
الاشتراك والاتفاق ومابینها
من الفصل والاختلاف واذا
ذکرت له تلك الکلیات یتناولها

فضلائے کرام!

آپ جانتے ہیں کہ ہر فن کے قواعد کلیہ
اُس کے جزئیات سے منتزع ہو کر بنتے ہیں
اس لیے فطرتاً جزئیات کا علم، کلیات کے
علم پر مقدم ہوتا ہے اس لیے ترتیباً بھی جزئیات
کی تعلیم کلیات کی تعلیم پر مقدم ہونی چاہیے
مثلاً اگر نوع حیوان اور نوع نبات کی
جنس وفصل کسی ایسے شخص کو بتائی جائے
جس نے اُن چیزوں کو خود اپنی آنکھوں سے
نہیں دیکھا۔ یا بہت کم دیکھا ہو پھر وہ
ایک باغ میں داخل ہو جس میں انواع
کے افراد موجود ہوں تو کیا ایسی حالت میں
وہ صرف جنس وفصل کی ترکیب سے
بنائی ہوئی عام تعریفات وقواعد کلیہ کے
ذریعہ سے وہ ان چیزوں کی ان جزئیات
کو پہچان سکتا ہے؟ نہیں نہیں وہ بالکل
نہیں پہچانے گا۔ لیکن وہ اگر ان جزئیات
سے واقف ہو تو ان کلیات کو ذرا سی
تنبیہ میں نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے
اور اُن کے مابہ الاشتراک اور
مابہ الامتیاز امور سے واقف

فهمه بسهولةٍ وسرعةٍ،

ومفردات اللغة واساليبها لمفردات انواع الكائنات يشترك بعضها في الفاعلية والمفعولية وفي الحقيقة والمجاز وفي غيرذلك من انواع الاتفاق فالقاعدة الموضوعة لضبط الفاعل والمفعول والحقيقة والمجاز لا يفهمها بسهولة وسرعةٍ من لا يعرفُ الكثيرَ من مفرداتها بالاستعمال ثم اذا هو فهمها لا يسهل عليه ان يطبق مفرداتها عليها واما من عرفها بالاستعمال فانه يفهمها بغاية السهولة ولاسيما اذا عرض عليه عند ذكرها كثير من الامثلة والشواهد عليها،

التعليم على هذه الطريقة هو التعليم الموافق للفطرة لفطرة الله التي خلق الناس عليها و مخالفته مخالفة للفطرة فالناس يتعلمون اللغات بتلقي مفرداتها

ہو سکتا ہے۔

زبان کے مفردات کی مثال ٹھیک انہیں انواع کائنات کی جزئیات کی طرح ہی جو ایک دوسرے سے فاعلیت، مفعولیت حقیقت اور مجاز میں مشترک ہوتا ہے اس لیے فاعل ومفعول وحقیقت ومجاز کے ضبط کے لیے جو قواعد موضوع ہیں اُن کو وہ شخص آسانی سے نہیں سمجھ سکتا جو مفردات زبان کے استعمال سے واقف نہیں ہے۔ پھر اگر سمجھ بھی لے تو اُن قواعد کو وہ استعمالاً مفردات کلام میں جاری نہیں کر سکتا لیکن جو شخص کہ ان مفردات کے استعمال سے واقف ہی وہ بہت آسانی سے اُن قواعد کو سمجھ لیگا خصوصاً جبکہ ان قواعد کی تعلیم کے وقت بہت سے شواہد اور مثالیں اُسکے سامنے پیش کی جائیں۔

یہ طریقۂ تعلیم اُس فطرت کے مطابق ہے جسپر خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہی اور اس کی مخالفت درحقیقت فطرت کی مخالفت ہی لوگ عموماً زبانوں کی تحصیل اُن زبانوں کے مفردات کے ذریعہ سے عملاً حاصل

بالعمل وكذلك يعرف الموجودات
والكائنات بمعرفة افرادها والذين
وضعوا قواعد العلوم الكلية هم
جماعة من اصحاب العقول الكبيرة
عرفوا تلك الاشياء حق المعرفة
ثم بالتامل فيها انتزعوا منها
تلك القواعد فاذا كلفنا التلاميذ
الصغار ان يعرفوا تلك القواعد
الكلية قبل ان يعرض عليهم
تلك الجزئيات نكون كاننا
نكلفهم ان يكونوا رجالا علماء
حكماء قبل ان يشبوا وان
يتعلموا وبذلك نكون قد
ارهقناهم من امرهم عسرا،

ان علماءنا المتقدمين
لم يكونوا محتاجين الى تسهيل
طريقة تعليم اللغة العربية كحاجتنا
اليها الآن، لانها كانت ملكة
لهم ومع هذا كان كتبهم ككتاب
سيبويه اقرب الى التعليم
الفطري من كتبنا لما كان فيها

کرتے ہیں اور اسی طرح دیگر کائنات اور موجودات
کا علم اُن کے افراد اور جزئیات کے علم سے
ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے علوم یا زبانوں کے قواعد
کلیہ وضع کیے ہیں وہ عقلا کی ایک جماعت ہے
جس نے اُن چیزوں کا اچھی طرح علم حاصل کیا اور
پھر غور و فکر سے اُن سے قواعد کلیہ منتزع کیے
ان وجوہ سے اگر ہم چھوٹے بچوں کو یہ تکلیف دیں
کہ وہ جزئیات یا مفردات زبان سے پہلے
ان قواعد کلیہ کو سمجھ لیں تو گویا ہم ان کو مجبور کرتے
ہیں کہ وہ ابھی شباب سے پہلے بڑے بڑے علما اور
عقلا ہو جائیں کہ ان عقلی قواعد کلیہ کما حقہ سمجھ لیں
اس بنا پر جب ہم انکو مفردات اور جزئیات سے
پہلے قواعد کلیہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو در حقیقت ہم انکو
ایک سخت مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ہمارے علمائے متقدمین کو طریقۂ تعلیم زبان
عربی کی آسانی کی ویسی ضرورت نہ تھی جیسی
ہم کو ہے۔ کیونکہ عربی زبان اُن کی مادری
زبان تھی اور اس کے ساتھ اُن کے قواعد
زبان کی کتابیں جیسے کتاب سیبویہ
ہماری کتابوں سے زیادہ تعلیم فطری
کے موافق تھیں کیونکہ اُن میں نہایت

من الشواهد والامثلة الموضحة
للقواعد الكلية،
ومالي اضرب الامثلة
لتعليم فنون اللغة والمنطق و
لا اذكر ما هو اهم من ذلك و
اعلى وهو تعليم القرآن ودرسة
تفسيره وهو المقصد الاعلى و
الغاية القصوى لعلى اذا انشأت
أبين كيف يجب علينا ان نتعلم
تفسير القرآن تعلما يعيننا على الاهتدأ
به اكون قد استهدفت لنقد
كثير من الناس الذين يظنون
ان القرآن الحكيم لا يحتاج
الى فهمه الا المجتهدون الذين
يتصدون لاستنباط الاحكام
الفقهية العملية فى احكام ظواهر
العبادات والمعاملات القضائية
التي يحتاج اليها الحكام فى المحاكم
والمفتون، اولئك الذين يظنون
غير الحق وترتعد فرائصهم من
ذكر القرآن ويرون انهم يبعدهم

کثرت سے شواہد اور مثالیں ہوتی تھیں جو
قواعد کلیہ کی توضیح کرتی ہیں۔
مجھے کیا ہی جو میں منطق اور فنون زباندانی کی
مثالیں بیان کر رہا ہوں اور جو چیز اس سے
زیادہ اہم اور اعلیٰ ہے اُس کو نہیں بیان
کرتا اور وہ قرآن مجید اور فن تفسیر
کی تعلیم ہی، جو تعلیم عربی کا مقصد اعلیٰ ہی
اور غایت حقیقی ہے شاید جب میں یہ
بیان کرنے لگوں کہ ہم کو کیونکر فن تفسیر
کی ایسی تعلیم حاصل کرنی چاہیے جو ہم کو
قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرنے میں
مدد دے تو میں اُن بہت سے حضرات کے
اعتراضات کا نشانہ بنونگا جو سمجھتے ہیں کہ
قرآن مجید کو سمجھنے کی ضرورت اُن مجتہدین
کے سوا کسی اور کو نہیں ہے جو عبادات و
معاملات کے ظواہر احکام فقہیہ جن کی حکام
کو عدالتوں میں اور مفتیوں کو ضرورت ہی
استنباط کرتے ہیں ان حضرات کا خیال صحیح
نہیں ہے، نفس قرآن کی تعلیم کے ذکر سے
وہ ڈر جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ
قرآن مجید کے سمجھنے سے لوگوں کو

عن فهمه وصد الناس عنه
يخدمون دينهم ويحافظون
عليه،

ايها الاخوة الكرام:

ان الله انزل القرآن هدىً
للناس اجمعين وان الاهتداء
ليس خاصاً بالمجتهدين الذين
يستنبطون الاحكام العملية
الفقهية وان آيات الاحكام
فيه هي اقل عدداً من سائر
الآيات التي تهدي العقول
والارواح وترقي بها الى اعلى
معارج الفلاح وكان سلفنا
في القرون الاولى يهتدون به
ويحيون بحياته ولم يكونوا
كلهم ولا اكثرهم مجتهدين
بهذا المعنى المعروف في الاصول

لولا هداية القرآن وسلطانه على
ارواح اولئك الاخيار لما كانوا
خير امة اخرجت للناس ولما
انتشر الاسلام بفضل الاقتداء

علٰحدہ رکھنا اور اُن کو اس سے باز رکھنا
مذہب کی خدمت وحفاظت ہی۔

برادران کرام!

خدا نے قرآن مجید تمام انسانوں کی ہدایت
کے لیے بھیجا ہے۔ ہدایت حاصل کرنا صرف
اُن مجتہدین کے لیے مخصوص نہیں ہے جو
احکام عملیہ فقہیہ کا استنباط کرتے ہیں۔
قرآن مجید میں آیات احکام اُن آیات کے
مقابلہ میں کم ہیں جن سے مقصود عقل اور
روح کی ہدایت ہی اور اُن کو اعلیٰ مدارج
فلاح تک پہونچانا ہی، ہمارے سلف صالحین
ابتدائی صدیوں میں اسی قرآن سے ہدایت
حاصل کرتے تھے اور اُسی کی زندگی سے
زندگی پاتے تھے اور حالانکہ وہ کُل کے کُل اس
اصطلاح معروف کی حیثیت سے مجتہد نہ تھے۔

اگر قرآن مجید کی ہدایت اور اُس کی قوت
ان بزرگان سلف کی حقیقی روح نہ ہوتی تو
وہ بہترین قوم نہ ہوتے جو تمام دنیا کے لیے
نمونہ بنائی گئی تھی جیسا کہ قرآن مجید نے اُن کا یہ
وصف بیان کیا ہی۔ جب ان بزرگوں
کے اتباع وتاثیر سے اسلام پھیلا تو

بهم فقد زكّى القرآن انفسهم
ورقّى عقولهم حتى كانوا لا يدخلون
بلاداً الا ويجذبون اهلها الى
الاسلام بمحض القدوة ذلك
بانهم ما كانوا يعرفون لغة
اولئك الاقوام ولا كانوا يفتحون
لهم المدارس ويعلمون اولادهم
دينهم ولغة دينهم فكيف انتشر
الاسلام من اقصى الهند الى
اقصى افريقية واوربّة فى
تلك المدة القصيرة،

يقول الجاهلون ان الاسلام
قد انتشر بقوة السيف يا سبحان
الله ان هذا الدين بدئ برجل
واحد وهو النبى صلى الله عليه
وسلم وكان قومه يجاهدونه
بسيوفهم طول حياته ولم يظفر
بهم الظفر التام الا قبيل وفاته
اعنى عام فتح مكة، ثم ان
اولئك النفر من الصحابة الكرام
انتشروا فى شرق ارض الحجاز

قرآن مجید نے اُن کے نفوس کو پاک کر دیا
تھا اور اُن کی عقلوں کو بڑھا دیا تھا یہاں تک
کہ کسی ملک میں اُن کا گذر (جب) ہوتا تھا
(تو) خواہ مخواہ لوگوں کے قلوب اُن کی طرف
کھچ آتے تھے، حالانکہ نہ وہ اس ملک کی
زبان جانتے تھے اور نہ وہاں کے باشندوں
کے لیے ایسے مدارس قائم کرتے تھے جنمیں
وہ اُن کے بچّوں کو اپنا مذہب اور اپنے
مذہب کی زبان کی تعلیم دیتے تھے پھر باوجود
اس کے کیونکر اسلام اُس قلیل مدت میں اقصائے
ہندوستان سے اقصائے افریقہ اور
یوروپ تک پھیل گیا۔

نادان کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، سبحان اللہ
یہ واقعہ ہے کہ یہ مذہب تنہا ایک شخص یعنی
محمد رسول اللہ صلعم کی کوشش سے پیدا
ہوا۔ اُس کی قوم اُس کی زندگی تک اُس سے
ہمیشہ لڑتی رہی اور اُسکو کامل فتح اپنی قوم
پر اپنے وفات کے کچھ ہی دن پہلے یعنی
فتح مکہ کے سال حاصل ہوئی۔ پھر اُس کے
بزرگ دوستوں کی مختصر جماعت تمام
حجاز میں پھیل گئی۔ ایسی حالت میں

وغربها فهل كان في استطاعتهم ان يكرهوا اهل المشرق والمغرب على الاسلام وهم يقبلون منهم الجزية التى كانت اقل ما يأخذه حاكم من محكوم ثم هم يعاملونهم بالعدل والمساواة فى الحقوق القضائية ويتركون لهم حرية دينهم ويسمحون لهم ان يتحاكموا الى رؤساء ملتهم في كل خصام يقع بينهم؟؟ كلا انهم لم يكرهوا احداً على الاسلام بحد السيف وانما جذبوا قلوبهم وعقولهم اليهم لانهم رأوهم اعدل الناس وارحم الناس وافضلهم اخلاقا وادابا فاقتدوا بهم واحبوا ان يكونوا مثلهم بل منهم فكانوا يدخلون فى الاسلام افواجا ويقبلون على تعلم اللغة العربية لاجل ان يهتدوا بنور ذلك الكتاب

کیا اس مختصر جماعت کے لیے یہ ممکن تھا کہ تمام دنیا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریے حالانکہ وہ مفتوح اقوام سے ایک نہایت معمولی ٹیکس جزیہ کے نام سے لیتے تھے۔ یہ ٹیکس اسقدر معمولی اور ادنیٰ ہوتا تھا کہ جس سے زیادہ کم کسی فاتح نے اپنی مفتوح قوم سے نہیں لیا۔ پھر لسکے ساتھ اپنے مفتوحین سے وہ حُسنِ معاملہ اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتے تھے انکو حقوق برابر کے عطا کرتے تھے اُنکو ہر قسم کی آزادی دیتے تھے اور اُنکو اجازت تھی کہ باہمی نزاع و مخاصمت کے مقدمات اپنے رؤسائے مذہبی کے سامنے لیجائیں اور اُن سے فیصلہ چاہیں؟؟ نہیں ہرگز نہیں اُنھوں نے کسی کو بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ ہاں اُنھوں نے لوگوں کے دل اور عقل کو اپنی طرف کھینچ لیا کیوں؟ اسلیے کہ اُن مفتوح اقوام نے ان صحابۂ کرام کو تمام لوگوں سے زیادہ رحمدل زیادہ عادل زیادہ با اخلاق پایا اسلیے انکی اقتدار کی اور چاہا کہ یہ بھی مثل انکے ہوجائیں بلکہ انہیں میں سے ہوجائیں اس بنا پر گروہ در گروہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور عربی زبان حاصل کرنے لگے تاکہ اُسکو سیکھ کر اس کتاب عربی مبین کی روشنی سے ہدایت حاصل کریں

العربي المبين الذي جعل ولئك
الفقراء المستضعفين هم الائمة
الوارثين ولهذا انتشرت اللغة
العربية بانتشار الدين بسرعة
غريبة قبل ان يكون لها مدارس
منشأة ولا كتب مدونة،

يمكن لمن يفهم اللغة
العربية حق الفهم ان يهتدي
بالقرآن ويعتبر بمواعظه وادابه
وان لم يقرأ شيئًا من كتب
الفقه فان تاثير القرآن في قلوب
من يفهمونه عجيب حتى ان بعض
ادباء النصارى عندنا بمصر
يعجبون منه ويعترفون به و
قد سمعت غير واحد منهم يقول
عند حضور بعض احتفالات
المدارس وسماع القرآن المجيد
فيها ان لهذه القراءة تاثيرًا
عميقا في النفس هذا وهم لا يؤمنون
به فما بالكم بالمؤمنين المخلصين
اولئك هم الذين هم مراد قوله

جس نے ان کمزور اور مسکین لوگوں کو دنیا کا پیشوا
بنا دیا اور اسی بنا پر عربی زبان بھی مذہب اسلام کی
اشاعت کے ساتھ ساتھ سرعت کے ساتھ اشاعت
پاتی گئی۔ حالانکہ اسوقت عربی زبان کے لیے نہ
مدارس قائم ہوئے تھے اور نہ کتابیں مدوّن
ہوئی تھیں۔

ہر شخص جو اسلام کی مقدس عربی زبان اچھی طرح
جانتا ہی اسکے لیے ممکن ہی کہ وہ قرآن شریف سے
ہدایت اور اس کے نصائح و اخلاق سے عبرت
حاصل کرے گو اُس نے فقہ کی کوئی کتاب
نہ پڑھی ہو کیونکہ قرآن مجید کا اثر عربی زبان
سمجھنے والوں کے دلوں میں حیرت انگیز ہی یہانتک کہ
بعض مسیحی اہل زبان ہمارے ہاں مصر میں قرآن مجید کو
نہایت حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بہت سے
عیسائیوں کو بعض جلسوں میں قرآن شریف پڑھتے
سن کر یہ کہتے سُنا ہی کہ اس قرأت کا دل پر گہرا
اثر ہوتا ہے حالانکہ وہ قرآن مجید پر
ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ ایسی حالت
میں اُن خالص مسلمانوں کے دلوں
کی کیا حالت ہوگی جو خدا کے اس
قول کے مصداق ہیں۔

قوله تعالیٰ "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ" وقوله "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" فهل يمكن لمن لا يفهم العربية فهما صحيحا ان يكون من هؤلاء المؤمنين الصادقين وقال عز وجل "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" فاعتبروا بقوله تعالیٰ "وتلك الامثال" فانه تعالیٰ هدانا بهذا المثل الی ان نوبا انفسنا ان لا تكون قلوبنا اقسیٰ من الحجارة وهكذا انسان من لا يخشع بالقرآن

"خدا نے عمدہ بات یعنی ایسی کتاب اُتاری جسکے باہم اجزا متشابہ ہیں دوہرے ہیں۔ اسکو سُنکر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور اُنکا دل اور نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف مائل ہوتا ہے"

"مومن وہی ہیں جو خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لائے پھر شک وشبہہ نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے خدا کے راستے میں کوشش کی یہی سچے لوگ ہیں"

کیا جو شخص عربی زبان سے واقف نہیں کیا وہ اُن سچے مومنین میں سے ہو سکتا ہے۔

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے "اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے پست و پارہ پارہ ہو جاتا" یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں خدائے پاک کے الفاظ (تلک الامثال) پر غور کرو۔ خدا تعالیٰ نے اس مثال سے ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے دل پتھر سے زیادہ سخت نہوں۔ اور یہی حالت اُس شخص کی ہے جس میں قرآن شریف سے خشوع نہیں پیدا ہوتا اور نہ اُس کے نصائح سے اثر حاصل کرتا ہے

ولا يتأثر بمواعظه،
اذا سمع من يفهم العربية
فهما صحيحاً مثل قوله تعالى فى
الآيات الكريمة التى افتتح بها هذا
الاحتفال "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ
وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ" فانه
يمكنه ان يفهم منه ان النبى
صلى الله عليه وسلم ما دعانا
بهذا الكتاب الحكيم الا الى ما
نحيا به حيوة معنوية طيبة
نكون بها امة عزيزة كريمة
وان ينتقل ذهنه من ذلك
الى تدبر القرآن ليهتدي به
الى السنن الاجتماعية والنفسية
التي يبين الله تعالى بها اسباب
هذه الحياة وهي كثيرة فى القرآن
وليست مما يلحقه النسخ الذي
تشترط معرفته فى الاجتهاد،

اگر ایک صحیح طور سے عربی سمجھنے والا ان آیات
کریمہ کو سُنے جن سے اس جلاس کا افتتاح کیا گیا
ہے "ایمان والو خدا اور رسول کی پکار سُنو
جب وہ تم کو اس امر کے لیے پکارے جو تمکو زندہ
کردیگا اور یقین جانو کہ وہ انسان اور اُسکے
دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور اُسکی طرف
تم سب لوگ جمع کیے جاؤگے" تو وہ سمجھ سکتا
ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم نے ہمکو قرآن شریف
کی طرف جو دعوت دی وہ تو درحقیقت ایک
ایسی چیز کیطرف دی جس سے ہم کو روحانی
پاک زندگی حاصل ہوسکتی ہے جسکے حصول کے
بعد ہم ایک معزز اور محترم قوم بن جائیں
اور پھر اسکے بعد اُس شخص کا ذہن قرآن شریف
میں غور و فکر کرنے کی طرف منتقل
ہوسکتا ہے تاکہ وہ اُن روحانی اور معاشرتی
قوانین تک پہونچ سکے جن کے ذریعے سے
خدا اُسے پاک اُس روحانی پاک زندگی کے
اسباب ظاہر کرتا ہے اور اُسکا ذکر قرآن مجید
میں نہایت کثرت سے ہے اور یہ اُن آیتوں
میں نہیں ہے جن میں وہ نسخ لاحق ہوتا ہے جن کا
جاننا اجتہاد کے لئے ضروری ہے۔

بیان ھذہ الحیاۃ فی کتاب
اللہ تعالیٰ اعلیٰ مرتبۃً من بیان
بعض احکام المعاملات کاحکام
الحیض والبیع والسلم والشرکات
قال اللہ تعالیٰ "یُنَزِّلُ الرُّوحَ
مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِہٖ"، وما سمی اللہ الوحی روحاً
الا لانہ ینفخ فی المتدین روح
الحیاۃ المعنویۃ التی یکونون بھا
ائمۃ الخیر فی الدنیا واصحاب
السعادۃ فی الآخرۃ تلک الحیاۃ
ظہر اثرھا فی سلفنا فسادوا العالم
کلہ کما اشرنا الی ذلک من قبل،
ونحن ننشدھا ونبحث عن اسبابھا
الآن"

انی کنت اود لو ابنی خطابی
وتذکیری ھذا علی الآیات
التی افتتح بھا الاحتفال لافاضۃ
فی الکلام علی ھذہ الحیاۃ ولکن
اقترح علیّ مولانا الشیخ شبلی
امس ان اقول شیئاً فی التعلیم

اس زندگی کا بیان قرآن مجید میں بعض
دیگر احکام و مسائل معاملات مثل احکام حیض
بیع سلم اور شرکت وغیرہ کی نسبت سے زیادہ
بلند رتبہ ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وہ اپنے
حکم سے بندوں میں جس پر چاہتا ہے روح
نازل کرتا ہے"

خدائے پاک نے اس موقع پر وحی کو
روح کے لفظ سے تعبیر اس لئے فرمایا کہ وحی
روحانی اور باطنی زندگی کی روح پھونکدیتی ہے
جس کی وجہ سے وہ لوگ دنیا میں پیشوایان
نیکی و بہتری اور آخرت میں سعادت و فلاح پاتے
ہیں وہ روحانی و معنوی زندگی جسکا اثر ہمارے
سلف صالحین میں ظاہر ہوا اور وہ تمام دنیا کے
سردار ہوگئے جیسا کہ ہمنے اس کی طرف پہلے اشارہ
کیا اور ہم اس زندگی کو ڈھونڈھتے ہیں اور اب
اُسکے اسباب علل کی تحقیق کرتے ہیں۔

میں چاہتا تھا کہ اپنی تقریر کا عنوان موضوع
ان آیات کو قرار دوں جن سے اس
جلسے کا افتتاح ہوا اور اس زندگی پر
تفصیل سے بحث کروں لیکن مولانا شبلی
نے کل فرمایش کی کہ میں تعلیم پر کچھ کہوں

فلم یکن بدٌّ من الامتثال، وانی
قد افتتحت خطابی بقوله تعالی
"اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَحیَانَا بَعدَ
مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیہِ النُّشُور"،
للاشارة الی هذه الحیاة وحظنا
منها الآن، تعلمون ان هذه
الجملة تتلی عند الاستیقاظ من
النوم وقد اشرت بافتتاح الخطاب
بها الی ان حظنا من هذه
الحیاة الآن هو اننا انشأنا
نستیقظ من ذلک النوم الطویل
والنوم ضرب من الموت - "اَللّٰہُ
یَتَوَفَّی الاَنفُسَ حِینَ مَوتِھَا
وَالَّتِی لَم تَمُت فِی مَنَامِھَا"،
فلست اعنی بهذا اننا عدنا
امة حیة کما کنا، والله تعالی
یحمد علی کل حال،

موت الامم یشبه النوم
وحیاتنا تشبه الیقظة ولا اقول
ان امتنا قد استیقظت کلها
من ذلک النوم الطویل السبات

مجھے امتثال امر سے چارہ نہ تھا اور میں نے
اپنی تقریر کا اس حدیث سے افتتاح کیا
"اس خدا کی حمد جس نے مرنے کے بعد ہمکو
پھر زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کے جانا ہے"
صرف اسی زندگی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے
اور اس لیے کہ ہم یہ بتائیں کہ اب اس زندگی کا
کتنا حصہ حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے
کہ یہ حدیث سوکر اٹھتے وقت پڑھی جاتی ہے اور اس
حدیث سے اپنی تقریر کا افتتاح کرتے ہوئے
بیان کیا تھا کہ اس زندگی سے ہم اتنا فائدہ
اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس لمبی نیند سے اب جاگنے
لگے ہیں اور نیند ایک قسم کی موت ہے خدا تعالے
فرماتا ہے "خدا مرتے وقت جانوں کو وفات
دیتا ہے اور جو جانیں ابھی نہیں مریں انکو سوتے میں"
میری مراد اس بیداری سے یہ نہیں ہے کہ ہم
پھر ایک زندہ قوم ہوگئے جس طرح پہلے تھے
خدا کی ہر حالت میں حمد کرنی چاہیئے۔

قوموں کی موت نیند کے مشابہ ہے اور انکی
زندگی بیداری کے مثل ہے۔ میں یہ نہیں کہتا
کہ ہماری کل کی کل قوم اس لمبی اور گہری نیند
سے جاگ اٹھی ہے۔

المستغرق الذي مرّت عليها القرون وهي فيه لا تشعر بما تعمله الامم الحية المستيقظة من حولها. ولا بما فعلته حوادث الايام في جسمها وانما استيقظ الآن بشدة قوارع تلك الحوادث طائفة من افرادها وهم دعاة الاصلاح الذين ارتفع صوتهم في بلادها،

ايها الاخوة الكرام!

اننا مرضى ودواؤنا في الكتاب الذي نزله الله الينا، قال الله عزّ وجلّ "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۤءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" وكيف يرجى الشفاء لمن جهل الدواء وانما يعرف هذا الدواء بمعرفة اللغة العربية ثم بتلاوته وتدبره بقصد الاستشفاء والاهتداء به فاذا كان بين مسلمي العرب وبينه حجاب

جس پر صدیاں گزر گئیں اور اُس نیند میں وہ نہ جان سکیں کہ دیگر بیدار اور زندہ قومیں اسکے ارد گرد کیا کر رہی ہیں اور اب قوم کے چند افراد کی جماعت ان حوادث کی کھڑ کھڑا دینے والی آوازوں سے چونک اُٹھی ہے اور یہ جماعت اُن داعیانِ اصلاح کی ہے جن کی آواز اسلامی ممالک میں بلند ہو رہی ہے۔

برادرانِ کرام!

ہم بیمار ہیں اور ہماری دوا اس کتاب میں ہی جسکو خدا تعالےٰ نے ہم پر نازل کیا خدا تعالیٰ فرماتا ہی۔

"قرآن سے ہم وہ نازل کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے شفا اور رحمت ہی"

ایسی حالت میں اُس شخص کی شفا کی کیونکر امید کیجا سکتی ہی جو دوا ہی سے ناواقف ہو یہ دوا صرف عربی زبان جاننے سے معلوم ہو سکتی ہی اور پھر اُس کتاب کی تلاوت سے اور اسمیں بغرض حصول شفا و صحت ہی غور و فکر کرنے سے اگر عرب مسلمان اور اس شفا کی درمیان ایک پردہ حائل ہی اور وہ بقصدِ شفا قرآن میں غور نکرتا تو غیر عرب مسلمانوں اور اس شفا کے درمیان پردے حائل ہیں

واحد وهو ترك التدبّر بهذا
القصد فان بين مسلمي العجم
وبينه حجابين وهما جهل
لغته وعدم تدبره وان ازالة
كل من الحجابين من اسهل الاعمال
على الفريقين وقد جرّبنا
تذكير عوام العرب بمواعظ
القرآن فنفعت الذكرى وكذلك
تنفع غيرهم اذا رفع
الحجاب وتوفرت الاسباب
واتيت البيوت من الابواب
"وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ
الْمُؤْمِنِيْنَ" "فَذَكِّرْ اِنْ نَفَعَتِ
الذِّكْرٰى سَيَذَّكَّرُ مَنْ
يَّخْشٰى"

انني اعتقد ايها الاخوة
بالدليل ان تعلم اللغة العربية
فرض على جميع المسلمين فان
ما فرضه الله تعالى عليهم من
تدبره والتذكر والاعتبار به
والاهتداء بهديه كل ذلك

اور وہ قرآن شریف کی زبان سے ناواقف
ہونا اور پھر اُس میں غور نکرنا اور اُن دونوں
جماعتوں کے بیچ ان پردوں کو اُٹھانا نہایت
آسان کام ہے۔ کیونکہ عوام عرب کو ہم نے
قرآن شریف کے نصائح کا وعظ کہنا شروع
کیا تو تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس وعظ سے
انکو فائدہ ہوا، اسی طرح ان کے سوا اوروں کو
بھی فائدہ ہو گا جب پردہ اُٹھا دیا جائیگا
اسباب بکثرت پیدا ہو جائینگے اور گھر میں
دروازوں سے داخل ہونے لگیں گے
یعنی جب ہر کام کی صحیح تدبیر اختیار کرینگے
خدا تعالی فرماتا ہے۔
"نصیحت کر، کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو مفید
ہوتی ہے نصیحت کر اگر نصیحت مفید ہو، جو
ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کریگا۔"

برادران من!

میں دلائل کی بنا پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ
عربی زبان کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے
کیونکہ خدا نے مسلمانوں پر جو قرآن مجید میں
غور و فکر و تدبر کرنا اور اُسکا اتباع
کرنا فرض قرار دیا ہے وہ بالکل

يتوقف على معرفة لغته وقد
روى هذا القول عن بعض علماء
السلف ومنهم الشافعي وهو
ما جرى عليه العمل في الصدر
الاول وهو ابلغ من القول ولولا
هذا الاعتقاد لما انتشرت اللغة
العربية بانتشار الاسلام في
الشام والعراق وفارس من
بلاد المشرق ومصر وافريقية
الشمالية كلها والاندلس من
جهة المغرب وهي البلاد التي
فتحها الصحابة والتابعون رضي
الله عنهم ثم امتدت الى غيرها
من بلاد الاسلام كهذه البلاد
وغيرها من قبل ان تنشاء
المدارس لها ولولا فتنة
العصبية الجنسية التي اثارها
بعض زنادقة العجم في الاسلام
لاجل هدمه وازالة سلطته
لكانت الامة الاسلامية
كلها اليوم تنطق بلسان واحد

اس کی زبان کے جاننے پر موقوف ہی،
عربی زبان کی فرضیت بعض علمائے سلف
سے بھی جن میں ایک امام شافعیؒ ہیں مروی
ہی اور صدرِ اول کا عمل بھی اسی پر رہا -
ظاہر ہی کہ عملی فتویٰ، قولی فتوے سے
زیادہ بہتر ہے اور اگر صدر اول کا یہی اعتقاد
نہ ہوتا تو عربی زبان اسلام کی اشاعت
کے ساتھ ساتھ بلاد مشرق میں سے شام
عراق اور فارس میں اور مغربی جہات میں سے
مصر، افریقہ اور اندلس میں نہ پھیلتی اور یہ
وہی ملک ہیں جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ
عنہم نے فتح کیا، اس کے بعد یہاں سے کچھ
دیگر ممالک اسلام جیسے اس ملک ہندوستان
وغیرہ تک عربی زبان پہونچی اور یہ
عربی زبان کی تحصیل کے لیے مدارس
قائم ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے
اور اگر اس قومی تعصب کا فتنہ
نہوتا جسکو زنادقۂ عجم نے اسلام
میں برپا کیا تاکہ اسلام کی عمارت منہدم
کردیجائے اور اُسکی قوت فنا کردیجائے تو آج
تمام امم اسلامیہ کی زبان احد اور متحد ہوتی

وتدعی الی فلاحها فتستجیب
بصوت واحد،
من الآیات الکثیرة
الدالة علی وجوب تدبر القرآن
والاهتداء به قوله تعالیٰ
"افلا یتدبرون القرآن ولو کان
من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ
اختلافاً کثیراً"، وقوله "افلا
یتدبرون القرآن ام علی
قلوب اقفالها ۔ ان الذین
ارتدوا علی ادبارہم من بعد
ما تبین لہم الہدی الشیطٰن
سول لہم و املی لہم" و قوله
"افلم یدبروا القول ام جاءہم
ما لم یأت اباءہم الاولین ۔
ام لم یعرفوا رسولہم فہم لہ
منکرون" وقوله تعالیٰ۔ "ولقد
یسرنا القرآن للذکر فہل من
مدکر" ای سہلناہ لاجل ان
یتذکر ویتعظ بہ من یتذکر فہل
من متذکر وهو استفہام بمعنی

اور جب اُن کو اُن کے فلاح کی دعوت دیجاتی
تو ایک آواز ہوکر وہ لبیک کہتے، اُن
کثیر التعداد آیات میں سے جو اس بات پر دال ہیں
کہ قرآن مجید میں غور و فکر و تدبر کرنا فرض ہے
بعض آیتیں ہیں "کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے
اگر غیر خدا کے پاس سے وہ ہوتا تو اُسمیں وہ سخت
اختلاف پاتے"؛ "کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے
یا دلوں پہ قفل ہیں۔ جو لوگ ہدایت ظاہر ہونے
کے بعد پشت پھیر کر پیچھے پھر گئے شیطان نے
اُن کو بتے دیے ہیں اور اُن کی ڈھیل دی ہے"
"کیا وہ بات پر غور نہیں کرتے، یا اُن کے پاس وہ
بات آئی جو اُنکے پہلے اسلاف کے پاس نہیں آئی یا
اُنھوں نے رسول کو نہیں پہچانا اور وہ اُس سے
ناآشنا ہیں،" "ہم نے نصیحت حاصل کرنے
کے لیئے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی
نصیحت حاصل کرنے والا ہے"
اِس آخر آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو
اِس غرض سے سہل اور آسان کیا کہ اس سے
وہ لوگ حاصل کریں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتے
ہیں تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے؟ یہاں
پر یہ استفہام امر کے معنی میں ہے۔

الامر وقوله تعالىٰ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ" وقوله "هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" وقوله تعالىٰ "وَذَكِّرْ بِهِ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ" وقوله "فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَأُولٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ" ومنها الآيات التي تبيّن تاثيره في قلوب المؤمنين وقد ذكرنا منها قوله تعالىٰ "اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" الآية وقوله عز وجل "لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا" الآية ومنها الآيات الكثيرة الهادية الى كونه تعالىٰ انزله وجعله تبيانا لكل شيء وكل ذلك لا يكون الا بفهم اللغة العربية فهما صحيحا يؤثر

قرآن مجید کے وجوب تدبر پر یہ آیتیں بھی دال ہیں۔
"یہ وہ کتاب ہی اسمیں شک نہیں پرہیزگاروں کے لیے ہی ہدایت ہی یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایمان والوں کے لیے بصیرت اور رحمت ہی۔ اس قرآن سے نصیحت کرو کہیں کوئی گرفتار ہو جای اپنی کرتوتوں کے بدلے میرے اُن بندوں کو بشارت دے کہ جو باتیں سُنکر اُن میں سے اچھی بات (چُنکر) اُسکی پیروی کرتے ہیں اُنہیں کو خدا نے راہ دکھائی ہی، اور یہی عقل والے لوگ ہیں"
ان میں سے بعض وہ آیتیں ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کا مسلمانوں کے دل پر کیا اثر ہوتا ہی، ہم اس قسم کی آیتوں میں سے اس آیت کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔
"خدا نے ایک متشابہ کتاب بنا کر اچھی بات اُتاری دو دو، اس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے خدا سے ڈرتے ہیں"
اور اس آیت کریمہ کو بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔
"اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے ہو، تو دیکھتا کہ وہ، پست ہو جاتا"
انہیں میں سے وہ اکثر آیتیں بھی ہیں جو اس بات کو بتاتی ہیں کہ خدا نے قرآن مجید کو ہر شے کے لیے تفصیل اور بیان بنایا ہی، اور یہ تمام باتیں وہ ہیں جو قرآن مجید

فی النفس وهذه الضروب من هداية القرآن لا تقتبس الا منه ولست من المسائل الاجتهادية التي تنال بالتقليد وخلاصة القول انا لا شفاء لنا ولا حياة الا بكتاب ربنا وان لا اهتداء به لا يكون الا باحياء لغته، فان الترجمة ليست من كلام الله المنزل وليس لها تاثير فی النفوس واحياء اللغة وسهولة تعلمها انما يكون بما اشرنا اليه من اصلاح التعليم فعليكم ان تساعدوا الذين يتصدون للاصلاح كهذه الندوة المباركة وقد ضاق الوقت عن بيان اصلاح تدريس سائر العلوم الاسلامية ثم بيان ما يحتاج اليه من العلوم الدنيوية وحان موعد حل الجلسة وقد بينا كل ذلك فی الفصل الملحق بنظام مدرسة الدعوة والارشاد فليراجعه من اراد وانني اختم الجلسة الآن،

صحیح طور سے سمجھے بغیر جس سے دل میں اثر پیدا ہو، حاصل نہیں ہوسکتیں۔

حاصل کلام یہ ہی کہ ہماری شفا اور ہماری زندگی خدا کی کتاب میں ہی، اور اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنا بغیر عربی زبان کو زندہ کیے غیر ممکن ہی۔ ترجمہ خدا کا خاص نازل کردہ قرآن نہیں ہی، اور اسی لیے اُس کی تاثیر دل میں زیادہ گہری نہیں اور عربی زبان کا زندہ کرنا اور اس کی تعلیم کا آسان کرنا صرف اُس اصلاح تعلیم سے ہوسکتا ہی جسکو میں بیان کرچکا ہوں۔ ان وجوہ سے آپ پر فرض ہی کہ جو لوگ اس اصلاح کے لیے کوشاں ہیں جیسے یہ مبارک جماعت ندوہ اُن کی آپ امداد کریں۔

تمام علوم اسلامیہ کے طریقہ تعلیم و تدریس کی اصلاح اور جن علوم دنیویہ کی ضرورت ہی اُنکے بیان کرنے کا اب وقت نہیں رہا اور اب جلسہ برخاست ہونے کا وقت آگیا اور یہ تمام باتیں بہ تفصیل اُس مضمون میں ہم بیان کرچکے ہیں جو مدرسہ دارالدعوۃ والارشاد کے نظام (پراسپکٹس)[1] کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا ہی جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے اور اب میں اس اجلاس کو ختم کرتا ہوں۔

---

[1] یہ پراسپکٹس اس مطبع میں زیر طبع ہے

اَلتَّربِيَةُ

(ووجه الحاجة اليها وتقاسيمها
والكلام علی تربية الامم
والاسلام والتربية الدينية
والاسلام وتربية الارادة)

خُطبة ارتجالية
القاها في مدرسة
العُلوم الكلّية بعليكره
حضرة العلّامة المصلح
والتقي الصّالح مولٰنا
السّيّد محمد رشيد رضا
صاحب المنار

ايها النواب الجليل، ايّها
الاساتذة والوجوه الاجلاء،

التّربیتہ

(اور اُس کی ضرورت، اور اُس کی تقسیم
قوموں کی تربیت اور اسلام،
دینی تربیت اور اسلام،)

لکچر حضرت علامہ مصلح
والتقی الصالح سید رشید رضا
اڈیٹر المنار

مدرستہ العلوم علی گڈہ میں

جناب نواب صاحب! واساتذہ کرام!
وشرفاے عالی مقام!

والطلاب النجباء،

ثم فتموني يدعوتكم اياي الى الخطابة فيكم، فلم اريدًا من اجابة دعوتكم والشكر لكم، وقد اخترت ان يكون كلامي في التربية التي هي من علمكم وعملكم، وان كنت في ذلك كمن ينقل التمر الى البصرة كما يقال في المثل، ولو شئت لتكلمت في موضوع ليس لكم فيه علم تفصيلي كحالة المسلمين في بلادنا، ولكن بحث التربية اهمّ، والحاجة اليه اشدُّ، فرأيت ان اعرض على مسامعكم شيئًا من رأيي فيه لانني اشتغل به علما وعملا كما تشتغلون، فان وافق رأيكم حمدت الله تعالى على اتفاقنا في هذا الشان العظيم على بُعد الدار، واختلاف اللسان وان خالفه رجوت ان تنبهوني وتبينوا الى ما ترون انه الصواب۔

وطلبائے ذوی الافہام!

آپ نے مجکو اس امر کی دعوت دیکر میں آپ کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کروں، میری عزت افزائی فرمائی، پس میرے لیے سوائے اسکے کوئی چارہ نہ تھا کہ میں نہایت شکرگزاری کے ساتھ آپ کی دعوت کو قبول کروں. میں پسند کرتا ہوں کہ تربیت کی نسبت کچھ عرض کروں جس میں علماً وعملاً آپ مصروف ہیں. اگرچہ اس صورت میں میری مثال اُس شخص کی سی ہوگی جو بصرہ میں کھجوروں کا تحفہ لیجاتا ہے - اگر میں چاہتا تو آپ کے سامنے ایسے موضوع پر تقریر کرسکتا تھا جس کے متعلق آپ کو تفصیلی علم نہیں ہے (مثلاً مصری مسلمانوں کی حالت) لیکن تربیت کی بحث زیادہ اہم اور اس کی ضرورت زیادہ شدید ہے. اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اسکے متعلق اپنی اجمالی رائے آپ حضرات کے سامنے پیش کروں کیونکہ میں بھی آپ کی طرح ایک عرصہ سے علماً وعملاً اس میں مصروف ہوں. پس اگر آپ کی رائے میری رائے کے مطابق ہوگی تو میں خداوند تعالیٰ کا شکر کرونگا کہ اس مہتم بالشان مسئلہ میں باوجود بُعدِ مسافت اور اختلاف زبان کے ہم اور آپ متفق ہیں. اور اگر کچھ اختلاف ہوگا تو امید ہے کہ آپ مجھکو متنبہ کرینگے اور جو آپ کے نزدیک صحیح ہو اُسکو بیان فرمائینگے

فاستفيد من علم اخواني وتجاربهم ما انا في اشد الحاجة اليه، و الحقيقة بنت البحث كما يقولون،

تنقسم مباحث التربية الى عدة اقسام باعتبارات مختلفة، فمن ذلك انقسامها بحسب الموضوع الى تربية الجسد وتربية النفس وتربية العقل، ومنه انقسامها بحسب الموضع الى تربية المنزل وتربية المدرسة وانقسامها بحسب المربي الى تربية الام والاب للولد وتربية الاستاذين للتلاميذ، وتربية المرء لنفسه، وانقسامها بحسب المربى الى تربية الافراد وتربية الامم، وهنالك اقسام اخرى اصلية او فرعية كبحث التربية الدينية ونسبة المسلمين فيها الى غيرهم من اهل الملل، وبحث تربية استقلال الفكر والارادة وهو

اور اس صورت میں میں اپنے بھائیوں کے علم اور انکے تجربہ سے مستفید ہونگا جسکی مجکو سخت ضرورت ہے۔ اور حقیقت کا اظہار بحث سی ہوتا ہی۔ جیسا کہ مثال میں کہا جاتا ہی

تربیۃ کا مبحث مختلف اعتبارات سے بہت سے اقسام پر منقسم ہوتا ہی۔ منجملہ انکے تربیت کی تقسیم باعتبار موضوع کے تین قسموں پر کیجاتی ہی۔ تربیت جسمانی، تربیت نفسی، اور تربیت عقلی۔ اور باعتبار مقام تربیت کے اسکی تقسیم دو قسموں پر ہوتی ہی۔ تربیت منزل، اور تربیت مدرسہ اور باعتبار مربی کر اسکی تقسیم د قسموں پر ہوتی ہی۔ تربیت والدین اولاد کے لیے، اور تربیت اساتذہ شاگردوں کے لیے، اور تربیت انسان کی اپنے نفس کے لیئے اور اس شخص کے اعتبار سے جس کی تربیت کی جائے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ افراد کی تربیت، اور قوموں کی تربیت۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی قسمیں ہیں جن میں بعض اصلی اور بعض فرعی ہیں۔ مثلاً دینی تربیت کی بحث اور مسلمانوں کا مقابلہ اس تربیت کے اعتبار سے دیگر اہل مذاہب کے ساتھ۔ اور تربیت استقلال فکر و استقلال ارادہ کی بحث، جو عقلی اور نفسی تربیت کی فروعات ہیں۔

من فروع تربية العقل وتربية
النفس۔

اما وجه الحاجة الى التربية
فلا أراني في حاجة الى الافاضة
فيه لاجل الاقناع به فان هذا
قد صار عند امثالكم من قبيل
البديهيات التي لا نزاع فيها
وانما اذكر لكم بعض آيات القرآن
الحكيم في ذلك للتذكير بهدايته
العليا وموافقته لما يدل عليه
العقل والتجارب، وتقتضيه طبيعة
الاجتماع البشري۔

قال الله تعالى "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ
مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ"

يعني ان الله تعالى خلق كل فرد
من افراد الانسان جاهلا لا يعلم
شيئا مما يحتاج اليه لاقامة
بناء حياته الشخصية والنوعية
فكان في مبدأ خلقه واول نشأته

مگر اس امر کے ثبوت میں کہ تربیت کی ضرورت ہے
مجھے کسی تفصیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔
کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو آپ جیسے حضرات کے
نزدیک بدیہیات میں داخل ہے جس میں بحث
وگفتگو نہیں ہوسکتی۔ میں اس باب میں قرآن مجید
کی بعض آیتیں پیش کرتا ہوں، اور آپ کی
توجہ اس کی اعلیٰ درجہ کی ہدایت کی طرف،
اور نیز اس امر کی طرف کہ وہ عقل اور تجربہ
اور مقتضائے طبیعت اجتماع انسانی کے
مطابق ہے، مبذول کرتا ہوں۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "اور اللہ ہی ہے
جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے
نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اُس نے تم کو
کان دیئے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے
تاکہ تم اُس کا شکر کرو"

یعنی خداوند تعالے نے افراد انسان میں
سے ہر ایک فرد جاہل پیدا کیا شخصی اور
نوعی زندگی قائم رکھنے کے لیے جن چیزوں
کی ضرورت ہے وہ اُن سے بالکل
ناواقف تھا۔ اس لیے وہ اپنی ابتدائی
خلقت میں تمام انواع حیوانات سے

دون سائر انواع الحيوان التي
يخلقها الله تعالى عالمة بما تحتاج
اليه بالفطرة، متوجهة اليه بالطبع
ولهذا قال تعالى في اية اخرى،
"وَخُلِقَ الإنسَانُ ضَعِيفًا" فا
الانسان من هذه الجهة ضعف
من الحيوانات حتى ما كانت بنيتها
منها اضعف من بنيته ولكن الله
تعالى اعطاه من المواهب والقوى
ما ان استعمله فيما خلق لاجله
كان اقوى المخلوقات في هذه
الارض يسخر الحيوانات القوية
لمنفعته، ويستخدم قوى الطبيعة
في اعماله، وبهذا كان في مجموعه
خليفة لله في ارضه، يظهر اسرار
خلقه وسننه الحكيمة فيها، و
قال تعالى في خلقه بهذه المزايا
"لَقَدْ خَلَقْنَا الإنسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ"، وهو لا يرتقي في معارج
الكمال بمزاياه الا بشكر الله
تعالى على نعمة الحواس والمشاعر

کم تھا، جو اپنی ضروریات زندگی کا فطری علم
لیکر پیدا ہوتی، اور بالطبع ان کی طرف متوجہ
ہوتے ہیں۔ اسی لحاظ سے خداوند تعالیٰ نے
دوسری آیت میں فرمایا کہ "انسان کمزور پیدا
کیا گیا ہے" کیونکہ انسان اس حیثیت سے تمام
حیوانات سے زیادہ ضعیف اور کمزور ہے حتیٰ کہ
اُن حیوانات سے بھی جو جسم کے لحاظ سے
اُس سے کمزور ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے
اسکو ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں کہ اگر اُن کو انہیں
کاموں میں استعمال کیا جائے جنکے لیے وہ عطا
کی گئی ہیں تو یہ ضعیف انسان تمام روئے زمین کے
مخلوقات سے زیادہ قوی ثابت ہوگا، وہ زبردست
اور شہزور حیوانات کو اپنے فوائد کے لیے مسخر کریگا اور
طبعی قوتوں سے اپنے کاروبار میں مدد لیگا اور
اس طرح پر وہ زمین میں خدا کا خلیفہ ہوگا۔ اس کی
خلقت کے رموز و اسرار اور اسکی قدرت کے قوانین کو ظاہر کریگا
خداوند تعالیٰ نے اسکی خلقت کی نسبت اُن فضائل
کے اعتبار سے فرمایا ہے "پیدا کیا ہم نے انسان کو
بہتر صورت میں" انسان اپنے ان خلقی فضائل کے
ذریعہ سے کمال کے اُن اعلیٰ مدارج تک نہیں پہنچ سکتا
جبتک کہ وہ خداوند تعالیٰ کا شکریہ اسکی عظیم الشان
نعمتوں مثلاً حواس باطنی اور ظاہری اور

الظاهرة والعقول والوجدانات
الباطنة وعبر غيرها بالافئدة
فی الآیة حسب استعمال العرب
وانما الشكر عليها هو استعمالها
فيما خلقت لاجله من تحصيل العلم
بالمنافع والمضار والمصالح و
المفاسد لاجل العمل بما تقتضيه
الفطرة من اجتناب المضرة و
المفسدة واختيار المنفعة و
المصلحة على بصيرة وعلم۔

العبرة فی الآیة ان الشكر
من اعمال الانسان الاختيارية
لا من مواهبه الفطرية، وقد
ارشدنا القرآن ودلنا العلم
والاختبار على ان الانسان
يستفيد من حواسه وعقله
بقدر تعاون افراده على ذلك
بالبحث والعمل واستفادة
المتأخرين مما وصل اليه
علم من قبلهم واختبارهم
حتى لا يضطر كل منهم ان يبدأ

عقول اور وجدانات باطنی ہی ادا نہ کرے۔ آیات
بالا میں وجدانات باطنی کو عرب کے استعمال کے مطابق
"افئدہ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان نعمتوں کی
شکرگزاری یہ ہے کہ ان کو انہیں کاموں میں استعمال
کیا جائے جنکے لیے وہ عطا کی گئی ہیں جیسا کہ
منفعتوں اور مضرتوں اور مصالح اور مفاسد کا علم
حاصل کرنا تاکہ اقتضائے فطرت کے مطابق اس پر
عمل کیا جائے اور علم و بصیرت کے ساتھ
مضرتوں اور مفاسد کو چھوڑ کر منفعتوں اور
مصلحتوں کو اختیار کیا جائے۔

اس آیت میں موجب عبرت یہ امر ہے کہ
شکر انسان کے اختیاری افعال میں سے ہے
فطری نہیں ہے۔ قرآن مجید نے ہم کو رہنمائی کی ہے
اور نیز علم اور تجربہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے
کہ نوع انسان کے افراد اس معاملہ میں جسقدر بحث
و عمل کے ذریعہ سے ایک دوسرے کی معاونت کرینگے
اور متاخرین متقدمین کے علوم اور تجارب سے مستفید ہونگے
تاکہ ہر ایک نسل کو اپنی ضروریات کے متعلق از سر نو
علم اور تجربہ کی ضرورت پیش نہ آئے اور اسوجہ
سے ان میں کوئی فرد بھی ترقی کے اعلی
مدارج پر نہ پہنچ سکے)

استئناف الاختبار لکل ما یحتاج
الیه من الضروریات، فلا یفرغ
حینئذ احد منهم الی الترقي في
معارج الکمالیات، وجملة القول
في هذه المسئلة ان الله تعالی
وهب الانسان المشاعر والمدارك
الظاهرة کالسمع والبصر والباطنة
کالعقل والوجدان، وجعلها
الات له یرتقي بها الی ما هو
مستعد له من الکمال، ووکله
في ذلك الی نفسه، وناط سعادته
اوشقاوته بعلمه وعمله، فکان
محتاجاً بمقتضی فطرته الی ان یقوم
بعض افراده بتربیة الاخرین
وتعلیمهم حتی لا یطول علیهم
امد الجهل، والخطاء في العمل،
وانما یکمل ذلك بجعل التربیة
والتعلیم فنین ینفرد بهما من یتقنهما
کما انعم الله تعالی
علی افراد الناس بالحواس والعقول
انعم علی جملتهم بعلم اخرا علی

اسی قدر انسان اپنی عقل اور حواس ظاہری
و باطنی سے مستفید ہو سکے گا۔ اس مسئلہ
کے متعلق خلاصہ کلام یہ ہی کہ خداوند تعالی
نے انسان کو حواس ظاہری مثلاً سمع اور
بصر اور حواس باطنی مثلاً عقل اور وجدان
عطا فرمائے ہیں اور یہ اُس کے لیے
بطور آلات کے ہیں جن کی مدد سے وہ انسانی
کمال کے اُس درجہ پر ترقی کر سکتا ہی جس کی
فطری استعداد اُس میں موجود ہے اور یہ
ترقی اُس کے اختیار میں دی گئی ہی اور اسکی
سعادت اور شقاوت خود اُسکے علم و عمل پر
منحصر رکھی گئی ہی، پس وہ باعتبار اپنی فطرت
کے اس امر کا محتاج ہی کہ اُس کے بعض افراد
دوسرے افراد کی تعلیم و تربیت کے لیے
کمر بستہ ہوں، تاکہ جہالت اور عملی غلطیوں
کی مدت طول نہ پکڑے، اور یہ اُسی وقت
ہو سکتا ہی جبکہ تعلیم اور تربیت دو مستقل فن
قرار دیئے جائیں اور بعض اشخاص انکی تکمیل کریں،
جس طرح خداوند تعالی نے انسانی افراد کو عقول
اور حواس عطا فرمائے ہیں، اسی طرح ان تمام کو
ایک دوسرے علم کی نعمت دی ہے

من العلوم التي يستفيدها كل
فرد بكسبه وبحثه، وهو الوحي
الذي ايد به رجالا منهم بافاضته
عليهم من لدنه بغير كسب ولا
بحث، فكان كالعقل للنوع. كما
قال الاستاذ الامام. ولولاه لما
ارتقى البشر الا في الزمن الطويل
بالسير الناقص البطيء، "كَانَ النَّاسُ
أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ،،

هذه اشارة الى ما تقتضيه
فطرة البشر من الحاجة الى التربية
والتعليم، نقرنه باشارة اخرى الى
مكانة التربية والتعليم من دين
الفطرة الذي ختم الله به الاديان
وهو دين الاسلام، واكتفي في بيان
هذا بقوله تعالى في سورة الجمعة
"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"

جو ان تمام علوم سے ارفع اور اعلیٰ ہی جن کو
ہر ایک فرد انسان اپنے ذاتی کسب اور تلاش
وجستجو سے حاصل کرتا ہی۔ اور وہ وحی ہی
جس سے خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص
بندوں کی بغیر بحث اور کسب کے تائید فرمائی ہی
پس وہ جیسا کہ استاذ الامام (شیخ محمد عبدہ)
نے فرمایا ہی نوع انسان کے لیے بمنزلۂ عقل
کے ہے۔ اگر وحی الٰہی کی تائید نہ ہوتی تو نوع
انسان نہایت ناقص اور سست رفتار کے
ساتھ عرصہ دراز میں ترقی کرتی۔ "تمام لوگ پہلے
ایک جماعت تھے، پھر بھیجدیئے اللہ نے پیغمبر بشارت
دینے والے اور ڈر سنانے والے"۔

نوع انسان کے لیے بمقتضائے فطرت تعلیم و
تربیت کی جو حاجت ہی یہ اس کی طرف اشارہ ہی
اس اشارہ کو ہم اس اشارہ کے ساتھ ملاتے ہیں
جو تعلیم و تربیت کے درجہ عالی کی نسبت اس دین
فطرت میں کیا گیا ہی جو تمام ادیان کا ختم کرنیوالا ہی
اور جسکا نام اسلام ہی۔ میں اس معاملہ میں چند آیتوں پر اکتفا
کرتا ہوں، خداوند تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا کہ
"وہی ہی جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک پیغمبر انہیں میں
سے بھیجا وہ ان پر اسکی آیتیں پڑھتا اور ان کو پاک
کرتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہی اگرچہ اس سے
پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے"۔

وقوله تعالى في سورة البقرة۔
"كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" ۵ فقد بين الله
تعالى انه ارسل رسوله ليكون
مربيًا معلمًا، فان التزكية
هي التربية الفضلى التي تكون
بها نفس الانسان زكية كريمة
متحلية بالفضائل، مطهرة
من الرذائل، والكتاب
مصدر بمعنى الكتابة اے
يعلمهم ان يكونوا كاتبين
لما يعلمونه ليحفظ وينتشر،
وان يكونوا حكماء عارفين
بالعلوم النافعة التي ترتقي بها
افرادهم وجماعتهم، وليس
وراء هذا التعليم وتلك
التربية غاية، الا ما يترتب
على الكمال فيهما من سعادة الدنيا
والآخرة۔

اور سورہ بقر میں فرمایا ہے "جیسا کہ ہمنے
تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں کا جو پڑھتا ہے
تم پر ہماری آیتیں اور تم کو کتاب اور حکمۃ سکھاتا
ہے اور بتاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہ جانتے
تھے"۔ ان آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے
بیان فرمایا ہے کہ اُس نے رسول بھیجے
تاکہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کریں، کیونکہ
تزکیہ وہ اعلیٰ درجہ کی تربیت ہے جس سے
انسان کا نفس پاک صاف فضائل سے
آراستہ اور رذائل سے پاک ہو جائے،
لفظ کتاب مصدر ہے جس کے معنی کتابت
کے ہیں یعنی ان کو تعلیم دے کہ جو چیزیں وہ
جانتے ہیں ان کو لکھنے کا ملکہ حاصل کریں
تاکہ وہ محفوظ رہیں اور شائع ہوں۔ اور
یہ کہ ان کو حکیم اور مفید علوم و فنون سے
واقف ہونا چاہیے جن سے انسانی افراد
اور قوموں کی ترقی ہوتی ہے۔ اور اس سے
بڑھ کر تربیت کا کوئی درجہ نہیں ہو سکتا
سوائے اس دنیوی اور دینی سعادت کے
جو اس کمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تربية الامم و رسالة خاتم النبيين

انتقل من هذه المسألة الى كلمة اقولها في تربية الامم وهي من اقسام التربية التي بينتها في بدأ الكلام فاقول: المراد بتربية الامم احداث انقلاب عام فيها ونقلها من طور الى طور اعلى منه. وارقى في الحياة المادية والمعنوية، وهذا العمل هو اشق الاعمال البشرية وارقاها، وهو يتوقف على علم صحيح واسع يقل في الناس من يتقنه وعلى بصيرة نافذة يندر في البشر من يؤتيها، وعلى اعوان كثيرين من اهل هذه البصيرة والعلم يعملون بالتعاون والاخلاص، وما كل عليم بصير يتقن العمل بعلمه ويفلح فيه، وان كان عمله دون

قوموں کی تربیت اور حضرت خاتم النبیین کی رسالت

اس مسئلہ کے بعد میں چند الفاظ قوموں کی تربیت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ اور یہ تربیت کی ایک قسم ہی جسکو میں آغاز کلام میں بیان کر چکا ہوں، قوموں کی تربیت سے مراد، ان میں ایک ایسا عام انقلاب پیدا کرنا اور انکو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا ہی جو مادی اور روحانی زندگی کے لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہو۔ اور یہ انسانی اعمال میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور دشوار ترین عمل ہی۔ اور یہ ایک وسیع اور صحیح علم پر موقوف ہی جسکے ماہرین بہت کم ہوتے ہیں اور ایسی تیز بصیرت پر منحصر ہی جو قدرت کی طرف سے بہت کم لوگوں کو دیجاتی ہی۔ اور نیز اسکے لیے ایسے بیشمار اعوان و انصار کی ضرورت ہی جو اہل علم و صاحبان بصیرت ہوں و نیز جو باہمی معاونت اور اخلاص کے ساتھ کام کریں۔ ہر ایک ذی علم صاحب بصیرت نہیں ہوتا جو اپنے علم کے مطابق ماہرانہ طور پر عمل کر سکے اور اس میں کامیاب ہو سکے۔ اگرچہ اُس کا کام قوموں کی اصلاح

اصلاح احوال الامم، وتغییر احوالها
الاجتماعیة، وانما تتغیر
اطوار الامم عادةً بالتدرج
البطیئ فی الزمن الطویل۔
ان علوم الاجتماع البشری
والاخلاق وطبائع الامم والسیاسة
والتربیة وغیرها من العلوم
التی یحتاج الی معرفتها رجال
الاصلاح الذین یربون الامم
قد صارت مدونة تدرس فی
معاهد العلم وهی مقتبسة من
کتب الادیان ومن التواریخ و
التجارب، والمتقنون لها فی الشعوب
المرتقیة کثیرون فی انفسهم وان
کانوا اقل من المتقنین لغیرها،
ولکن لا یوجد فیهم من یقدر
علی احداث انقلاب سریع او
تغییر فی احوال امة من الامم
البدویة او الامم الحضریة،
وانما یحاولون مثل هذا التغییر
بانشاء المدارس الکثیرة وتعمیم

اور تمدنی حالات کے تبدیل کرنے سے
کم درجہ کا ہو۔ قوموں کی حالتوں میں تغیر تدریج
اور آہستگی کے ساتھ زمانہ ہائے دراز میں
ہوتا ہے۔
علوم تمدن و اخلاق و علم طبائع امم اور
علم سیاست و تربیت اور دیگر علوم
جن کا جاننا اُن مصلحین کے لیے ضروری ہے،
جو قوموں کی تربیت کرتے ہیں وہ مدوّن
ہو چکے ہیں جن کی تدریس کا سلسلہ اعلیٰ
تعلیم گاہوں میں جاری ہے۔ یہ علوم
کتب مذاہب و تواریخ اور تجارب سے
ماخوذ ہیں۔ اور ان کے ماہر ترقی یافتہ
قوموں میں بکثرت ہیں۔ اگرچہ بہ نسبت
دیگر علوم کے ماہرین کی اُن کی تعداد کم ہے
لیکن اُن میں سے کوئی شخص بھی اس بات
کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ کوئی سریع
انقلاب یا کسی وحشی اور بدوی قوم
کی حالت میں بھی کوئی فوری تغیر
پیدا کر سکے۔ ایسا تغیر بے شمار
مدارس قائم کرنے اور تعلیم و
تربیت کو عام کرنے سے متعدد

التربية والتعليم، وتعاقب
القائمين بذلك عدة اجيالٍ
اذا تصفحنا تاريخ البشر
رأينا ان ابدع مثال واغرب
صورة من مُثُل تربية الامم
وصورها هو ما كان برسالة
نبيّنا محمد صلى الله عليه وسلم
اُمّيٌّ نشأ (بين) من لم يقرأ
كتابًا ولم يمسك بيده قلمًا
بل لم يكن يوجد في بلده الذي
نشأ فيه كتاب يقرأ (بالمعنى
الذي نفهمه الآن من كلمة
"كتاب"، وهو مجموعة صحف
كتب فيها كثير من المسائل) وقال
بعض المؤرخين انه لم يكن يوجد
في مكة قبل بعثته احد يعرف
الخط الا ستة رجال ما تعلموه
في مدرسة ولا قرءوا به علمًا،
وانما الجأتهم الضرورة الى
ذلك بالاتجار، ومخالطة بعض
الشعوب في الاسفار، نبي هذا

نسلوں کے بعد پیدا کیا جاتا ہے۔
اگر ہم تاریخ انسان کی ورق گردانی
کریں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ
قوموں کی تربیت کی سب سے زیادہ
عجیب و غریب اور حیرت انگیز مثال وہ
ہے کہ جو ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی رسالت سے دنیا میں ظاہر ہوئی۔
ایک اُمّی شخص جس نے ایسے لوگوں
میں نشو ونما پائی جنھوں نے نہ کوئی کتاب
پڑھی تھی اور نہ کبھی قلم چھوا تھا۔ بلکہ جس
شہر میں اس نے نشو ونما پائی تھی اس میں
کوئی کتاب بھی (اپنے اصلی معنوں میں
جو لفظ کتاب سے اسوقت سمجھی جاتی ہیں
یعنی اوراق کا مجموعہ جس میں بہت سے
مسائل لکھے ہوئے ہوں) نہیں پائی
جاتی تھی۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ مکہ
معظمہ میں آپ کی بعثت سے پہلے
سوائے چھ شخصوں کے ایک بھی ایسا موجود نہ تھا
جو لکھنا جانتا ہو۔ جنھوں نے نہ کسی مدرسہ
مدرسہ میں تعلیم پائی تھی اور نہ اس کے
ذریعہ سے کوئی علم سیکھا تھا۔

شأنه وشأن قومه في الامية
والبُعد عن اسباب العلم و
الحضارة، نهض تربيتهم و
هو في سن الكهولة، فتمّ
التغيير والتبديل، قبل انقراض
الجيل، بهداية هذا القرآن
الحكيم وتربية هذا النبي الامي
العظيم، ثم حمل هذه الهداية
الذين تربوا بها في الكبر،
الى اهل الحضارة والبداوة من
شعوب البشر، فما دخلوا قطرا
من الاقطار محاربين او مسالمين
الا وجذبوا اهله الى دينهم و
لغتهم من غير مدارس تنشأ،
ولا كتب تقرأ، ولا مجالس للجدال
تعقد، ولا اموال ولا منافع
تبذل، ولا سيف للاكراه على
الذين يستدل، وانما كانت سيرتهم
الطاهرة، وآدابهم العالية، هي
التي تجذب الامم اليهم، وتقسر
سرائرها على الاقتداء بهم، و

صرف تجارتی ضرورتوں اور غیر قوموں کے
ساتھ میل جول کی وجہ سے اُنھوں نے
لکھنے کا فن حاصل کیا تھا۔ وہ پیغمبر جس کی
اور جس کی قوم کی بلحاظ اُمّی ہونے کے یہ
حالت تھی اور جنکو وسائل علم اور شائستگی
سے اس قدر بُعد تھا اپنے کہولت کے
زمانے میں ان کی تربیت کے کھڑا ہوا اور
اس عظیم الشان پیغمبر کی تربیت اور اس
قرآن حکیم کی ہدایت کے ذریعہ سے ایک
نسل کے ختم ہونے سے پیشتر تغیر اور تبدل
کی پوری طرح پر تکمیل ہو گی۔ اسکے بعد جن
لوگوں نے تربیت پائی تھی اس ہدایت کو لیکر دنیا
کی شائستہ اور غیر شائستہ قوموں کی طرف بڑھے
اور جس ملک میں وہ جنگ یا صلح کے ذریعہ سے داخل ہوئے
اسکے باشندوں کو اپنے مذہب اور اپنی زبان کی طرف
کھینچ لیا، نہ کوئی مدارس قائم کیے گئے اور نہ کتابیں
پڑھائی گئیں اور نہ مباحثے اور مناظرے کے جلسے منعقد ہوئے
اور نہ روپیہ کا لالچ دیا گیا اور نہ کسی کی گردن پر جبر کی تلوار
کھینچی گئی۔ صرف ان کی پاک سیرت اور اعلیٰ اخلاق و
آداب تھے جو قوموں کو اُنکی طرف کھینچتے اور اُنکی
طبیعتوں کو ان کی پیروی پر اور اُنکی عقلوں کو

تقود عقولها الى الدخول في
زمرتهم، وقد شهد لهم ولمن
تبعهم ممن بعدهم علماء الافرنج
المنصفون ومؤرخوهم المحققون
قال الحكيم الفرنساغوستاف
لوبون صاحب كتاب حضارة
العرب ما عرف التاريخ فاتحًا
ارحم ولا اعدل من العرب۔
وقد بينت كيفية نشأة الاسلام
وانتشاره في خطبتي الختامية
لاحتفال ندوة العلماء۔

أريد بذكر هذا المثال
الخارق للعادة من تربية الامم
ان اذكركم آية على نبوة نبينا
صلى الله عليه وسلم تفوق جميع
ما أوتي النبيون من الآيات التي
لاجلها آمن بهم الناس فانها
آية علمية عملية تدل على
التائيد الالهي دلالة عقلية
حسية، واما نحو قلب العصا حية
وابراء الاعمى والابرص فليست

ان کی جماعت میں داخل ہونے پر مجبور کرتے تھے
یورپ کے انصاف پسند عالموں اور محقق
مورخوں نے ان کی اور جانشینوں کی خوبیوں
کی شہادت دی ہے۔ فرانس کے مشہور حکیم
گستاولیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں
لکھتا ہے کہ ”دنیا کی تاریخ میں عرب سے عادل اور
رحیم نہیں پایا جاتا“ اسلام کی ابتدائی نشو و نما
اور اس کی اشاعت کی کیفیت میں ندوۃ العلما
کے اختتامی خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔

قوموں کی تربیت کی اس خارق عادت
مثال کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے،
کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
کی تائید میں ایک ایسا معجزہ آپ کو یاد
دلاؤں جو گزشتہ پیغمبروں کے ان
تمام معجزات سے فائق اور برتر ہیں
جن کو دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے
تھے۔ کیونکہ وہ ایک علمی اور عملی معجزہ ہے
جو تائید الٰہی پر حسی اور عقلی دلالت
کرتا ہے۔ لیکن لاٹھی کو سانپ
بنا دینا یا اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا
کر دینا ایسے معجزات ہیں

دلالته على النبوة من هذا القبيل
وقد آمن بسببها من آمن من
الناس لانهم اعتادوا ان يخضعوا
لمن يظهر على يديه امر يعلو
قدرتهم لاعتقادهم ان ذلك
لا يكون الا من القدرة الالهية
والسلطة الغيبية، وكانوا بذلك
يقبلون هداية الانبياء عليهم
السلام فيحصل المقصود من
بعثتهم. وقد ضرب ابو حامد
الغزالي في كتابه القسطاس المستقيم
مثلا للفرق بين الآية العلمية
التي هي العمدة والاصل في الدلالة
على نبوة نبينا (ص) والآيات الكونية
التي كان يحتج بها الانبياء السابقون
عليهم السلام فقال اذا ادعى رجل
انه طبيب ودعا المرضى الى قبول
معالجته واستعمال ادويته و
استدل على صدقه في دعواه
بقلب العصا حية لا يكون دليله
كدليل من يدعي مثل دعواه و

جن کی دلالت نبوت پر اس قسم کی نہیں ہے.
ان معجزات پر لوگ اس وجہ سے ایمان لائے
کہ وہ ایسے شخص کے فرماں بردار ہونے
جانے کے عادی تھے جس سے ایسے امور
سرزد ہوں جو ان کی قدرت سے بالاتر ہوں
کیونکہ اُن کا اعتقاد تھا کہ ایسی باتیں سوائے
خداوندی قدرت اور غیبی طاقت کے نہیں
ہوسکتیں۔ اور اس ذریعہ سے وہ انبیا علیہم السلام
کی دعوت قبول کرتے تھے اور ان کی بعثت
سے جو مقصود تھا وہ پورا ہوجاتا تھا۔ امام غزالی
اپنی کتاب قسطاس المستقیم میں اس علمی معجزہ کے
جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پہ
دلالت کرنے میں اصل اصول ہے اور ان کونی معجزات
کے درمیان جنسے انبیاء سابقین علیہم السلام اپنی
نبوت پر استدلال کرتے تھے فرق بیان کرنیکے لیے
ایک عمدہ مثال لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی
شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے اور مریضوں
کو اپنا معالجہ قبول کرنے اور دوائیں استعمال کرنیکے لیے
بلائے اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں لاٹھی کو
سانپ بنا کر دکھلائے تو اسکی یہ دلیل اس مدعی طبابت
کی دلیل کے ہم وزن نہیں ہوسکتی جو

يدعوالى مثل دعوته مستدلا
على صدقه بكتاب الفه في علم
الطب ثم بمعالجته طائفة من
المرضى بما في ذلك الكتاب
من بيان طرق العلاج والادوية
وشفائهم بذلك في اقرب وقت
واسرعه۔

نشأ نبيُّنا صلى الله عليه
وسلم أُمّيًّا بين قوم أميين
ولم يُعنَ في صباه وعهد شبابه
بما كان يُعنى به فصحاء قومه و
اذكياؤهم من الشعر والخطابة
والمباراة في المفاخرة والمماتنة
ثم قام في سن الكهولة يدعوا
قومه وسائر الامم الى اصلاح ما
فسد من عقائدهم واخلاقهم
واحكامهم وسياستهم واحوالهم
الشخصية والاجتماعية، و
قال ان الله اوحى اليه من العلم
ما يكفل ذلك ووعده ان يؤيده
فيه فهو يربي قومه العرب و

جو اپنی طبی حذاقت کے ثبوت میں اپنی
ایک ایسی تصنیف پیش کرتا ہے جس کے
طریق علاج اور نسخوں سے مریضوں کی
ایک جماعت کو بہت جلد شفا حاصل
ہو جاتی ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے
جو اُمّی تھے اُمیوں کی قوم میں نشو و نما
پائی۔ آپ نے اپنے لڑکپن اور
شباب کے زمانے میں اپنی قوم کے
فصیح اور ذہین لوگوں کی طرح کسی وقت بھی
شعر اور خطابت کی طرف توجہ نہیں فرمائی
اس کے بعد کہولت کے زمانے میں
اپنی قوم اور نیز تمام دنیا کی قوموں کو انکے
عقائد و اخلاق اور احکام و سیاسات
اور شخصی اور قومی حالات کی جو بالکل
فاسد ہو رہے تھے اصلاح کرنیکے لیے
کمربستہ ہوئے اور اس بات کا دعوی کیا
کہ خدا نے مجھ پر ایسے علم کی وحی بھیجی ہے جو اس
اصلاح کا کفیل ہے اور اُس نے وعدہ
کیا ہے کہ وہ میری تائید کرے گا۔
اور میں اپنی قوم کی اصلاح کروں گا۔

يزكيهم بالقرآن ويعلمهم الكتاب
والحكمة وهم ينشرون دعوته
ويبثون حكمته في الامم فيفتح
الله لهم المشرق والمغرب،
وينقل الله بهم الامم والشعوب
من حال الى حال اعلى وارقى،
من الوثنية والعبودية والذلة
والظلم وفساد الاخلاق والآداب
والجهل الى التوحيد والعدل و
الحرية والآداب والفضائل والعلم
وثمراته، وقد كان ذلك فهل
يعقل ان هذا مما يقدر عليه
أمّيّ مثله بعلمه الكسبي و
استعداده الشخصي؟ كيف و
نحن نرى الدولة القوية بالعلم
والنظام والسلاح تستولي على
قطر من الاقطار او شعب من
الشعوب بالقوة القاهرة ثم تقبض
بكلتا يديها على جميع اسباب
حياته الحسية والمعنوية ومصالحه
الجسدية والروحية وتحاول ان

اور قرآن مجید کے ذریعہ سے اُن کو پاک کردونگا اور انکو
کتاب اور حکمت کی تعلیم دونگا اور وہ میری دعوت اور
حکمت کو دنیا کی قوموں میں شائع کرینگے اور خداوند
تعالیٰ اُن کے لیے مشرق اور مغرب کے دروازے
کھولدیگا اور اُن کے ذریعہ سے دنیا کی قوموں
اور گروہوں کو پست حالت سے نکالکر اعلیٰ اور
ترقی یافتہ حالت پر پہونچائیگا۔ بت پرستی اور
غلامی اور ذلت اور ظلم اور فساد اخلاق و آداب
اور جہالت سے نکالکر توحید اور عدالت اور حریت اور
اخلاق و فضائل اور علم اور اسکے نتائج کیطرف پہنچائیگا
اور یہ تمام باتیں من وعن پوری ہوئیں۔ پس کیا عقل
سلیم اس بات کو تسلیم کرسکتی ہے کہ ایسا عظیم الشان
کام ایک محض امی شخص اپنے کسبی علم اور شخصی استعداد
کے ذریعہ سے کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ ایک زبردست سلطنت جو علم اور انتظام
اور اسلحہ کی قوت سے مالامال ہے، جب
کسی ملک یا کسی قوم پر مسلط ہوتی ہے،
تو اس کی حسّی اور معنوی زندگی کے اسباب
اور جسمانی و روحانی مصالح پر
اپنے دونوں ہاتھوں سے قبضہ
کرلیتی ہے اور اس کو جابرانہ طریقہ

تربيه تربية جديدة، مهتدية
في ذلك بالسنن التي هدتها اليها
علوم الاجتماع والسياسة،
فتمنعه من قراءة ما ينافي غرضها
من الكتب والصحف، وتنشئ
له المدارس في كل بلد من قبلها،
وتبث في كل منها دعاة دينها،
فيعلمون الصغار في هذه المدارس
لغتها ودينها وتاريخها وكل ما يشغل
النفس والعقل بها، ويحولون
المتعلمين عن دينهم ومقومات
امتهم ومشخصاتها الى انتحال ما
تحاول الدولة الفاتحة ان تحدثه
لهم من المقومات والمشخصات
ثم نراها لا تكتفي بتكوين الصغار
تكوينًا جديدًا بل تحدث في نفوس
الكبار كل ما يستطاع من الاحداث
التي تزعزع كل ما كانوا عليه من
مقومات امتهم ومشخصاتها
كتغيير العادات والازياء ونشر
الجرائد التي تشغل الاذهان

کے مطابق تربیت کرنا چاہتی ہے۔ اس معاملہ
میں اُن تمام اصول وقوانین سے مدد لیتی ہے
جن کی طرف علوم تمدن وسیاست نے رہنمائی کی
ہے۔ وہ ان کو ایسی تمام کتابوں اور اخباروں
کے پڑھنے سے روک دیتی ہے جو اُس کے
اغراض کے منافی ہوتے ہیں۔ اور شہر شہر
میں اپنی طرف سے مدارس قائم کرتی ہے۔
تمام ملک میں اپنے مذہب کے داعی پھیلا دیتی ہے
وہ بچوں کو اپنی زبان اور مذہب اور تاریخ اور ہر
ایک ایسی چیز کی تعلیم دیتے ہیں جو ان کو اُنکے
مذہب اور ان کی قومی خصوصیات اور
امتیازات سے جدا کرکے فاتح سلطنت کے
مذہب اور اُس قومی خصوصیات کے
اختیار کرنے پر مائل کرے۔ ہم یہ بھی
دیکھتے ہیں کہ وہ صرف بچوں کی جدید
تربیت پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ جہانتک
ممکن ہوتا ہے بڑے آدمیوں کے دلوں میں
بھی ایسے خیالات پیدا کرنیکی کوشش کرتی ہیں جو
اُنکے قومی خصوصیات میں تزلزل پیدا کردیتے ہیں
مثلاً عادات اور لباس کی تبدیلی اور ایسے اخبارات
کی اشاعت جو لوگوں کے خیالات میں

والافكار بعظمة تلك الدولة وامتها وادابها وسياستها، يتولى كل هذه الاعمال رجال استعدوا لها، وحذقوا علومها في المدارس العالية، ثم تمر الاجيال ولا تستطيع دولة من هذه الدول الفاتحة بالعلم والقوة ان تحول امة عن دينها ولغتها كالتحويل الذي احدثه الاسلام في جيل واحد بتحويل عدة امم عن دينها ولغاتها وعاداتها بدون استعانة على ذلك بالمدارس والجرائد ولا بغير ذلك من الاسباب الصناعية التي هدت اليها العلوم الاجتماعية اليس هذا برهان علمي قطعي على ان نبينا (ص) كان مؤيدا من الله تعالى فيه وانه من خوارق العادات؟ بلى انه اعظم الخوارق واقواها، واظهر المعجزات واسماها، وحسبنا منه الاشارة اليه، والتذكير به،

اُس قوم اور سلطنت کی ہیبت اور اُس کے آداب اور اسکی سیاست کی عظمت مستحکم کر دیتے ہیں۔ ان تمام اعمال کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اسکی کافی استعداد رکھتے ہیں اور جو ان علوم میں اعلیٰ تعلیم گاہوں سے ڈگریاں حاصل کر کے نکلتے ہیں مگر باوجود ان تمام وسائل کے نسلیں گزر جاتی ہیں اور کوئی سلطنت ان فاتح سلطنتوں میں سے اپنی قوت اور علم کے زور سے کسی قوم کے مذہب اور اُس کی زبان میں ایسا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جیسا کہ اسلام نے ایک نسل کے اندر متعدد قوموں کے مذہب ان کی زبان، اُنکے اخلاق و عادات میں پیدا کر دیا تھا۔ حالانکہ نہ مدارس اور اخبارات سے مدد لی گئی اور نہ دیگر صناعی اسباب سے جنکی طرف علوم تمدن نے رہنمائی کی ہے۔ کیا یہ اس بات کی علمی اور قطعی دلیل نہیں ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مؤید من اللہ تھے؟ اور یہ امر خارق عادت ہے؟ بلاشبہ یہ نہایت قوی اور بہت عظیم الشان خارق عادت اور بالکل بدیہی معجزہ ہے۔ اور اس کی طرف صرف اس قدر اشارہ اور یاد دہانی کافی ہے۔

تربيةُ البيوتِ والاُمّهاتِ

انتقل من هذا الى كلمة وجيزة في تربية البيوت تعلمون ايها الفضلاء ان تربية البيوت هي الاساس الذي يبني عليه ما بعده، وان الامهات هنّ اللواتي يقمن بها، وماذا نفعل في امر هذه التربية و نساؤنا قد استحوذ عليهن الجهل بكل ما تتوقف عليه التربية من العلوم والاداب الدينية والدنيوية بعد ان كن يضربن مع الرجال في القرون الاسلامية الاولى والوسطى بكل سهم، و ينلن حظهن في كل علم، لان الاسلام فرض العلم على الرجال والنساء جميعًا، ولم يجعل بين الفريقين فرقًا في التكاليف الا ما هو خاص

خانگی تربیت اور مائیں

اس بیان کے بعد میں خانگی تربیت کی نسبت چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرات! آپ کو معلوم ہوگا کہ خانگی تربیت ہی ان تمام چیزوں کے لیے جو اس کے بعد آنے والی ہیں اصلی بنیاد ہے۔ اور صرف مائیں ہی اس کام کو انجام دینے والی ہیں۔ اس تربیت کے معاملہ میں ہم کیا خاک کر سکتے ہیں جبکہ ہماری عورتیں ان تمام دینی اور دنیوی علوم وفنون اور اخلاق وآداب سے محض جاہل اور قطعی ناواقف ہیں جن پر اس تربیت کا دارومدار ہے۔ حالانکہ اسلام کے قرون اولیٰ اور قرون متوسطہ میں مردوں کے دوش بدوش وہ تمام علوم میں حصہ لیتی تھیں۔ کیونکہ اسلام نے علم کا حاصل کرنا عورتوں اور مردوں کے لیے یکساں طور پر فرض کیا ہے۔ اور شرعی تکالیف میں ان دونوں گروہوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ سوائے اُن احکام کے جو حسب اقتضاے فطرت یا اصول تمدن کسی خاص فریق کے لیے مخصوص ہیں۔

بكل منها بمقتضي الفطرة او
طبيعة الاجتماع (كاحكام الحمل
والولادة الخاصة بالنساء وفنون
القتال الخاصة بالرجال)

لا يمكننا ان نقيم التربية
القويمة على اساسها الا اذا ربينا
النساء وعلمناهن ما يتوقف عليه
قيامهن بتربية اولادهن، وقد
اضطرب المسلمون في هذه
المسألة فبعضهم يدعوا الى تقليد
الافرنج في تعليم نسائهم وتربيتهن
وهم يظنون اننا اذا ربينا نسائنا
على نمط تربية نسائهم، وعلمناهن
لغاتهم، نكون في دنيانا مثلهم
في دنياهم، وهذا جهل بعلم
الاجتماع وطبائع الامم عظيمٌ
وخطأٌ في علم التربية والاخلاق
كبير، والصواب اننا نهدم بهذا
التقليد مقوماتنا ومشخصاتنا
الملية والقومية، ولا نستطيع ان
نبني به مثل مقوماتهم الاجتماعية

(مثلاً حمل اور ولادت کے احکام عورتوں کیلیے
اور فنون قتال مردوں کے لیے خاص ہیں)

ہم حقیقی تربیت کو اسکی اصلی بنیاد پر قائم نہیں
کر سکتے جبتک کہ ہم اپنی عورتوں کو تربیت
نہ کریں اور انکو ان تمام دینی اور دنیوی علوم اور
اخلاق و آداب کی تعلیم نہ دیں جن پر تربیت اولاد کا
انحصار ہے۔ مسلمانوں میں اس مسئلہ کے متعلق
عجیب کشمکش ہو رہی ہے۔ بعض لوگ اپنی عورتوں کی
تعلیم و تربیت میں اہل یورپ کی تقلید کی دعوت
دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم اپنی عورتوں
کو یورپین عورتوں کی طرح تربیت کرینگے اور
ان کو یورپین زبانوں کی تعلیم دینگے تو ہماری
دنیوی عزت اور ثروت مثل اہل یورپ کے ہو جائیگی
اور یہ سخت جہالت ہے علم تمدن و طبائع
اقوام سے اور بڑی غلطی ہے علم تربیت
اور اخلاق میں۔ صحیح یہ ہے کہ اس
تقلید سے ہم اپنی قومی اور ملی مقومات
اور مشخصات کی عمارت کو منہدم کر رہے
ہیں۔ اور یہ ہمارے لیے ناممکن ہے کہ
اس کے عوض مثل اہل یورپ کے
تمدنی مقومات کی عمارت قایم کر سکیں

فعلينا ان نربي بناتنا على آداب
ديننا وفضائله واحكامه، وان
نعلمهن لغة ديننا ولغة وطننا،
وتاريخ امتنا وديننا، وعلم التربية
وتدبير المنزل والحساب و
قانون الصحة وشيئًا اجماليًا
من شئون العالم واحوال العمران
يعرفن به حاجات العصر
الذي يعشن فيه ويدخل في هذا
علم خرت الارض وتقويم البلدان
(الجغرافية) والتاريخ العام-
هذا هو الذي لابد منه
لكل امرأة، وقد يحتاج الى
تعليم بعضهن العلوم العالية
التي لابد منها كالطب والجراحة
ولاسيما القسم النسائي منه
المتعلق بالحمل والولادة، وكفن
التعليم فان اللائق بآداب الاسلام
ان تكون المرأة هي التي تعلم
البنات وتطبب النساء، ولما نحتاج
الى الطبيبات والمعلمات منا

پس ہم کو لازم ہی کہ ہم اپنی لڑکیوں کو اپنے
مذہب کے آداب اور اُس کے فضائل اور احکام
کے مطابق تربیت کریں اور ان کو اپنے مذہبی
اور قومی اور ملکی زبانوں، اور اپنے مذہب اور
قوم کی تاریخ، اور علم تربیت، وتدبیر منزل،
حساب اور حفظان صحت، اور کسی قدر دنیا
کے حالات کی جس سے اُن کو اپنے زمانہ کی
ضرورتیں معلوم ہو جائیں تعلیم دیں۔ اسی میں
نقشہ اور جغرافیہ اور تاریخ عام بھی داخل ہی۔
اس نصاب کی تعلیم کی ہر ایک عورت
کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔ بعض خاص
حالتوں میں اعلیٰ علوم کی بھی جن کی سخت
ضرورت ہوتی ہی تعلیم دی جائیگی مثلاً فن تعلیم
اور طب اور جراحی خاصکر ان فنون کا زنانہ حصہ
جو حمل اور ولادت سے متعلق ہے کیونکہ
اسلامی آداب کے شایاں یہی امر ہی کہ
عورتوں کا معالجہ کرنے والی اور
لڑکیوں کو تعلیم دینے والی عورتیں
ہی ہونی چاہییں۔ جس طرح ہم کو
زنانہ طبیبوں اور معلموں کی ضرورت
ہے۔ اسی طرح ہم کو گھروں میں

نحتاج الی المربیات فی البیوت
فان امراءنا وکبراءنا ومقلدیهم
من سائر طبقات الاغنیاء لجؤا
الی المربیات الاوربیات یلقون
الیهن بافلاذ اکبادهن من الذکور
والاناث فیربینهم علی اداب
واخلاق غیر اداب ملتهم واخلاقها
ویعلمنهم لغات غیر لغات امتهم
ودینهم، ولا خیر لهم فی هذا
ولا لامتهم، لانهم یتشکلون
بشکل لا یتفق مع شکلها فتنفصل
منهم وینفصلون منها، فان
للنفوس فی افکارها وعقائدها
واخلاقها ورغباتها اشکالا
کالاشکال الهندسیة فاذا کنا
لا نستطیع ان نقیم بناءً رصینا
محکما منتظما من حجارة بعضها
مثلث وبعضها مربع وبعضها
کروی فکذلک لا نستطیع ان نکون
امة عزیزة راقیة من افراد
مختلف اشکال نفوسهم العقلیة

بچوں کی تربیت کرنے والیوں کی ضرورت ہے
کیونکہ ہماری قوم کے امراء، اور بڑے آدمی، اور
انکی تقلید کرنے والے مختلف طبقوں کے دولتمند
یورپین نرسوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور
اپنے جگر کے ٹکڑوں کو خواہ وہ لڑکے ہوں یا
لڑکیاں انکے سپرد کردیتے ہیں۔ وہ ان کو ایسے
اخلاق وآداب پر تربیت کرتی ہیں جو ہمارے قومی
اخلاق وآداب سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور ہماری
قومی اور مذہبی زبانوں کے علاوہ اجنبی زبانیں
ان کو سکھاتی ہیں اس تربیت سے انکے لیے
اور نیز قوم کے لیے کوئی بہتری کی امید نہیں کیجا سکتی
کیونکہ وہ ایسے قالب میں ڈہالے جاتے ہیں کہ
ان کی شکل قوم کی شکل کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتی
اسلیے وہ قوم سے جدا ہو جاتے اور قوم انسے جدا
ہو جاتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسانی نفوس کی باعتبار
انکے خیالات عقائد اخلاق اور رغبات کے خاص
خاص شکلیں ہوتی ہیں۔ پس جس طرح ہم ایسے پتھروں سے
جن میں بعض مربع اور بعض مثلث اور بعض کروی
ہوں ایک مستحکم عمارت نہیں بنا سکتے اسی طرح
ایسے افراد سے جن کے نفوس
کی عقلی اور نفسانی شکلیں مختلف

والنفسيّة وما يترتب عليه من
اختلاف اعمالهم وعاداتهم
نعم ان هؤلاء الذين تربيهم
النساء الافرنجيات قد يكونون
ارقى في الآداب الاجتماعية العقلية
والنظافة من امثالهم الغفل
المهملين الذين يوكلون الى
ما يقتبسونه من العشائر والمعاشرين
وفضل السيف على العصا لا يعد
فضلا كبيرا، وانما نطلب تربية
نكون بها امة حية عزيزة متحدة
كغيرنا من امم الحضارة، ولن ندرك
هذا بمثل هذا التفريج التقليدي
في كبرائنا، بل هذا اقوى
ما يحول بيننا وبين ما نريد.

تربية المدارس

يجب ان تكون عنايتنا
بتربية المدارس اشد من
عناية غيرنا لاننا قد تعذرت
علينا التربية الاساسية

ہوں، اور اسلیئے انکے عادات اور اعمال میں بھی اختلاف ہو
ایک زبردست اور ترقی یافتہ قوم نہیں بنا سکتے۔
بلاشبہ بعض حالتوں میں فرنگنوں کے تربیت یافتہ
موجودہ زمانہ کے تمدنی آداب اور صفائی اور پاکیزگی
میں ان لوگوں سے فائق ہوتے ہیں جنکی تربیت
خودرَو ہوتی ہے اور جو اپنے خاندان اور معاشرین
سے کچھ باتیں سیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی تلوار
کو لاٹھی پر کچھ فضیلت ہے تو اسکو بہت بڑی فضیلت
نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہم ایسی تربیت چاہتے ہیں
جس سے ایک زندہ اور زبردست اور متحد قوم
مثل دیگر شائستہ قوموں کے بن سکیں۔ اور یہ
مقصد اس اوپرین تقلید سے جو ہمارے امراء و
رؤسا نے اختیار کی ہے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ
امر حصول مقصد میں ایک سخت مانع اور حاجب ہوگا

مدارس کی تربیت

ہم کو بہ نسبت دیگر قوموں کے مدارس کی تربیت
کی طرف زیادہ اعتنا کرنا چاہیے۔
کیونکہ ہماری عورتوں کی جہالت کے باعث
ہمارے لیے ابتدائی اور خانگی تربیت میں
سخت مشکلات حائل ہیں۔ ہم کو

الاولى بجهل نسائنا ذي تلاميذ
سرى الفساد الى اخلاقهم،
والخرافات الى عقولهم، ولكننا
لم نقم بهذا الواجب ولم تعن
مدارسنا بالتربية النفسية
ولا بالتربية العقلية التي هي
وظيفتها الاولى،

لا اعني بالتربية العقلية
تعليم العلوم التي يرتقي بها
العقل فان التعليم وان كان
يدخل في مفهوم التربية العام
الذي هو يشمل تربية الجسم
والنفس والعقل - قد خص بهذا
الاسم دون سائر انواع التربية
وصارت المقابلة بين العام
والخاص. وانما اعني بالتربية
العقلية ان يتوخى في اسلوب
التعليم استقلال عقول الطلاب
في الفهم والحكم في المسائل،
وتحرير الحقائق، وان لا يصوروا
اخذ المسائل العلمية بالتسليم

ایسے بچوں کی تربیت کرنی چاہیے جنکے اخلاق
میں فساد اور عقلوں میں اوہام وخرافات سرایت
کر جاتے ہیں۔ لیکن ہم اپنے اس فرض کو ادا
نہیں کرتے اور نہ ہمارے مدارس نفسانی اور عقلی
تربیت کی طرف جو اُن کا ضروری فرض ہے
توجہ کرتے ہیں۔

عقلی تربیت سے میری مراد علوم کی تعلیم نہیں
جنکی مدد سے عقل کو ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ تعلیم
اگرچہ وہ تربیت کے عام مفہوم میں جو جسمانی و نفسانی
اور عقلی تربیت پر مشتمل ہے، داخل ہے۔ برخلاف
تمام اقسام تربیت کے اس مفہوم کے لیے مخصوص
ہوچکا ہے اور تربیت اور تعلیم میں عام اور
خاص کی نسبت سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ
عقلی تربیت سے میری مراد یہ ہے کہ
اسلوب تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ
طالب علموں کی عقلیں مسائل کے
سمجھنے اور ان کی نسبت رائے قائم کرنے
اور حقائق کی تنقیح کرنے میں مستقل اور
آزاد ہوں۔ اور علمی مسائل کے
سمجھنے میں وہ کورانہ تقلید اور
تسلیم کے عادی نہوں۔

والتقليد، فبهذا تترقى العقول
وتنمو الافكار وتتخرج العلماء
المستقلون الراسخون،

انما سبب تقصيرنا في
التربية المدرسية فقدان
الاساتذة الاكفاء القادرين
عليها اوندرتهم، فانه يقل
في المتعلمين منا من تربي تربية
صالحة يرجى نفعها، وانما يقوم
بناء التربية على اساس القدوة
والتأسي بالمربي والاستفاضة
من ينبوع فضائله وصفاته،
"وفاقد الشيء لا يعطيه" و
قصارى ما يمكن ان يطالب
به العقلاء من نظار المدارس
واساتذتها هو ان يتكلفوا ما يجب
عليهم من ذلك تكلفا عسى
ان يصير ما يتكلفونه خلقا لهم
ولتلاميذهم، وان يرشدوا
الطلاب الى العناية بتربية
انفسهم۔

اس سے عقول کی تربیت اور خیالات میں نشو ونما
ہوگی اور ایسے علما نکلیں گے جو علوم میں مستقل
اور مجتہد اور خیالات میں راسخ ہونگے۔

ہمارے مدارس کی تربیت میں جو کوتاہی ہے
اسکا ایک سبب یہی ہے کہ ہماری قوم میں ایسے اُستاد
نایاب یا کمیاب ہیں جو اسکی قابلیت اور قدرت رکھتے
ہوں۔ کیونکہ ہمارے طالب علموں میں شاذ و نادر
ہی ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے معقول تربیت پائی
ہو جس سے فائدہ کی امید ہوسکے۔ بلا شبہ
تربیت کی عمارت مربی کے نیک نمونہ پر قائم ہوتی
ہے۔ اور لڑکے اپنے مربی کے صفات و فضائل کے سرچشمہ
سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے مدارس میں
"او خویشتن گم است کرا رہبری کند" کا مصداق
ہی نظر آرہا ہے۔ غرضکہ قوم کے عقلا مدارس کے منتظموں
اور معلموں سے زیادہ سے زیادہ اس امر کی
توقع کرسکتے ہیں کہ وہ بہ تکلف اور مصنوعی طور پر
ایسے بننے کی کوشش کریں جیسا کہ انکو ہونا چاہیے۔ شاید
کسیوقت یہ تکلف انکے لیے یا انکے شاگردوں کے لیے واقعیت
کیساتھ مبدل ہوجائے۔ اور نیز یہ کہ وہ طالب علموں کو توجہ
دلاتے رہیں کہ وہ خود بھی اپنے نفوس کی ترتیب
میں کوشش کرتے رہیں۔

تربية المرأ لنفسه

ايها الطلاب النجباء!
انني اخصكم بالخطاب و
التذكير في هذا القسم من اقسام
التربية. سمعتم قولي في تقصير
مدارسنا في التربية ورأيي
في سببه، وازيدكم على ذلك
ان المدارس التي هي ارقى من
مدارسنا في الامم التي هي
ارقى في الحضارة والعلوم من
امتنا، لا تستقل بتخريج الرجال
العظام ولا بتكميلهم في التربية
والتعليم فان كثيرا من المتخرجين
في مدارس اوربة الجامعة يكونون
لصوصا وفوضويين وفجرة
يفسدون في الارض ويسفكون
الدماء. المدارس تفتح للطلاب
ابواب العلم، وتدلهم على طرق
العمل لانفسهم ولقومهم او جنسهم
ولكنها لا تبوئهم تلك البيوت،

انسان کی تربیت اپنے نفس کے لیے

اے ہونہار طالب علمو! تربیت کے اقسام میں اس
خاص قسم کی نسبت میرا خطاب اور یاددہانی خاصکر
تمہاری طرف ہے۔ تربیت کے معاملہ میں ہمارے مدارس
میں جو کوتاہی ہے اسکی نسبت میری گفتگو اور اسکے
سبب کے متعلق میری رائے تم سن چکے ہو، اب میں
اسقدر اور کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جو قومیں علوم اور
شائستگی میں ہماری قوم سے بدرجہا فائق ہیں انکی
اعلیٰ تعلیم گاہیں بھی (جو ہمارے مدارس سے بہت زیادہ
ترقی یافتہ ہیں) بطور خود اور بلاشرکت غیرے ایسے
اشخاص پیدا نہیں کرسکتیں جو بڑے آدمی اور تعلیم
اور تربیت کے کامل نمونہ ہوں۔ کیونکہ یورپ کی اعلیٰ
تعلیم گاہوں کے بہت سے تعلیم یافتہ چور، ڈاکو اور انارکسٹ
ہوتے ہیں جو ملک میں خونریزی کرتے اور فساد پھیلاتے
ہیں۔ مدارس طالب علموں کے لیے علوم کے
دروازے کھولدیتے اور ان کو اپنی ذات اور
قوم اور اپنے خاندان کے فائدہ کے لیے
کام کرنے کے طریقے بتلا دیتے ہیں۔
ان رستوں میں لے جانا اور منزل مقصود
تک ان کو پہونچا دینا مدارس کے

ولا تقودهم في تلك الطرق حتى
توصلهم الى غاياتها، وانما ذلك
عليهم لا على المدارس، وان بعض
المديرين لشئوون المدارس او
المسيطرين عليها قد يريدون
من تربية الناشئة وتعليمهم
ما لا تريده تلك الناشئة لانفسها
لو عقلته وعرفت عاقبته. فينبغي
للاذكياء من طلاب العلوم ان يكونوا
على بصيرة في تعلمهم وتربيتهم
وان يعلم كل واحد منه انه لاينال
الكمال الممكن الا بجده الشخص
وعنايته بتربية نفسه وتكميلها.

ربوا عقولكم على الاستقلال
في الفهم، والاستدلال على
المطالب، لتكونوا علماء بانفسكم
لا نقلة تحكون علم غيركم، ليكن
العلم صفة من صفاتكم لا صورا
خارجية تعرض على مرآة اذهانكم

ربوا انفسكم على الفضيلة و
التقوى وعلو الهمة، وقوة الارادة

فرائض میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود اُن کا کام ہے
بعض اوقات مدارس کے منتظم یا اُن کی نگرانی
کرنیوالے طالبعلموں کو ایسی تعلیم و تربیت دینا چاہتے
ہیں جسکو خود طالب علم اپنے لیے پسند نہ کریں اگر
اُن کو اسکی حقیقت اور اسکا انجام معلوم ہو۔
اسلیے ذہین اور ہونہار طالبعلموں کو لازم ہے
وہ اپنی تعلیم و تربیت سے خود بھی غافل نہوں
اور تم میں سے ہر ایک طالب علم کو یہ بات جان لینی
چاہیے کہ جبتک وہ بذات خود کوشش نہ کریگا
اور اپنے نفس کی تربیت اور اُسکی تکمیل میں خود ساعی نہوگا
وہ ہرگز انسانی کمال حاصل نکر سکیگا۔

تم کو چاہیے کہ تم اپنے عقول کی تربیت اس طرح
کرو کہ فہم میں استقلال اور مطالب پر استدلال کرنیکی
صلاحیت پیدا ہو تاکہ تم بذات خود عالم ہو جاؤ
نہ یہ کہ تم دوسروں کے علم کے نقل و حکایت کرنیوالے
ہو۔ علم تمہاری صفات میں سے ایک صفت ہونی
چاہیے نہ یہ کہ وہ خارجی صورتیں ہوں جو تمہارے
ذہنوں میں نمایاں ہو جائیں۔

تم کو اپنے نفوس کی تربیت،
فضیلت، پرہیزگاری، عالی ہمتی،
قوتِ ارادہ اور پختگیِ عزم پر

ومضاء العزيمة، لتكونوا كملة
في انفسكم، وقدوة صالحة لامتكم
اني اعلم ان اكثر طلبة العلم منكم
ومن غيركم يطلبون العلم لاجل
المعاش لا لاجل تكميل النفس بالفضيلة
ولا لاجل النهوض بالامة، واعلم
مع ذلك ان الناس معادن كمعادن
الذهب والفضة، (كما ورد في الحديث
الشريف) وان من كان معدنه
شريفا وجوهره كريما لا يرضى
لنفسه اذا عرف مزايا جوهرها
ان تكون في مرتبة المعادن
الخسيسة۔

لا اقول ان من يطلب العلم
الدنيوي لاجل الكسب يكون خسيسا
مذموما فان الكسب مطلوب
بل ضروري ولا بد في اتقان اسبابه
من العلم، فمن يطلب العلم ليكون
حاكما او طبيبا او مهندسا او صيدليا
او تاجرا او قائما بغير ذلك من
اعمال العمران حقيق بان يكون

کرنی چاہیے، تاکہ تم بذات خود کامل اور اپنی قوم
کے لیے نیک نمونہ ہو۔ مجکو معلوم ہی کہ تم میں سے
اور تمہارے سوا دوسروں میں سے اکثر طالبعلم
اس غرض سے علم کی تحصیل کرتے ہیں کہ حصول
معاش کا ایک ذریعہ ہو۔ اور یہ غرض انکی نہیں ہوتی
کہ وہ اپنے نفس کو علمی فضیلت سے آراستہ
کریں یا اپنی قوم کو ترقی دیں۔ مجکو یہ بھی معلوم
ہی کہ (آدمیوں کی بھی مثل چاندی اور سونے کے
کانیں ہوتی ہیں) جیسا کہ حدیث شریف میں آیا
ہی۔ پس جو شخص ایک شریف کان کا جوہر ہوگا اور
اس میں ذاتی شرافت بھی ہوگی وہ اپنے جوہر
شرافت کو معلوم کرنیکے بعد ہرگز اس بات کو پسند نکریگا
کہ وہ ادنیٰ اور پست درجہ کی کانوں میں شمار کیا جائے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ جو شخص کسب معیشت
کی غرض سے دنیوی علوم کی تحصیل کرتا ہی
وہ دنی الطبع اور قابل مذمت ہی۔ کیونکہ
کسب معیشت بھی ضروری ہی۔ اور جسقدر علم
اُس کے وسائل کے لیے درکار ہی۔ وہ بھی لابدی
ہوگا۔ پس جو شخص علم کی تحصیل اسلیے کرتا ہی کہ
وہ حاکم، یا ڈاکٹر یا انجنیر یا دوا ساز یا تاجر ہو جائے
یا دیگر تمدنی کاموں میں سے کسی کام کے

محمود في علمه وعمله، ولكنه
لا يفضل من هذه الجهة العوام
والأميين الذين يعلمون ما
لا يتوقف على تعليم المدارس من
أعمال العمران كالفعلة وصغار
الصناع والزراع من حداد ونجار
وخباز ووقاد في سفينة أو قطار
أو حمام، كل من يؤدي للامة عملا
من الأعمال التي تحتاج اليها يكون
جديرا بالشكر والثناء على قدر
اتقانه له وبذل جهده فيه، و
باللوم والذم على قدر تقصيره
فيه، ووقوفه دون الغاية التي
يستطيعها من اتقانه، ولكن
المتعلمين في المدارس العالية يجب
ان تكون خدمتهم لأمتهم ارقى
من خدمة الفعلة والصناع من
العوام، يجب ان يكون نفعهم متعديا
يجب ان يكونوا قدوة لغيرهم
في الفضائل والآداب، والقيام
بالمصالح العامة، والمنافع المشتركة

انجام دینے کے قابل ہو جائے وہ بلحاظ اپنے
علم اور عمل کے قابل تعریف ہے لیکن
اس حیثیت کے لحاظ سے وہ عوام کالانعام
اور جہال سے زیادہ ممتاز نہ سمجھا جائے گا
جنکے کاروبار مدارس کی تعلیم پر موقوف نہیں
ہیں. مثلاً مزدور اور ادنی درجہ کے پیشہ ور
جیسے لوہار، بڑہئی، بھٹیاری اور کوئلہ
جھونکنے والے کشتیوں ٹرینوں میں اور
حماموں میں۔ جو شخص قوم کے ضروری کاموں
میں سے کوئی کام انجام دیتا ہو وہ جس قدر
خوبی کے ساتھ اسکو انجام دیگا اور سعی محنت
اور کوشش کریگا اسی قدر قوم کی شکرگزاری
اور تعریف کا مستحق ہوگا۔ اور جسقدر سعی کوتاہی کریگا
اور اس کام کی تکمیل اور ترقی دینے میں جہانتک کہ اسکی استطاعت
ہو اس سے قاصر رہیگا اسیقدر ملامت اور مذمت کے قابل
سمجھا جائیگا۔ یہ ضروری ہو کہ مدارس کی تعلیم یافتہ
لوگوں کی خدمتیں مزدوروں ادنی پیشہ وروں اور
عوام الناس سے زیادہ بلند اور برتر ہوں۔ ضروری
ہو کہ انکا فائدہ متعدی ہو۔ ضروری ہو کہ وہ نیکی
فضائل و اخلاق و آداب و خدمات عامہ انجام دینے
دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال ہوں۔

يجب ان يكونوا بذلك مربين
لها، وعمالا لرفع شأنها، و
لا يكونون كذلك الا اذا اعتنوا
بتربية انفسهم على الفضيلة و
بالتقوى، فانا نرى كثيرا من
الذين تعلموا في ارقى مدارسنا
ومدارس اوربة العالية كانوا
بفساد تربيتهم وبالا على الامة
إما بسوء اخلاقهم واتجارهم
بمصالحها، وإما بفسقهم و
استهانتهم بشرائعها وشعائرها،
فيجب ان تراعوا في تربيتكم لانفسكم
نسبتكم الى امتكم ونسبتها اليكم
وان تتقوا التقليد الذي يبعدكم
عن مقوماتها ومشخصاتها،
وتتوخوا ان تكونوا معها
كبيوت النحل المسدسة الشكل
لكي يتصل بعض طبقاتها
ببعض، وان تمايزت الطبقات
والافراد في انفسها في العلم و
الحكمة كما تتمايز بعض بيوت

ضروری ہے کہ وہ قوم کو تربیت کرنے والے اور اسکی
عزت اور شان کو ترقی دینے میں ساعی ہوں، اور وہ ایسے
نہیں ہوسکتے جبتک کہ وہ اپنے نفوس کی تربیت
فضیلت اور پرہیزگاری پر نہ کریں۔ کیونکہ ہم نے
بہت سے ایسے لوگوں کو جنھوں نے ملک یا
یورپ کی اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم پائی ہے،
دیکھا ہے کہ وہ اپنے فسادِ تربیت کی بدولت قوم
کے لیے وبال جان ثابت ہوے ہیں یا تو بوجہ بداخلاقی
اور قومی مصلحتوں کو ذاتی فوائد پر قربان کردینے
کے اور یا اپنی بدچلنی اور مذہبی احکام اور قومی
آداب کی توہین کرنے کے۔ اس لیے تم کو
لازم ہے کہ تم اپنے نفوس کی تربیت میں اس نسبت کا
ہمیشہ لحاظ رکھو جو تم کو قوم کے ساتھ اور قوم کو
تمہارے ساتھ ہے اور اُس یورپین تقلید سے پرہیز
کرنا چاہیے جو تم کو اپنے قومی خصوصیات سے
دور کرنے والی ہو۔ اور تم کو قوم کے ساتھ شہد
کے چھتے کے خانوں کی طرح ہونا چاہیے
جو شش پہل اور ایک دوسرے کے ساتھ متصل
ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض افراد قوم علم و حکمت
کے باعث بعض سے ممتاز ہوتے ہیں جس طرح
بعض خانے شہد کی وجہ سے چھتے میں

النحل بوجود العسل فيها على ما
عسل فيه،

لا يتفاضل البشر في شيء كما
يتفاضلون في نفع الناس القيام
بمنافعهم العامة ومصالحهم المشتركة
وان امتنا لتشكو من قلة العاملين
للمصلحة العامة ملا تشكوا
من قلة العالمين بها، فلو كان
فينا كثيرون يعملون بما يعلمونه
من مصالح الامة ومؤثرون
ذلك على اهوائهم لما كنا في هذه
الحال السوءى التي نشكو منها
قال بعض علماء اوربة وكبرائها
للاستاذ الامام، اننا نرى
فيكم من نن اكرهم فيجارونا
في كل علم ونراهم يفهمون
المصالح والامور كما نفهمها
سواء، فما هي علة تأخركم عنا؟
الجواب الذي اتفق عليه العالمان
المسلم والافرنجي ان علة ذلك
هي كثرة العاملين للمصلحة العامة

ممتاز ہوتے ہیں بمقابلہ اُن خانوں کے جن میں
شہد نہیں ہوتا۔

افراد انسانی کے لیے فضیلت کا کوئی معیار قوم اور
ملک کو فائدہ پہونچانے اور خدمات عامہ اور مصالح
مشترکہ میں کوشش کرنے سے بڑھکر نہیں ہوسکتا۔
ہماری قوم میں عالموں کی کمی کی اسقدر شکایت نہیں ہے،
جسقدر کہ قومی کام کرنے والوں کی کمی کی شکایت ہے
اگر ہم میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی جو مطابق
اپنے علم کے قومی مصلحتوں کو عمل میں لاتے اور اُن کو
اپنی ذاتی خواہشوں پر ترجیح دیتے تو ہماری حالت ایسی
ردی نہوتی جسکی ہم شکایت کر رہے ہیں۔ یورپ کے
ایک بہت بڑے عالم نے حضرت اُستاذ الامام (شیخ محمد عبدہ)
سے پوچھا کہ آپ کی قوم میں ہم ایسے آدمیوں کو دیکھتے ہیں
کہ جب اُن سے گفتگو کیجاتی ہے تو وہ ہر ایک علم میں ہمارا
مقابلہ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمام مصالح
اور معاملات کو وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں
پھر آپ کی قوم کے تنزل کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کا
جواب جسپر مسلمان اور یورپین دونوں عالموں نے
اتفاق کیا یہ ہے کہ قومی مصلحتوں کے لیے
کام کرنے والوں کی یورپ میں کثرت
ہے۔ اور ہم میں ایسے اشخاص

فی الافرنج وندرتهم فینا۔

ینبغی لکل من کان کریم الجوهر عالی الهمة ان ینوی و یقصد المنفعة العامة فی کل عمل یعمله، فان اقل فائدة ذلك انه یرقی نفسه ویزیده کمالا وان لم یتم له ما ینوي، لا یوجد عمل من الاعمال یتعذر فیه قصد المنفعة العامة، وانی اضرب لکم مثلا واقعا علی هذا من أغرب ما یؤثر عن الامم الحیة. حدثني الاستاذ (الامام) انه في بعض اسفاره اراد اختبار بعض افراد الطبقة الدنیا من الافرنج وکان راکبا في سفینة انکلیزیة فسأل وقادا فیها عن عمله الشاق واجرته علیه، ثم سأله هل ترجو ارتقاء في حیاتك هذه؟ قال نعم انني افکر في عمل عظیم، وأسعی الی ارتقاء کبیر، قال الاستاذ ماذاك؟

نایاب ہیں۔

جو شخص ذاتی شرافت عالی ہمتی اولوالعزمی رکھتا ہے اسکے لیے مناسب ہے کہ وہ ان تمام کاموں میں جنکو وہ انجام دے قومی مصلحت اور ملکی منفعت کی نیت رکھے۔ اس سے کم ازکم یہ فائدہ تو ضرور ہوگا کہ اسکی ذات میں ترقی اور اسکے نفسانی کمال میں اضافہ ہوگا اگرچہ وہ قومی مقصد نہ بھی حاصل ہوسکے جسکی اس نے نیت کی ہے۔ تمام اعمال میں کوئی عمل ایسا نہیں ہوسکتا جسمیں منفعت عامہ کی نیت کرنا مشکل ہو۔ اسکی تائید میں میں آپکے سامنے ایک مثال بیان کرتا ہوں جو ان مثالوں میں جو زندہ قوموں میں سے نقل کی گئی ہیں نہایت عجیب و غریب ہے۔ الاستاذ الامام (شیخ محمد عبدہ) نے اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان فرمایا۔ وہ ایک انگریزی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کے خیالات کا امتحان کرنا چاہا۔ اس جہاز کے انجن میں ایک انگریز جو کوئلہ جھونکنے پر نوکر تھا اس سے اس سخت محنت طلب کام اور اسکی اجرت کی بابت دریافت کیا۔ اسکے بعد اس نے پوچھا کیا تم کو اس عمل کے ذریعہ سے اپنی زندگی میں ترقی کی امید ہے؟ اسنے کہا ہاں میں ایک نہایت عظیم الشان کام کی فکر اور بہت بڑی ترقی کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

قال الوقاد انك تعلم ان معادن الفحم الحجري محدودة، وانهم يقدرون لها النفاد في قرون معدودة، فانا افكر في طريقة للاقتصاد في انفاق الفحم تكون به امتنا الانكليزية اغنى الامم، واستفيد انا من هذا الاختراع ثروة كبيرة ومجدا عظيما، فتأملوا رعاكم الله كيف توجهت همة ذلك الرجل الذي هو ادنى الناس حرفة وعملا الى ان ينفع امته العظيمة الغنية، وينمي ثروتها ويجعل الامم والدول في حاجة اليها، وان ينفع نفسه من طريق نفع قومه، وهو لم يتجاوز بذلك حدود عمله، ولم يدفعه الغرور الى الاشتغال بما لا يعد من اهله فيعجز كل فرد من افراد المتعلمين ان يكون له مثل هذه النية الحسنة، والهمة العالية؟

ايها الطلبة النجباء: ان

اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہی کہ دنیا میں کوئلہ کی کانیں محدود ہیں اور ان کی نسبت اندازہ لگایا گیا ہی کہ وہ چند قرنوں کے بعد ختم ہو جائینگی۔ پس میں ایک ایسے طریقہ پر غور کر رہا ہوں جس سے کوئلہ کے خرچ میں کفایت ہو اور اس ذریعے سے ہماری انگلش قوم تمام قوموں سے زیادہ دولتمند ہو جائے۔ اور میں بھی بیشمار دولت و ثروت اور عزت و عظمت حاصل کر دوں۔ خدا کے لیے اس مثال پر آپ کو غور کرنا چاہیے۔ ایک ایسا شخص جو نہایت گھٹیا اور ادنی درجہ کا کام کر رہا ہی اسکی عالی ہمتی اور اولوالعزمی قابل دید ہی کہ وہ اپنی عظیم الشان اور دولتمند قوم کو فائدہ پہنچانا اور اسکی دولت و ثروت کو بیانتک ترقی دینے کا ارادہ کر رہا ہی کہ دنیا کی تمام قومیں اسکی دست نگر ہو جائیں اور وہ اپنی قوم کو نفع پہونچا کر خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع حاصل کرے۔ طرفہ یہ ہی کہ ان خیالات میں وہ اپنے عمل کی حدود سے آگے نہیں بڑھا۔ اور ایسے دخل در معقولات کا مرتکب نہیں ہوا جسکی اہلیت اسمیں نہیں ہی۔ کیا طالب علموں کے افراد میں سے کوئی فرد ایسی نیک نیت اور ایسی عالی ہمتی نہیں رکھ سکتا۔

اے ہونہار طالب علمو!

شعوب البشر متقاربة في الاستعداد
للكمال الانساني، وانّا معاشر
الشرقيين عامة، والمسلمين
خاصة، ما سبقنا الامم التي
نراها الآن اعلى منا الى العلوم و
الحضارة لان استعدادنا الفطري
دون استعدادها، فعليكم ان
تتفكروا دائماً في استعدادكم
وان تستعملوه في طلب الكمال
لانفسكم وأمتكم، وانتم قادرون
على ذلك ـ

ولم أر في عيوب الناس عيبًا
كنقص القادرين على التمام

واعلموا ان قيمة الذي
يتعلم لاجل ان ينال قوتًا مضمونًا
من الحكومة أو من غير الحكومة
لا تكون الا بقدر جثته التي يسعى
بتغذيتها، وانها لقيمة قليلة
لا يفضل بها الثور ولا الحمار الذي
يأكل اضعاف ما يأكل الانسان
ولا يتألم كما يتألم الانسان، ومن

دنیا کی تمام قومیں انسانی کمال کی استعداد کے
لحاظ سے قریباً برابر ہیں۔ یورپین قومیں علوم اور
تمدن اور شائستگی کے لحاظ سے ہم اہل مشرق سے
عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً اسلیے فائق نہیں
ہیں کہ ہماری فطری استعداد انسے کم درجہ کی ہی
پس تم کو لازم ہی کہ تم ہمیشہ اپنی استعداد کی نسبت
غور کرتے رہو۔ اور اسکو اپنی ذات اور اپنی
قوم کے لیے طلب کمال میں صرف کرو۔ اور
بلاشبہ تم اسکی قادرت رکھتے ہو۔

ولم ار فی عیوب الناس عیباً
کنقص القادرین علی التمام؛

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اس غرض سے
علم حاصل کرتا ہی کہ اس کو گورنمنٹ یا کسی
پرائیویٹ کارخانہ میں ایک معین مشاہرہ
کی نوکری مل جائے اس کی قیمت بقدر
اُسکے جثہ کے ہے جس کی غذا بہم پہونچانے کیلیے
وہ کوشش کرتا ہی اور بلاشبہ یہ ایک نہایت
حقیر اور ادنی قیمت ہی جسکے لحاظ سے بیلوں اور
گدھوں پر اسکو کوئی فضیلت نہیں ہی جو انسان
سے کئی گنا زیادہ کھاتے اور انسان
کی طرح رنج والم نہیں اُٹھاتے ہیں

تعلو به همته فيطلب ان يكون
وجوده اوسع من محيط جسمه
فانه ينال ما يطلب، فاذا هو قام
بنفع بلده كان وجوده بقدر بلده
بحيث يكون ذكره مالئًا له، و
اذا هو قام بخدمة امته كلها،
بعمل نافع يعمله لها، فان وجوده
المعنوي يكون واسعًا بقدر سعة
امته كلها، لا يجهل ذلك قطر من
اقطارها، واذا هو استطاع ان ينفع
جميع البشر فليفعل، فان وجوده
يكون بقدر العالم الذي انتفع به
وامثال هؤلاء الرجال هم الذين
يوزن الواحد منهم بأمة، قال تعالى
"إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً"، وقال
في عباد له أعدهم لنفع الأمم
"وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً - وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ"
وعلمنا ان ندعوه بقوله "وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا"، فعليكم ان تربوا
انفسكم على علو الهمة، وخدمة
الامة، لتكونوا من الائمة،

اور جس شخص کی ہمت بلند ہوگی وہ ضرور اس بات
کی خواہش کریگا کہ اسکا وجود اسکے جسم کے محیط سے زیادہ
وسیع ہو۔ اور وہ بلاشک و شبہ اپنے اس مقصد میں
کامیاب ہوگا۔ پس اگر وہ اپنے شہر کو نفع پہنچانے کے
لیے کمربستہ ہوگا تو اسکا وجود اسکے شہر کے برابر ہوگا اسلیے
کہ تمام اہل شہر کی زبانوں پر اسکا ذکر خیر جاری و ساری ہوگا
لیکن اگر وہ اپنی قوم کی خدمت کے لیے کھڑا ہوگا اور اسکے لیے
کوئی مفید کام انجام دیگا تو اس صورت میں اسکا معنوی وجود
بقدر اسکی تمام قوم کی وسعت کے وسیع ہوگا۔ کوئی
حصہ ملک کا اس سے ناواقف نہ رہیگا۔ اور اگر وہ
تمام انسانوں کو فائدہ پہونچانے کی استطاعت رکھتا
ہو تو اسکو ایسا کرنا چاہیے۔ اس صورت میں اسکا
وجود بقدر اس عالم کے ہوگا جسنے اسکے عمل سے فائدہ اٹھایا
ایسے ہی جوانمرد لوگ ہیں جن میں سے ہر واحد ایک
قوم کی برابر سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالے
نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے
"ان ابراہیم کان امۃ" اور نیز اپنے اُن
خاص بندوں کی نسبت جن کو اُس نے قوموں
کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے تیار کیا ہے
فرمایا ہے "ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین"
اور نیز ہم کو تعلیم دی ہے کہ ہم اس طرح پر
دعا کریں "واجعلنا للمتقین اماما" اس لیے تم کو
لازم ہے کہ عالی ہمتی اور قومی خدمت پر
اپنے نفوس کی تربیت کرو تاکہ ائمہ
میں تمہارا شمار ہو۔

ان الانسان لا یکون قدوۃ
فی الخیر نافعًا للناس الا اذا کان
فاضلا کریم الاخلاق، وان مساوی
الاخلاق تشین العالم اکثر مما
یشین الجهل رب الاخلاق الکرائم
ولا یفسد الامم شیٔ کفساد اخلاق
علمائها وحکامها وزعمائها، فاذا
قصرتم فی تربیة ملکة الفضیلة
فی انفسکم فانکم تضرون اکثر
مما تنفعون بعلمکم، اما الطریق
الذی ینبغی ان یسیر علیه المرء
فی تربیة نفسه فهو یلتزم الاعمال
التی تطبع ملکتها فی النفس تیکلفها
ویواظب علیها، ولا یتساهل فی
کبیر ولا صغیر منها، وان یجعل له
مراقبًا من اخوانه یذکره اذا
نسی، ویلومه اذا تساهل، و
اذکر لکم علی سبیل المثال ما
جربته بنفسی: قلتُ لرفیق لی
فی طلب العلم اذا قدرت ان
تحفظ علیّ کذبة واحدة فلك

انسان نیکی کا نمونہ اور مثال اور لوگوں کے لیے مفید نہیں
ہوسکتا جبتک کہ وہ فضائل اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ نہو
جہالت صاحب اخلاق حمیدہ کے لیے اسقدر معیوب نہیں
سمجھی جاتی جسقدر بداخلاقی ایک عالم کے لیے معیوب
سمجھی جاتی ہے۔ قوموں کو اسقدر خراب اور تباہ کرنیوالی
کوئی چیز نہیں ہے جسقدر کہ انکے علماء اور حکام اور انکے
لیڈروں کی بداخلاقی ہے۔ پس اگر تم اخلاقی فضائل
سے معرّا اور انکے ملکات کی تربیت سے قاصر ہوگے
تو تم اپنے علم سے قوم کو اسقدر فائدہ پہنچا سکوگے
جسقدر کہ تمہاری بداخلاقی سے اسکو نقصان پہونچیگا
انسان کے لیے اپنے نفس کی تربیت کا بہتر طریقہ ہوگا
کہ اسکو ایسے کاموں کا التزام کرنا چاہیے جنکا ملکہ نفس
میں راسخ ہوجائے اور ان کو بہ تکلف کرنا چاہیے اور
اس کی پابندی کرنا چاہیے اور کسی چھوٹے یا بڑے کام
میں تساہل کو راہ نہ دینا چاہیے۔ بلکہ بہتر ہو اگر اپنے
کسی دوست کو اپنی حالت کا نگراں بنادیا جائے جو بھول
چوک یاد دلائے۔ اور اگر کسی کام میں تساہل دیکھے تو ملامت
کرے۔ ایک واقعہ جسکا مجھے بذات خود تجربہ ہوا ہے،
آپکے سامنے بطور مثال کے بیان کرتا ہوں۔
طالبعلمی کے زمانہ میں میرا ایک رفیق تھا میں نے اس سے کہا
کہ اگر تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کردوگے تو

حكمك في الجزاء عليها، قلت له
هذا وما انا بآمن على نفسي من
فلتات اللسان، ونزغات الشيطان
وانما اردت ان يكون ذلك حاملا
لي على شدة الاحتراس من الكذب
الذي هو شر الرذائل واشدها
ضررا، والحمد لله انه لم يستطع
ان يحفظ في السنين الطوال التي
عاشرني فيها كذبة ما، وما ابرئ
نفسي ولا ازكيها بهذا وانما اريد
ان اذكر لكم ايها الاخوة النجباء
بما جربته واستفدت منه
لعلكم تعتبرون.

الفضيلة والتربية الدينية

لا فضيلة الا بالدين فمن
لم يتزرب تربية دينية لا يكون
على شيء يعتد به من مكارم الاخلاق
وقد ينشأ بعض الناس على

اُس کی سزا کا تم کو اختیار دیتا ہوں۔ میں اپنی نسبت
زبان کی لغزشوں اور شیطان کے وسوسوں سے
بیخوف نہ تھا بلکہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ جھوٹ
جو بدترین رذائل اور سخت نقصان دہ ہی اس سے
بچنے کے لیے یہ نگرانی معین ہو۔ الحمد للہ کہ سالہا
سال کی صحبت میں وہ میرا ایک جھوٹ بھی نہیں
ثابت کر سکا۔ اس سے مجکو اپنے نفس کی براءت
اور اُس کی پاکی بیان کرنا مقصود نہیں ہی۔ بلکہ
اے برادرانِ کرام! میں آپ کو ایک طریقہ
بیان کرنا چاہتا ہوں جسکا میں نے بذات خود
تجربہ کیا اور اس سے فائدہ اُٹھایا ہی۔ شاید
آپ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

فضیلت اور دینی تربیت

فضیلت بغیر مذہب کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس
جس شخص نے دینی تربیت نہیں پائی اُس کے
اخلاق حسنہ کوئی ایسی چیز نہیں جو قابل
ذکر ہو۔ کبھی بعض آدمیوں کی
ابتدائی نشوونما

الفضائل والآداب الدينية ثم يعرض له الشك في دينه او الجحود في الكبر، ولكنه اذا استطاع التفلت من جميع عقائده، لا يستطيع التفلت من جميع فضائله، وقد يغتر هو بنفسه او تغير غيره بما بقي له من آثار صبغة الدين فيقولون ان الكفر قد اتفق مع الفضيلة، ويغفلون عما يحدث له هذا الكفر من انواع الرذيلة وقد يسمون بعض الرذائل باسماء الفضائل او يعدونها منها۔

فضائل اور دینی آداب پر ہوتی ہی لیکن بڑے ہو کر ان کو مذہب کی نسبت شک ہو جاتا یا اُسکے قطعی منکر ہو جاتے ہیں. اس صورت میں اگر وہ مذہب کے تمام عقائد سے آزاد ہو جاتے ہیں تاہم اُسکے تمام فضائل سے معرا نہیں ہو سکتے بعض اوقات اُس مذہبی رنگ کے آثار رہی جو باقی رہ گئے ہیں خود اُسکو دھوکا ہوتا جاتا ہی یا لوگ اُسکو دھوکے میں ڈالدیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر فضیلت کے ساتھ جمع ہو گیا ہے حالانکہ طرح طرح کے رذائل جو اس کفر سے پیدا ہوئے ہیں ان سے غافل ہو جاتے ہیں. کبھی رذائل کا نام فضائل رکھا جاتا. یا اُن کو فضائل میں شمار کیا جاتا ہی۔

یوجد افراد من الملاحدة فی البلاد الغربية يزعمون انه يمكن ان يستغني في تربية النفس عن الدين بان يقام بناء الفضيلة على اساس العلم والعقل بان يقنع المربي من يربيه بان الرذائل ضارة بفاعلها،

مغربی ممالک میں ایک جماعت ملحدوں کی ایسی پائی جاتی ہے جنکا خیال ہی کہ نفسانی تربیت کے لیے مذہب کی کوئی ضرورت نہیں ہے. اور فضیلت کی عمارت صرف علم اور عقل کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے. مثلاً تربیت کرنے والا اپنے شاگردوں سے کہے کہ تمام رذائل خود کرنیوالے کے لیے

او بالهيئة الاجتماعية التي يعيش
فيها، وان الفضائل دعائم المصالح
والمنافع، كأن يقال له ان الكذب
قبيح متى عرف به امرؤ بطلت
الثقة به، ومن لا يوثق به
تفوته منافع كثيرة، ويكون
محتقرا في انفس الناس، ويقال له
نحو هذا في مدح الامانة والترغيب
فيها، ويرون ان هذا النحو من
التربية أفضل وانفع من التربية
الدينية التي اساسها عندهم
التخويف من عقاب الآخرة،
وقد سمعنا بعض مقلدتهم
من المتفرنجين يلوكون مثال
هذه الكلمات ويتشدقون
بها ويرون انهم ينطقون بالحكمة
ويرفعون قواعد الفلسفة،

كان سبب حدوث هذه
الافكار في اوربة ماسبق من
ضغط رجال النصرانية في القرون
الخالية على رجال العلم، واحرار

اور نیز اُس قوم کے لیے جس میں وہ زندگی بسر کرتا ہے
مضر ہیں۔ اور فضائل ہر قسم کی مصلحتوں اور
منفعتوں کے اصل اصول ہیں۔ گویا کہ کہا جا سکتا ہے،
کہ جھوٹ بہت بُری چیز ہی جو آدمی جھوٹا مشہور
ہو جاتا ہی اُسپر کسی شخص کو اعتماد نہیں رہتا اور جسپر
اعتماد نہیں ہوتا وہ بہت سے فوائد سے محروم ہو جاتا
اور لوگوں کی نظروں میں حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہی
اسی قسم کی باتیں امانت کی تعریف اور ترغیب میں
کہی جا سکتی ہیں۔ اُن کا خیال ہی کہ اس قسم کی
تربیت اُس مذہبی تربیت کی نسبت جس کی بنیاد
آخرت کے عذاب سے ڈرانے پر ہی بہت زیادہ
مفید ہی۔ ہم نے ملحدان یورپ کے بہت سے
مقلدوں کو دیکھا ہی جو اس قسم کے خیالات نہایت
فخر کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ
وہ حکمت کے موتی اُگلتے اور خالص فلسفہ
کی ٹانگ توڑ رہے ہیں۔

یورپ میں اس قسم کے خیالات کے
پیدا ہونے کا یہ باعث ہے کہ
گزشتہ صدیوں میں نصرانیت
کے حامیوں نے اہل علم اور آزاد
خیال لوگوں کو بہت ستایا ہے۔

الفکر، اذ کانوا یقتلونهم تقتیلا
ویحرقونهم بالنار احیاءً، فکان
من مقتضی سنة رد الفعل
ان یغلوا احرار الفکر من المارقین
من النصرانیة فی ذم الدین و
التنفیر عنه، وقد وجدوا فی کتب
ذلک الدین وتقالیده وسیرة
بعض رؤسائه مجالا واسعًا للطعن
والتنفیر، ومع هذا کله لا یزال
السواد الاعظم من الشعوب الافرنجیة
کلها، یربون اولادهم من النشأة
الاولی علی آداب الدین وفضائله
ولا سیما الانکلیز والجرمانیین
منهم، ویخصون الاناث بمزید
العنایة فی التربیة الدینیة لأنهن
هن اللواتی یربین الاولاد فی الطور
الاول من حیاتهم ویؤثر عن الفیلسوف
سبنسر اکبر علماء الاجتماع و
التربیة فی هذا العصر انه قال
ما معناه ان بعض الناس یریدون
تحویل تربیة الفضیلة عن اساس

ان کو قتل کرتے تھے اور زندہ آگ میں
جلا دیتے تھے۔ لہذا ان سختیوں کی پاداش
میں عیسائیت کو ترک کرنے والے آزاد
خیال ملحدوں نے بھی مذہب کی مذمت
کرنے اور اس سے نفرت دلانے میں
مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مذہب عیسوی کی
کتابوں اور اس کے رسوم و آداب اور اسکے
پیشواؤں کی سیرت میں اس قسم کے طعن و تشنیع
کے لیے ان کو بڑا وسیع میدان مل گیا۔ مگر
باوجود ان تمام باتوں کے تمام یوروپین
قوموں اور خاصکر انگریزوں اور جرمن کا
گروہ کثیر اپنی اولاد کو اس کی ابتدائی نشوونما
کے زمانہ میں مذہب کے آداب و فضائل
پر تربیت کرتا ہے۔ اور بالخصوص عورتوں
کی دینی تربیت کی نسبت بہت زیادہ توجہ
کی جاتی ہے۔ کیونکہ عورتیں ہی ابتدائی زمانہ میں
بچوں کی تربیت کرنیوالی ہوتی ہیں۔ علامہ ہربرٹ
اسپنسر جو اس زمانہ میں علوم تمدن و تربیت کا
سب سے بڑا عالم ہے اسکا یہ قول مشہور ہے کہ
"بعض لوگ تربیت کو مذہب کی
بنیاد سے ہٹا کر علم کی بنیاد پر

الدين الى اساس العلم، واذا وقع
هذا بالفعل نقع به الناس فى فوضى
ادبية لايعلم احد عاقبتها (۱)
مالنا ولكلام الناس وافعالهم
اننا نعلم بالنظر والاختبارات اقناع
جميع طبقات الناس بنفع الفضائل
وضرر الرذائل وحملهم على العمل
المطرد فى ذلك مما لا سبيل اليه
ولا مطمع فيه، فالولد ان لا يعقلونه

قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ عملاً واقع ہوگیا تو لوگ
ایسی اخلاقی گڑبڑ میں مبتلا ہونگے جسکا انجام
کوئی نہیں جانتا [۱]
لوگونکے اقوال اور افعال پیش کرنے کی ہمکو کوئی
ضرورت نہیں ہی ہم کو از روی دلائل اور تجربہ کے
یہ بات معلوم ہی کہ فضائل کے فوائد اور رذائل کے
نقصانات پر ہر ایک طبقہ کے آدمیوں کو
مطمئن کر دینا اور ان تمام کو اُسپر باتفاق عمل
کرنے کے لیے آمادہ کر دینا ایک ایسی بات ہی کہ
جس کی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی اور نہ اسکی
امید کیجا سکتی ہی۔ بچے اسکو نہیں سمجھیں گے

(۱) كنت اريد ان اذكر فى هذا
البحث كلمة للفيلسوف ابن رشد
اشهر حكماء عصره ثم نسيتها
وهي ان الفيلسوف الحقيقى لا يجيز
ان يجعل الدين محل الشك والاثبات
و يوضع موضع البحث لان ذلك
يتضمن جعل مبدأ الفضيلة واساسها
موضع الشك وذلك هدم للفضيلة
اه بالمعنى ومثاله ان يشكك المريض
فى اصل الطب ويحمل على ان لا يقبل
المعالجة والدواء الا بعد البحث فى
علم الطب نفسه واقامة الحجة
على نفعه ۱۲

[۱] میرا ارادہ تھا کہ میں اس بحث میں فیلسوف ابن رشد
کا ایک جملہ نقل کرونگا جو اپنے زمانہ کا مشہور حکیم
گزرا ہی۔ مگر دوران تقریر میں مجھکو یاد نہیں آیا
اور وہ جملہ یہ ہے کہ "حقیقی فیلسوف ہرگز اس بات
کو جائز نہیں رکھے گا کہ مذہب کو محل شک و اثبات
اور موضوع بحث بنایا جائے کیونکہ اس سے
فضیلت کی بنیاد مشکوک ہو جاتی ہی اور یہ فضیلت
کی بنیاد کا منہدم کر دینا ہے"۔ اس کی بعینہ ایسی مثال
ہی کہ کوئی مریض طب کی نسبت شک کرنے لگے
اور کہے کہ جب تک بحث و گفتگو سے علم طب کا ثبوت
نہ ہو جائے اور اسکے مفید ہونے پر دلائل قائم نہو جائیں
وہ معالجہ قبول نہ کریگا"

وبلداء العوام وجماهير الشعوب
الهمجية لا يقتنعون به، واكثر
الاذكياء يجعلون انفسهم معيار
المنافع والمضار، فيؤثرون ما
ينفعهم وان اضر بغيرهم، و
يطبقون ذلك على قانون فضيلة
المنافع بالتأويل، فاذا اقتدر الواحد
منهم على اكل مال غيره بالباطل
او خيانته في عرضه وامن اطلاع
الناس عليه خان في المال او العرض
واول ذلك في نفسه بانه هو
احق بالمال واجدر به، لانه
يضعه في مصارفه التي هي انفع
للناس وله، ويزعم ان صاحب
المال لا يقدر على ان يأتي بمثل
نفعه وعمله، ولا يأبي ان يقول
ان الخيانة في العرض لا ضرر فيها،
لانه يفسر الفضائل والرذائل
بحسب الشهوة والهوى، وقد
صرح امامي من يعد في الطبقة
العليا من حرية الفكر بان اكل

اور بے وقوف لوگ اور عوام کالانعام اس پر
مطمئن نہوں نگے اور اکثر سمجھدار اور ذہین آدمی
منفعتوں اور مضرتوں کا معیار اپنی ذات
کو قرار دینگے اور اس لیے جو چیز انکے لیے
مفید ہوگی اسکو اختیار کرینگے اگرچہ اس سے
دوسروں کو نقصان پہونچے۔ اور اس کو
تاویل کرکے تفضیلت کے قانون پر منطبق کرلینگے
پس اگر ان میں کوئی شخص دوسرے کا مال
ہضم کرنے یا اس کی آبرو میں خیانت کرنے پر
قادر ہوگا اور راز فاش ہوجانے کا اس کو
اندیشہ نہوگا تو وہ بے تکلف مال یا آبرو میں
خیانت کا ارتکاب کرگزریگا۔ اور اسپنے
دل میں یہ تاویل کریگا کہ میں اس مال کا زیادہ
مستحق ہوں کیونکہ میں اسکو اصلی مصارف
میں صرف کرونگا جو لوگوں کیلیے زیادہ مفید ہونگے
اور اس مال کا مالک ایسا نہیں کرسکتا اور نہ بقدر
نفع پہونچا سکتا ہے اور شاید وہ یہ بھی خیال کرے کہ آبرو
میں خیانت کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ وہ
فضائل اور رذائل کی تفسیر اپنی خواہش کے
مطابق کرے گا۔ خود میرے سامنے ایک
اعلیٰ طبقہ کے آزاد خیال نے اس بات کا اقرار کیا

مال الناس بالباطل (اي بدون
مقابل ولا تراض) يعد من الفضيلة
اذا كان سارقه او ناهبه او الخائن
فيه ينفقه فيما يراه أنفع للهيئة
الاجتماعية مما ينفقه فيه صاحب
المال، ولا يخفى على عاقل ان الناس
يختلفون اختلافاً كبيراً في النافع
والانافع وضدهما، فما يراه بعضهم
نافعاً يستحق الشكر، قد يراه بعضهم
ضاراً يستحق فاعله القتل، فاذا
لم يكن لهم دين يحكم كتابه بين
الناس فيما اختلفوا فيه، وجروا
على استباحة كل منهم ما يرى
انه ينفع به ما لا ينفع غيره، الا
يكونون في فوضى وخيانة تفسد
عليهم امرهم، حتى يأذن الله
بهلاكهم؟

يقول غوستاف لوبون في
كتابه (روح الاجتماع) ان بعض
القضاة عندهم (في فرنسة) احصى
عدد المجرمين الذين حكمت

کہ دوسرے کا مال بلاوجہ (یعنی بلامعاوضہ اور بغیر رضامندی
کے) ہضم کر جانا بلاشبہ فضیلت میں شمار کیا جاوے گا جبکہ
اسکا چرانے والا یا چھیننے والا یا خیانت کرنے والا
ایسے کاموں میں صرف کرے جو قوم اور ملک
کے لیے زیادہ مفید ہوں بہ نسبت اُن کاموں کے
جن میں اسکا مالک خرچ کرتا ہے۔ اور کسی عاقل
پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ منفعت اور
مضرت کی کمی بیشی کی نسبت لوگوں کی
رایوں میں کس قدر عظیم الشان اختلافات
ہیں۔ جس کام کو ایک شخص مفید اور قابل
شکرگزاری سمجھتا ہے دوسرا شخص اسکو
مضر اور اسکے کرنیوالے کو واجب القتل جانتا ہے۔
پس اگر انکے لیے کوئی مذہب نہو گا جس کی
کتاب ان اختلافات کا فیصلہ کرے اور وہ اپنے
خیال میں زیادہ فائدہ پہونچانے کی غرض سے
دوسروں کے مال کا ہضم کر لینا مباح سمجھینگے
تو کیا اُن کا معاملہ اور انتظام بالکل درہم برہم
نہو جائیگا یہانتک کہ خداوند تعالی اُن کے
غارت کرنے کا فیصلہ نافذ کرے۔

فرانس کا مشہور محقق گستاولیبان اپنی
کتاب "روح الاجتماع" میں لکھتا ہے کہ ہمارے
ملک فرانس کے ایک جج نے ان مجرموں کی
تعداد پر غور کی جو محکمہ فوجداری سے سزایاب ہوتے تھے

عليهم محكمة الجنايات فكان
ثلاثة ارباعهم من المتخرجين
في المدارس العالية والربع
من عوام الناس، ونحن نعلم
ان الذين لا يجرمون من هؤلاء
المتعلمين الماديين لا يصدهم
عن الاجرام والجناية الفضيلة
وانما يصد بعضهم خوف
الفضيحة او عقاب الحكومة
اذا ظهرت الجناية، وبعضهم
اشتغاله بعمل يصرفه عنها،
وعن الشعور بالحاجة اليها،
وبعضهم تأثير التربية الدينية
الاولى، ولا يكاد يتعفف عن
الرذيلة احد تدفعه شهوته
اليها وتقرب اسبابها منها،
الا المتدين الذي يراقب الله
تعالى ويخشاه، او الفيلسوف
العالي النفس اذا ثبت عنده
انها رذيلة، ولهذا نرى
سيرة كثير من الفلاسفة

اسکو معلوم ہوا کہ کل مجرموں میں ¾ ایسے ہیں
جنھوں نے اعلیٰ تعلیم گاہوں سے ڈگریاں
پائی ہیں۔ اور ¼ عوام الناس میں سے۔
ہم کو معلوم ہے کہ تعلیم یافتہ ملحدوں کی جماعت
میں سے جو لوگ جرائم کا ارتکاب نہیں کرتے
ان کو اس سے باز رکھنے والا فضیلت کا
خیال نہیں ہے بلکہ راز فاش ہو جانے کی
حالت میں فضیحت کا خوف یا حکومت کی
طرف سے سزا کا اندیشہ ان کو ارتکاب جرائم
سے باز رکھتا ہے۔ بعض اشخاص اپنے کاروبار
میں ایسے مصروف و منہمک ہوتے ہیں کہ
ان کو اسکا خیال نہیں آتا۔ بعض لوگوں کی طبیعتوں
پر ابتدائی مذہبی تربیت کا کچھ اثر باقی ہوتا ہے اور
یہ امور مانع ہوتے ہیں۔ اگر خواہش نفسانی ارتکاب
رذیلہ پر آمادہ کرے اور اسکے اسباب بھی
جمع ہو جائیں تو ایسی حالت میں سوائے
اُس متدین شخص کے جس کے دل میں خدا
کا خوف ہے یا اُس فیلسوف کے جس کا
نفس عالی ہے کوئی شخص بھی پارسائی اور
پاک دامنی کے اصول پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا
یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر فلاسفروں کی سیرت
کو بہت سے رذائل سے ملوث پاتے ہیں

مملوءة بالروائح الكثيرة، وهذا
من معنى قولنا ان الفضيلة
القائمة على قواعد الدين تكون
عامة ينتفع بها جميع طبقات
البشر في بداوتهم وحضارتهم
بقدر حظهم منها، واما الفضيلة
العقلية النفعية المحضة فلا تكون
الا خاصة ببعض افرادهم الممتازين
على ما يعرض فيها من سوء التاويل

اضرب لكم مثلا رجلا فقيرا
بائسا من بلدنا (القلمون) يكنى
ابا حطب كان يحمل الخضر والفاكهة
على ظهره ويصعد من بساتين
القلمون او طرابلس الشام الى
جبل لبنان ينتقل بها من قرية
الى قرية ليبيعها ويأكل من ربحها
شب وشاب على ذلك، هذا
الرجل البائس وجد مرة في
شارع من شوارع ميناء طرابلس
خال من الناس كيسا كبيرا مملوءا
بالنقود الذهبية (الليرات)

اور یہی معنی ہیں ہمارے اس قول کے کہ
جو فضیلت مذہب کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے
اسکا فائدہ ہر طبقہ وہر درجہ کے اشخاص کے لیے
خواہ مہذب اور شایستہ ہوں یا غیر مہذب ہوں
عام ہوتا ہے لیکن وہ عقلی فضیلت جسکی بنیاد
محض فائدہ پر ہو اُس سے صرف بعض ممتاز
افراد مستفید ہو سکتے ہیں. بشرطیکہ اُس میں
تاویل کی گنجایش نہو۔

میں آپکے سامنے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں
جو ہمارے شہر "قلموں" کے غریب اور مسکین
شخص کو جسکا نام ابوحطب تھا پیش آیا تھا
یہ شخص قلموں یا طرابلس شام کے باغوں سے میوے
اور سبز ترکاریاں اپنی پیٹھ پر لاد کر لیجاتا اور گانوں
درگانوں اُن کو بیچتا پھرتا تھا۔ اور جو کچھ
اُس کو نفع ملتا اس سے اپنا پیٹ
پالتا تھا۔ اسی کام میں اسکا لڑکپن اور
جوانی کا زمانہ بسر ہو کر بڑھاپا آگیا تھا۔
ایک بار اس مسکین شخص نے طرابلس کی بندرگاہ کے
کسی بازار میں جو اسوقت آدمیوں سے خالی
تھا ایک تھیلی پڑی ہوئی پائی جو
اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی

فتناوله و وضعه في سلة الخضر
التي يحملها على ظهره وسلك
بسيره الهوينا على عادته الى
ان رأى في الطريق رجلاً روميا
ملهوفا يعدو و يصيح (خراب
بيتي) فعرف الرجل المسكين
بالقرينة انه صاحب الكيس
فناداه و هو لا يلتفت اليه -
"تعال ياخواجه تعال ياخواجه"
فاقبل عليه الرومي فسأله ما ذا
ضاع لك؟ قال كيس من الذهب
فيه كذا من مات الليرات،
فاخرج له الكيس و قال أ هذا
كيسك؟ قال نعم نعم قال خذه
فاخذه الرومي و لم يعطه
شيئا. فسأله بعض الناس
لماذا اعطيت هذا الرومي
الخبيث الكيس و هو لم يعلم
انه كان معك و لو اخذته
لاغناك عن بيع الخضر طول
عمرك، فقال اذا كان هو لم يعلم

اُس نے اُٹھا کر ترکاری کے ٹوکرے میں رکھ لی
اور حسب معمول آہستگی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوا
کچھ عرصہ کے بعد اُس نے ایک رومی کو دیکھا جو مصیبت
زدہ تھا اور جو دوڑتا اور چیختا ہوا جا رہا تھا "میرا
گھر لٹ گیا" ابوحطب نے قرینہ سے معلوم کیا کہ
تھیلی کا مالک یہی شخص ہے اُسکو آواز دی۔ رومی
اسکی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ اُس نے پکارا
"اے خواجہ ادھر آؤ" جب وہ قریب آیا تو اُس سے
دریافت کیا کہ تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے۔ رومی
نے کہا کہ ایک تھیلی کھوئی گئی ہے جس میں اس قدر
اشرفیاں ہیں مسکین ابوحطب نے وہ تھیلی اپنے
ٹوکرے میں سے نکال کر کہا "کیا یہی
تمہاری تھیلی ہے"؟ اُس نے کہا "ہاں"
اُس نے کہا "لو" رومی نے وہ تھیلی
لے لی اور اُس غریب کو ایک پیسہ بھی
نہیں دیا۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تو نے
اس خبیث رومی کو تھیلی کیوں دیدی۔ اُسکو معلوم
نہیں تھا کہ وہ تیرے پاس ہے۔ اگر تو
تھیلی رکھ لیتا تو تمام عمر ترکاری بیچنے کی
مصیبت سے چھوٹ جاتا۔ ابوحطب نے
جواب دیا کہ اگرچہ رومی کو معلوم نہ تھا

اِنني اخذت الكيس فان الله
علم بذلك وهو مطلع عليّ-
هذا ما فعله البائس الفقير
"ابو حطب" بوازع الدين وهو
مطمأن القلب منشرح الصدر
أفرأيتم لو كان قد تلقي من بعض
الفلاسفة الماديين انه لا اله
ولا دين ولا حياة للناس بعد هذه
الحياة وان الامانة واجبة عقلا
لان الهيئة الاجتماعية لا تصلح
بدونها ، اكان يعطي الكيس لذلك
الرومي واكثر هؤلاء الاروام
عندنا اشرار شرسون لا يحبهم
الناس ولا يرجون منهم خيرا ؟
لا والله ، بل لو وجده بعض
القضاة الماديين الذين عهد
اليهم اقامة ميزان العدل و
احقاق الحق لاكلوه فرحين
مستبشرين-
اكتفي بهذا البيان الوجيز
في اثبات كون تربية النفس

کہ تھیلی میرے پاس ہے مگر خدا کو تو معلوم ہے اور
وہ میرے تمام اسرار پر مطلع ہے۔
مسکین ابوحطب نے صرف مذہب کے خیال اور
اثر سے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ ایسا کیا۔
اگر اُس نے بدقسمتی سے یورپ کے ملحد حکیموں سے
یہ تعلیم پائی ہوتی کہ "نہ کوئی خدا ہے، نہ مذہب ہے،
اور نہ اس دنیا کی زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے
اور یہ کہ امانت داری از روی عقل کے نہایت
ضروری ہے کیونکہ قوم کی اصلاح بغیر اسکے نہیں ہوسکتی
تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ رومی کو تھیلی دیدیتا۔
ہمارے ملک میں اکثر رومی شریر اور کج اخلاق ہوتے
ہیں، عوام الناس ان کو پسند نہیں کرتے اور
نہ ان سے نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر
یہ اشرفیوں کی تھیلی کسی ملحد جج کو مل گئی ہوتی
جن کے ذمہ عدل و انصاف کی میزان
کا قائم کرنا ہے تو نہایت خوشی کے
ساتھ بے تکلف اس کو ہضم
کر جاتے۔
میں اس امر کے ثبوت میں کہ
نفس کی تربیت و فضیلت بغیر
مذہب کے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ

على الفضيلة لا تتم الا بالدين، و كون كل دين من الاديان اعون عليها من تلك الفلسفة الناقصة التي لا يمكن ان تكون عامة، وان كانت الخرافات والتقاليد الوثنية في اكثر الاديان تنافي كثيرًا من الفضائل، وتكون منماد الكثير من الرذائل۔

الفضيلة في الاسلام وقاعدة درء المفاسد و جلب المصالح

ايها الاساتذة والطلاب الكرام۔ ان عذر من قال من علماء الافرنج بالرغبة عن التربية الدينية الى التربية العلمية هو انهم وجدوا في الدين الذي نشأوا فيه وسائر الاديان التي عرفوها

کہ ہر ایک مذہب خواہ وہ کتنا ہی بودا ہو اس ناقص فلسفہ سے جو عام نہیں ہو سکتا زیادہ کار آمد ہوتا ہے۔ صرف اس مختصر بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگرچہ اکثر مذاہب میں خرافات اور شرک و بت پرستی کی رسمیں کثیر فضائل کے منافی اور رذائل کی پیدا کرنے والی ہیں۔

فضیلت اسلام میں اور حصول منفعت و دفع مضرت کا قاعدہ

✦

اے معزز اساتذہ وطالب علمو! یوروپ کے جو علماء دینی تربیت کو ترک کرکے علمی تربیت کو اختیار کرتے ہیں اُن کا عذر قابل سماعت ہے۔ کیونکہ جس مذہب میں ان کی نشو ونما ہوئی اور نیز جن مذاہب سے وہ واقف ہیں اُن میں ایسے بے شمار

خرافات كثيرة تضل العقل
وتحول بين البشر وبين كمال
الانتفاع بمواهبهم وما سخره
الله لهم من الكون، وتقسر
وجدانهم على قبول ما يضرهم
ولا ينفعهم، ولو عرف هؤلاء
العلماء حقيقة الدين الاسلامي
من كتاب الله تعالى وسنة
رسوله التي جرى عليها لما قالوا
ذلك القول ولما ذهبوا الى ذلك
المذهب على الاطلاق۔

لو عرفوا الاسلام من
كتابه وسنته - لا من سيرة
اهله في هذه الازمنة - لوجدوا
في اصوله كل ما يرونه نافعا
من تربية النشء على اجتناب
الرذائل والمفاسد لضررها،
والتزام الفضائل ومراعاة
المصالح لنفعها، فان بناء الاحكام
والاعمال على قاعدة درء المفاسد
والمضار وجلب المنافع ومراعاة

خرافات موجود ہیں جو انسانی عقول کو گمراہ
کرنے والے، اور انسان کو عطیات قدرت
اور کائنات کی ان چیزوں سے جو خدا
نے اُس کے لیے مسخر کی ہیں پوری طرح
فائدہ اُٹھانے سے باز رکھنے والی، اور
انسانی طبائع کو ایسی باتوں کے قبول کرنے پر
جو ان کے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہیں، مجبور
کرنے والی ہیں۔ ان علمائے یوروپ کو
اگر اسلام کی حقیقت جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے معلوم ہوتی
تو وہ عام طور پر ایسا نہ کہتے اور نہ یہ مسلک اختیار
کرتے۔

اگر وہ اسلام کو کتاب اور سنت سے جانتے، نہ کہ
اہل اسلام کی سیرت سے جو اس زمانہ میں ہے۔ تو
انکو معلوم ہو جاتا کہ اس مذہب کے اصول میں وہ
تمام چیزیں موجود ہیں جن کو وہ بچوں کی تربیت
میں اجتناب رذائل و اکتساب فضائل کیلیے
مفید سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اسلام میں تمام احکام
اور اعمال کی بنیاد حصول منفعت اور دفع مضرت کے
قاعدہ پر ہے۔ جو ایک متفق علیہ
اور مسلّم قاعدہ ہے۔ اور

المصالح، من القواعد الاسلامية
المتفق عليها، ومن اصول ديننا
ان الله غني عن العلمين رحيم بهم
فما حرم عليهم شيئًا الا لانه
ضار بهم، ولا اوجب عليهم
شيئًا الا لانه نافع لهم "يُرِيْدُ اللهُ
بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ"
وقال تعالى فيمن امن من اهل الكتاب
"اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ
الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ
يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ
عَلَيْهِمْ"، وان المعروف هو ما عرفته
العقول القويمة، والطباع السليمة
والمنكر ما انكرته، والطيب ما
يطيب للناس لنفعه ولذته والخبيث
ضده، وقد ضبط بعض علمائنا
اشتات المنافع بخمس كليات

یہ بھی ہمارے مذہبی اصول میں ہے کہ خداوند تعالے
تمام مخلوقات سے بے نیاز، اوران پر رحم
کرنے والا ہے اُس نے کوئی چیز انسان کیلیے
حرام نہیں کی مگر یہ کہ وہ اسکے لیے مضر ہے۔
اور کوئی چیز اُسپر واجب نہیں کی مگر یہ کہ اسکے
لیے مفید ہے "خدا تمہارے واسطے آسانی کا
ارادہ کرتا ہے اور تمہاری دشواری کا ارادہ
نہیں کرتا" اور خداوند تعالی نے اُن اہل کتاب
کی نسبت جو ایمان لائے فرمایا ہے "جو لوگ اُس
رسول اور نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں جسکا نام
وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے
ہیں وہ اُنکو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا
ہے اور پاک سُتھری چیزیں انکے لیے حلال کرتا
اور نجس چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن کی
وہ بوجھ اور بیڑیاں جن میں وہ گرفتار تھے دُور کرتا ہے"
اس آیۃ میں لفظ معروف کے معنی اُن چیزوں کے
ہیں جن سے عقل سلیم رغبت اور منکر جن سے
نفرت رکھتی ہو۔ اور طیب جو بوجہ اپنے فائدہ
لذت کے مرغوب ہو۔ اور خبیث جو اُسکے برخلاف
ہو۔ ہمارے علما نے تمام اقسام منافع کو کلیات
خمس میں منضبط کیا ہے۔ اور

وهي حفظ الدين وحفظ النفس (اى حفظ ذوات الناس ان يعتدى عليها بالقتل او الايذاء) وحفظ العقل وحفظ العرض و حفظ المال۔

ان القرآن الحكيم قرن فرضية العبادات المحضة ببيان منافعها۔ فقال تعالى ,, وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ،، اى ان الذي يقيم الصلوة على وجهها المطلوب تعلوا نفسه و تزكوا بمناجاة الله وذكره وتلاوة حكم القرآن وعبره، وتصير قربته تعالى ملكة له، حتى تنفر نفسه من الفواحش والمنكرات، وقال ,, كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ،، فبين ان الصيام نقصد به تربية ملكة التقوى وهي ان يملك الانسان نفسه وهواه فيسهل عليه اتقاء ما يضره ويشينه في دينه ودنياه

وہ یہ ہیں (۱) حفظ دین (۲) حفظ نفس یعنی آدمیوں جانیں قتل اور ایذا سے محفوظ ہوں (۳) حفظ عقل (۴) حفظ آبرو (۵) حفظ مال۔

قرآن مجید میں اُن اعمال کی فرضیت کے ساتھ جو محض عبادات ہیں ان کی منفعتوں کو بھی بیان کیا گیا ہی۔ خداوند تعالی فرماتا ہی "بے شک نماز بے حیائی کے کاموں اور بُری باتوں سے روکتی ہی" یعنی جو لوگ نماز کو اس طرح پر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اسکا حق ہی تو انکا نفس خدا کی یاد اور اُس کی مناجات اور قرآن مجید کی تلاوت اور اسکی عبرتوں کے باعث پاک اور بلند ہو جاتا ہی اور خدا کی ذات ہر وقت اُنکے پیش نظر رہتی ہی اور اسلیے فواحش اور منکرات سے ان کو نفرت ہو جاتی ہی۔ اور نیز فرماتا ہی "روزے تم پر فرض کیے گئے جیسا تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں پرہیزگاری کی صفت پیدا ہو" اس آیت میں بیان کیا گیا ہی کہ روزہ سے اتقا و پرہیزگاری کے ملکہ کی تربیت مقصود ہی۔ اور وہ یہ کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہشات کا مالک ہو تاکہ اُس کے لیے اُن چیزوں سے بچنا آسان ہو جو اسکو دینی یا دنیوی نقصان پہونچانیوالی ہیں

وذلك ان من تعود ترك الشهوات
التي لا يستغني عنها لحفظ شخصه
وحفظ نوعه وهي الاغذية والوقاع
يكون اقدر على منع نفسه عن
غيرها من الشهوات والاهواء
الضارة غير الضرورية، ومما
جاء فيه عن الحج قوله "ليشهدوا
منافع لهم ويذكروا اسم الله
في ايام معلومات" الخ واما
الآيات في فوائد الزكوة وبذل
المال في سبيل الله وهي سبيل
الحق والخير فكثيرة فاذا كان
هذا الكتاب الحكيم يعلل مهمات
العبادات ببيان منافعها وفوائدها
فهل يأبى ان نعلل الاحكام الدنيوية
والآداب الاجتماعية بالمنافع
والفوائد؟ كلا انه ارشدنا اليها
بمثل قوله "ادفع بالتي هي احسن
فاذا الذي بينك وبينه عداوة
كانه ولي حميم"، ومثل قوله
"ولولا دفع الله الناس بعضهم

کیونکہ جو شخص اپنی ذات یا نوع کی حفاظت کی
غرض سے ایسی خواہشات کے ترک کرنیکا عادی
ہوگا جو ضروری اور لابدی ہیں مثلاً غذائیں اور
مقاربت، تو ایسا شخص ان خواہشات کے ترک
کرنے پر جو غیر ضروری اور مضر ہیں زیادہ تر قادر ہوگا
حج کی بابت قرآن مجید میں آیا ہے "تاکہ حاضر ہوجائیں
اپنے فائدوں کے لیے اور اللہ کا نام لیں چند معلوم
دنوں میں" زکوٰۃ اور خدا کی راہ میں جو نیکی اور
حق کی راہ ہے۔ مال خرچ کرنے کی نسبت جو آیتیں
قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں وہ بیشمار ہیں۔ پس جبکہ
قرآن مجید محض عبادات کو انکے فوائد اور منافع
کے ساتھ بیان کرتا ہے تو کیا وہ دنیوی احکام
اور تمدنی آداب میں جو علتیں اور حکمتیں
مضمر ہیں اُن کو بیان نہیں کریگا۔ یہ ہرگز نہیں
ہوسکتا۔ بلاشبہ اُس نے ہم کو ان کی
طرف رہنمائی کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے
"برائی کو دفع کرو ایسی خصلت سے جو بہت بہتر
ہو پس ناگاہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں
دشمنی ہے گویا دوست ہے رشتہ دار" اور نیز فرمایا
ہے۔ "اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو
بعض کو بعض کے ذریعے سے

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ"

ایها الاخوة الکرام!

لا یمکنني في هذا الوقت القصیر ان اطیل الشواهد علی موافقة اصول الاسلام وفروعه للعقل والفطرة البشریة ومصالح الناس ومنافعهم وانما اقول انني مستعد لاقامة الحجة علی کل من یدعی خلاف ذلك فمن عرضت له شبهة فیه فلیوردها علیّ فی حال القرب، ولیکتبها الی فی حال البعد، وانا زعیم ان شاء الله تعالی بکشفها واقناعه فیها، اذا کان طالبًا للحقیقة بالاخلاص. قد جربت هذا مع کثیر من الشرقیین والغربیین۔

کان لی صاحب في مصر من احرار الانکلیز اسمه مستشل انس کان وکیلا لنظارة المالیة، وقد جری بیننا مذاکرات کثیرة فی المسائل الدینیة

تو تباہ ہو جائے ملک"

برادرانِ کرام!

اس تنگ وقت میں میرے لیے یہ بات ناممکن ہو کہ میں اس امر کے ثبوت میں کہ اسلام کے اصول و فروع انسانی عقل و فطرۃ اور انسانی مصلحتوں اور منفعتوں پر پوری طرح منطبق ہیں، زیادہ شواہد پیش کرسکوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جو شخص اسکے خلاف دعوی کرتا ہے میں اُس پر حجت قائم کرنیکے لیے تیار ہوں۔ اگر کسی کے دل میں کوئی شبہ ہو تو قرب کی حالت میں میرے سامنے بیان کرے اور بُعد کی حالت میں مجکو لکھ بھیجے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اُس شبہ کو حل کردینے اور اُس کو مطمئن کردینے کا ذمہ دار ہونگا۔ بشرطیکہ سائل اخلاص کے ساتھ حق کا متلاشی ہو، بہت سے اہل مشرق و اہل مغرب کے ساتھ میں اس کا تجربہ کرچکا ہوں۔

قاہرہ میں ایک آزاد خیال انگریز میرا دوست تھا جسکا نام مستشل انس اور جو صیغہ مال کا افسر اعلیٰ تھا ہمارے درمیان دینی اور دنیوی مسائل میں اکثر بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ

وغيرها وكان كثيرا ما يعترض
على بعض المسائل الدينية في الاسلام
او في كل دين وكنت اذا بينت له
حقيقة الاسلام فيها يتعجب فيقول
لي تارة "هذه فلسفة لا دين"
وتارة "هذا رأيك وفلسفتك
ما هو الاسلام" وقال لي مرة
"اذا كان هذا هو الاسلام فانا
مسلم" ومرة اخرى "اما ان
اكون انا مسلما واما ان تكون
انت كافرا" ومرة ثالثة "ما
اسمع مثل هذا الكلام المعقول
عن الاسلام الا منك او من الشيخ
محمد عبده افلا يوجد مسلمون
غيركما" ومرة رابعة "ارأيت
اذا سألت عن هذا بعض علماء
الازهر أيقول هذا الذي قلته؟
اذا قال هذا علماء الازهر فانا
اكون مسلما"

انني بهذه التجارب وبما
اعلم من حقيقة الاسلام وموافقته

وہ اکثر مجھ سے اسلام یا دیگر مذاہب کے مسائل
کی نسبت اعتراض کیا کرتا تھا۔ اور جب میں مسئلہ
زیر بحث کے متعلق اسلام کی حقیقت اُسکے
سامنے بیان کرتا تو وہ تعجب کرتا اور کہتا "
یہ تو فلسفہ ہی مذہب نہیں ہی"۔ کبھی کہتا کہ "
یہ تمہاری رائے اور تمہارا فلسفہ ہی یہ اسلام
نہیں ہی"۔ ایک بار اُس نے مجھ سے کہا کہ "اگر
یہی اسلام ہی تو میں مسلمان ہوں"۔ ایک بار اُس نے
کہا کہ "یا تو میں مسلمان ہوں یا تم کافر ہو"۔ ایک بار
اُس نے کہا کہ "اسلام کی نسبت ایسی معقول
باتیں سوائے تمہارے اور شیخ محمد عبدہ
کے کسی شخص کی زبان سے نہیں سُنتا۔
کیا تمہارے دونوں کے سوا کوئی مسلمان
نہیں ہے"۔ ایک بار وہ کہنے لگا کہ "
اگر میں علمائے ازہر سے یہ سوال پوچھوں
تو کیا وہ بھی یہی جواب دینگے جو تم کہتے ہو۔
اگر علمائے ازہر بھی یہی کہیں گے تو میں
مسلمان ہو جاؤنگا"۔

میں اس قسم کے تجربوں کی بنا پر اور نیز
جو کچھ مجکو اسلام کی حقیقت اور
انسانی فطرت کے ساتھ اس کی

لفطرة البشر ومصالحهم ومن
حاجتهم الى الدين بمقتضى فطرتهم
وبما في القرآن من الوعود الصادقة
بهذا كله اعتقد ان الاسلام
سينتشر في جميع الامم الغربية
والشرقية، وما حجب امم الحضارة
عن محاسن الاسلام الا سوء حال
المسلمين والجهل بحقيقته وتنفير
دعاة الدين ورجال السياسة
عنه وعن اهله۔

اننا نحن المسلمين قد صرنا
حجة على ديننا بما فشا فينا من
البدع والخرافات ولو كنا
مستمسكين بعروته، محافظين
على سنته، لعم الخافقين،
فان انتشاره السريع في العصر
الاول لم يكن الا بحسن حال
اهله وفضائلهم واعمالهم
كما اشرنا الى ذلك في الكلام
على نشأة الاسلام وفصلناه
بعض التفصيل في خطبتنا الختامية

مطابقت معلوم ہی اور یہ کہ انسان کے لیے
بمقتضاے اس کی فطرت کے مذہب کی
ضرورت ہی اور نیز قرآن مجید میں جو سچے وعدے
اسکے متعلق موجود ہیں۔ ان تمام امور کی
بنا پر میرا یہ اعتقاد ہی کہ مذہب اسلام دنیا کی
تمام مشرقی اور مغربی قوموں میں عنقریب
پھیل جائیگا۔ اسلام کی خوبیوں سے دنیا
کی شایستہ قومیں ابتک صرف اس لیے
ناواقف ہیں کہ مسلمانوں کی خستہ حالی اور
جہالت اپنے مذہب کی حقیقت سے اُن
قوموں کو ادہر توجہ نہیں کرنے دیتی اور نیز
انکا مذہبی اور سیاسی گروہ اسلام اور مسلمانوں سے
اُن کو نفرت دلاتا رہتا ہی۔

ہم مسلمانوں کا وجود بوجہ ان بدعات وخرافات
کے جو ہم میں شائع ہیں۔ ہمارے مذہب کے
بطلان کے لیے حجت ہو رہا ہی۔ اگر ہم اسلام
کے اصول پر قائم رہتے اور اُسکے آداب کی حفاظت
کرتے تو بلاشبہ وہ تمام دنیا میں پھیلجاتا۔ ابتدائی زمانہ میں
جس سرعت کیساتھ اسلام کی اشاعت ہوئی وہ مسلمانوں
کی خوشحالی اور اُنکے فضائل اور اُنکے اعمال کی وجہ سے تھی
جیسا کہ ہم نشاۃ اسلام کی بحث میں اسکی طرف اشارہ کرچکے
ہیں اور اجلاس ندوۃ العلماء کی اختتامی تقریر میں کسی قدر

لاحتفال جمعية ندوة العلماء،
وقد وصلنا الى دركة من
الانحطاط صار فيها الوثنيون
في هذه البلاد ارقى من المسلمين
علمًا وعملًا واتحادًا، هؤلاء
الذين لايزال الملايين منهم
يسيرون في الاسواق والشوارع
مكشوفي العورات عراة الاجسام
حفاة الاقدام، موسومي الجباه
باصباغ الاصنام، بل صار هؤلاء
الذين يعبدون الاحجار والانهار
والاشجار والقرود يطمعون
في ادخال المسلمين في دينهم
وقد صاروا يتصدون الى
دعوتهم، وقد بلغني هنا انه
دخل في دينهم طائفة ممن
يعدون من المسلمين، وان
لم يكونوا منهم الا في الاحكام
الرسمية، والاحصاءات
الجغرافية، ولا يوجد شعب
اسلامي محتاج في حياته

تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر چکے
ہیں۔ اب ہم تنزل اور انحطاط کے اس قدر
پست درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ہماری نسبت
اس ملک کے بت پرست بھی علم میں عمل میں
باہمی اتحاد و اتفاق میں ہم سے فائق اور
ترقی یافتہ ہیں۔ کس قدر شرم کی بات
ہے کہ وہ بت پرست جن میں آجتک لاکھوں
کروڑوں آدمی ننگے بدن ننگے پاؤں
آگا پیچھا کھلا ہوا۔ ماتھے پر بتوں کے
رنگ کا ٹیکا لگا ہوا بازاروں میں پڑے
پھرتے ہیں۔ اور جو پتھروں، دریاؤں
درختوں اور بندروں کی پرستش
کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب
میں داخل کرنے کی طمع کرنے لگے ہیں اور
اُن کو دعوت دینے کے لیے تیار ہوئے
ہیں۔ مجکو یہ اطلاع پہونچی ہے کہ کچھ نام
کے مسلمان جو صرف رسمی احکام اور مردم
شماری کے نقشوں میں مسلمان تھے اُنکے
مذہب میں داخل ہو گئے ہیں۔
کسی اسلامی گروہ کو اپنی سیاسی
اور تمدنی زندگی میں مذہب

السياسية والاجتماعية الى الدين
كاحتياج مسلمي الهند، فانهم
اذا أحيوا الاسلام فيما بينهم تعود
كثرة الوثنيين الى قلة وقلة
المسلمين الى كثرة "وانما العزة
للكاثر"، كما قال الشاعر العربي

"هذا وانه لاحياة للاسلام
الا باحياء هداية القرآن، ولا
تحيا هداية القرآن الا باحياء
اللغة العربية"

ومن حسن حظكم، ان حكومتكم
راغبة في احياء لغة دينكم، فاذا
قصرتم فيها فلاعذر لكم، عليكم
ان تحيوها في هذه المدرسة
التي هي اكبر المدارس الاسلامية
في الهند، عليكم ان تعلموها
كما تعلمون اللغة الانكليزية
بالتكلم والكتابة والقراءة،
اذا كنتم محتاجين الى اللغة الانكليزية
لاجل دنياكم، فانتم محتاجون
الى اللغة العربية لاجل دينكم،

کی اسقدر ضرورت نہیں ہے جسقدر کہ مسلمانان ہندوستان
کو ہے کیونکہ اگر وہ اپنے ملک میں اسلام کو زندہ کرینگے تو
بت پرستوں کی کثرت قلت سے اور مسلمانوں کی قلت کثرت
سے مبدل ہوجائیگی۔ اور عزت اسی کو ملتی ہے
جسکی تعداد کثیر ہو،، جیساکہ عربی شاعر نے کہا ہے

مگر تم کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ جبتک
قرآن مجید کی ہدایت کو زندہ نہ کیا جائیگا اسلام کی
زندگی ناممکن ہے۔ اور قرآن مجید کی ہدایت کا زندہ
کرنا عربی زبان کے زندہ کرنے پر منحصر ہے۔

یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہارے ملک کی گورنمنٹ
تمہاری مذہبی زبان کے زندہ کرنیکی طرف راغب ہے
پس اگر اسمیں کوتاہی کروگے تو تمہارے لیئے
کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اس
مدرسہ میں جو ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی
دار العلوم ہے عربی زبان کو زندہ کرو۔ تم کو لازم ہے
کہ تم جس طرح تکلم اور قرات و کتابت کے ذریعہ
سے انگریزی زبان کی تعلیم دیتے ہو
اسی طرح عربی زبان کی تعلیم دو۔ اگر تم اپنی دنیوی
ضرورتوں کی وجہ سے انگریزی زبان کے
محتاج ہو تو تم کو دینی اور دنیوی دونوں
قسم کی ضرورتوں کی وجہ سے عربی زبان کی

ودنياكم، فالحيوة الصورية
المادية لا تقوم وتثبت وتنمي
الا بالحيوة الادبية المعنوية، و
الاخوان الوثنيين قد سبقوكم في
جميع العلوم والاعمال الدنيوية
وهم اكثر منكم عدداً، واوفر
مدداً، فلم يبق امامكم الا قوة
دينكم تبلغون بها ما تريدون
في دنياكم واخرتكم، لانها قوة
الحق والخير وهي اكبر قوة في الكون

العزيمة وتربية الارادة

اشرت في سابق كلامي
الى ما يجب من تربية الارادة،
واحكام ملكة العزيمة، وهذا
النوع من التربية هو العزيز
النادر الذي يقل فينا من
يفكر فيه، وفي الحاجة الشديدة
اليه، وقد رأيتني مضطراً

حاجت ہے کیونکہ ظاہری اور مادی زندگی بغیر علمی
اور روحانی زندگی کے نہ قائم رہتی ہے اور نہ اُسمیں
نشوونما ہوتی ہے۔ ہندوستان کے بُت پرست
تمام دنیوی علوم وفنون اور کاروبار میں تم سے
بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی تعداد تم سے
بہت زیادہ ہے۔ وہ تم سے زیادہ دولتمند ہیں
اب تمہارے پاس سوائے دینی قوت کے
کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اُسی کے ذریعہ سے تم
دنیوی اور آخروی سعادت وفلاح حاصل کرسکتے
ہو۔ کیونکہ وہ حق اور خیر کی قوت ہے اور یہ دنیا میں
سب سے زیادہ زبردست قوت ہے۔

عزم اور تربیتِ ارادہ

میں اپنے گزشتہ بیان میں تربیت ارادہ اور
ملکۂ عزم کو مستحکم کرنے کی ضرورت کی طرف
اشارہ کرچکا ہوں۔ تربیت کی یہ قسم نہایت ہی
کمیاب ہے اور ہماری قوم میں بہت کم لوگ
ہیں جو اس کے متعلق غور وفکر کرتے
اور اس کی سخت ضرورت کو سمجھتے
ہیں۔ اب میں ہونہار طالب علموں
کے سامنے ان فرائض اور واجبات

الى التنويه به بعد تذكير الطلبة
النجباء بالواجبات التي تطالبهم
بها امتهم وملتهم، فان ضعيف
الارادة يستكبر هذه الواجبات
حتى يعدها من المحال، الذي
لا يدرك ولا ينال، واما قوي
الارادة فانه يراها من اقرب
الامور منالا، واسهلها طريقا،
وهو لا يأبي ركوب الصعاب
واقتحام العقاب، في المهامه
الطامسة الاعلام، البعيدة الارجاء
اذا ظن انه يدرك بها الامل
وينال الرجاء۔

ايها الطلبة النجباء لا يتفاضل
الناس في شئ تظهر به مزاياهم
كتفاضلهم في قوة الارادة، وما
اتى الله الانسان قوة يعلو بها
شأنه، ويظهر بها استعداده،
كقوة الارادة، بقوة الارادة
تصرف الانسان في الطبيعة
وسخر لمنافعه انواع الخليقة، و

کی یاد دہانی کے بعد جنکا مطالبہ ہماری قوم اُنسے
کر رہی ہے۔ اس تربیت کی نسبت چند الفاظ
کہنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔ کیونکہ
ضعیف الارادہ اشخاص ان واجبات کو نہایت
دشوار بلکہ ناممکن الحصول خیال کرینگے۔ مگر جسکا
ارادہ قوی ہے وہ ان کو نہایت آسان اور بالکل سہل
اور قریب الحصول سمجھے گا۔ اور ایسا اولوالعزم
شخص سختیوں کے جھیلنے مشقتوں کے برداشت
کرنے اور سنسان اور ناپیداکنار بیابانوں کو
طے کرنے میں ہرگز پس و پیش نہیں کرے گا
بشرطیکہ اس کو اس طرح پر اپنے حصول مقصد
کی امید ہو گی۔

اے ہونہار طالب علمو! افراد انسان کی باہمی
فضیلت کا کوئی معیار جس سے ان کے مراتب
کمال کا اظہار ہوتا ہو۔ قوتِ ارادہ سے بڑھ کر
نہیں ہو سکتا۔ خدا نے انسان کو کوئی قوت اسکی
شان کو اوج و رفعت بخشنے والی اور اسکی استعداد
کو ظاہر کرنے والی مثل قوتِ ارادہ کے عطا
نہیں فرمائی۔ اسی قوت کی بدولت انسان نیچر
میں تصرف کرتا اور اقسام مخلوقات کو اپنی
منفعتوں کے لیے مسخر کرتا ہے۔ اور

عمل بعض افراده من الاعمال
ما لا تعمله الامم في الاجيال، و
قد عبر بعض كبار الصوفية عن
سر الله الاعظم في ارادة الانسان
بكلمة كبيرة جدًا قد يستنكر
ظاهرها و يعد اساءة ادب مع
الباري عز و جل ولكن هذا ان
عد من لوازم الكلمة فهو
ليس مرادا لمن قالها، تلك
الكلمة الكبيرة هي قوله "ان
لله عباد[1] اذا ارادوا اراد" يعني
اصحاب الارادة اذا جزموا ارادتهم
بان كذا لابد ان يكون فان ذلك
يكون سببًا كافيًا لان يكون تتعلق
ارادة الله تعالى به، بحسب سنته
في خلقه فكان ارادتهم شعبة من
الارادة الالهية، اولئك اصحاب

اسی کی بدولت بعض اولوالعزم افراد نے ایسے
کام انجام دیئے ہیں جنکو قومیں صدیوں میں بھی
نہیں کر سکتیں۔ ایک بہت بڑے صوفی نے خداوند
تعالیٰ کے اس عظیم الشان راز کو جو انسان کے
ارادہ میں مخفی ہی ایک نہایت مہتم بالشان جملہ
میں بیان کیا ہی جسکی ظاہری شکل و صورت شاید قابل
اعتراض اور خداوند عالم کی جناب میں گستاخی اور
سوء ادبی سمجھی جائے۔ لیکن اگر یہ مفہوم اس جملے کے
لوازم میں شمار کیا جائے تاہم قائل کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے
وہ مہتم بالشان جملہ یہ ہی "بلاشبہ اللہ کے بعض بندے
ایسے ہیں کہ جب وہ ارادہ کرتے ہیں تو خدا بھی ارادہ
کرتا ہے[1]" یعنی صاحبان ارادہ جب کسی کام کی نسبت
اپنا ارادہ پختہ کر لیتے ہیں کہ وہ ایسا ہونا چاہیے تو انکا
یہ ارادہ اُس کام کے اسی طرح ہونے اور حسب قوانین فطرت
خدا کا ارادہ اُس سے متعلق ہونیکے لیے کافی سبب
بنجاتا ہی بس گویا کہ ان کا ارادہ خدا کے ارادہ کا ایک
شعبہ ہی۔ یہی وہ اولوالعزم لوگ ہیں جنکے

(١) روينا الكلمة بالسكون لاجل السجع
وهو موافق للغة ربيعة والا فالقياس ان
يقول "عبادا" ويصح ان يقول حينئذ
"ارادا" في السجعة الثانية۔

[1] اس جملہ میں ہم نے لفظ عباد کو سکون کے ساتھ
روایت کیا ہے جو قبیلہ ربیعہ کے محاورے
کے مطابق ہی لیکن قیاس یہ چاہتا ہی کہ عبادا
کہا جائے اور اس صورت میں سجع کی رعایت سے
ارادا پڑھنا چاہیے۔

العز، انهم الذين تشهد لهم اعمالهم
العظيمة ولا شهادة ابلغ من شهادة
الاعمال-

ايها الشبان النجباء! اعلموا
ان من فقد ارادته فقد نفسه
وكان آلة فى يد غيره اوتابعًا
لهوى نفسه، ولا يمكن ان يكون
رجلاً عظيمًا، ربوا ارادتكم بحملها
على ترك الهوى الباطل، وتعويدها
حمل المكاره فى سبيل الحق والخير
لتكونوا مالكين لانفسكم لا مملوكين
لها، ومن كان عاجزا عن التصرف
فى نفسه، فهو جدير بان يكون
اعجز عن غيره، ضعيف الارادة
لا يكون الا نذلا جبانًا، والجبان
لا يكون الا خائنًا او منافقًا، فعليكم
بالشجاعة والعزيمة، والنجدة
وعلو الهمة، فبغير هذه الصفات
لا تظهر مزايا الانسانية فيكم-

لا تهولنكم الواجبات التى
تطلبها الامة منكم فان الارادة

عظیم الشان اعمال انکے کمالات کی شہادت
دے رہے ہیں۔ اور اعمال کی شہادت سے زیادہ بلیغ
کوئی شہادت نہیں ہو سکتی۔

اے ہونہار نوجوانو! تم کو معلوم رہنا چاہیے
کہ جسنے اپنا ارادہ کھو دیا اُس نے اپنی ذات کو
کھو دیا۔ ایسا شخص دوسروں کے ہاتھوں میں
مثل کٹھ پتلی رہیگا یا اپنی خواہش کا غلام ہوگا۔
نا ممکن ہے کہ وہ کبھی بڑا آدمی بنجائے۔ تم کو لازم ہے
کہ باطل خواہشات کے ترک کرنے اور حقانیت اور
نیکی کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنے پر اپنے
ارادہ کی تربیت کرو۔ تاکہ تم اپنے نفس کے مالک رہو
اور اُسکے غلام نہ بنجاؤ۔ جو شخص اپنے نفس میں تصرف
کرنے سے عاجز ہوگا اسکو کسی دوسری چیز پر کیونکر
قابو حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک ضعیف الارادہ کمینہ
اور بزدل ہوتا ہے اور یہ ضروری بات ہے کہ بزدل
یا تو خائن ہوگا یا منافق ہوگا۔ تم کو بہادری اولوالعزمی
دلیری اور عالی ہمتی اختیار کرنی چاہیے۔ ان صفات کے
بغیر تمہاری ذات میں انسانی فضائل و کمالات کے
جوہر ہرگز نمایاں نہونگے۔

تم کو ان عظیم الشان فرائض اور واجبات سے
ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے جن کا مطالبہ تمہاری
قوم تم سے کر رہی ہے۔ کیونکہ سچا ارادہ

الصادقة لا يقف امامها شيءٌ
الارادة الصادقة اعظم قوة
خلقها الله فی هذه الارض ،
فلا تغفلوا عن تربيتها فی
انفسكم والاستفادة منها
فی بلادكم، وقل من صدقت
ارادته فی طلب شیءٍ ولم ينله
اللهم اذا طلبه من اسبابه،
ودخل عليه من بابه، ان
مدرستكم هذه شاهد من
اصدق الشواهد علی صحة
ما اقول، فانتم تعلمون
ان مؤسسها، السيد احمد خان
رحمه الله تعالی قد صادف
فی سبيلها المصاعب، واحتمل
المتاعب، ولولا قوة ارادته
وثباته لقضی عليها فی طفولتها
فهو بما كان عنده من العزيمة
والثبات قد غالب المصاعب
وصارعها حتی غلبها وصرعها،
ووصلت المدرسة الی الدرجة

ایسا ہی جس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔
سچا ارادہ سب سے بڑی زبردست قوت ہے جو
خداوند تعالیٰ نے اس زمین پر پیدا کی ہے۔ تم کو
اس کی تربیت سے غافل نہ رہنا چاہیے اور اپنے
ملک میں اُس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش
کرنی چاہیے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہو سکتا
ہے کہ سچا ارادہ کرنے والا کسی چیز کی تلاش میں
ناکامیاب رہا ہو۔ بشرطیکہ وہ ان اسباب
اور وسائل کو اختیار کرے جو اسکے حاصل کرنے کے
لیے ضروری ہیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسکی
صحت پر تمہارے اس مدرسہ کا وجود نہایت
سچی شہادت دے رہا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ اس
مدرسے کے بانی سر سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ نے
اس کی راہ میں کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں اور
کس قدر تکلیفات برداشت کی ہیں۔ اگر
ان کی قوت ارادہ اور ثابت قدمی نہ ہوتی
تو یہ مدرسہ اپنے عالم طفولیت ہی میں رحلت
کر جاتا۔ لیکن اُس کے بانی نے نہایت
عزم اور استقلال کے ساتھ تمام مشکلات
کا مقابلہ کیا اور ان پر غالب آیا اور یہ مدرسہ وسعت
اور عظمت کے اُس درجہ پر پہونچ گیا ہے

التي ترونها من السعة والعظمة
ويرجى لها المزيد، فهل كان يخطر
مثل هذا في بال احد من الجبناء
اصحاب الارادة المريضة في طور
تأسيس هذه المدرسة، ولو
قصد السيد احمد خان ما هو
اعلى من ذلك واعم فائدة لناله
بقوة الارادة، وقد علمتم ان
المدرسة انشئت لغرض لابد
للمسلمين في الهند منه فكانت
الطريق الموصل اليه، وان هذا
الغرض ليس هو كل المطلوب لامة
مثل امتكم هي في بلادكم على خطر
اجتماعي واقتصادي بسبق
الوثنيين لكم في العلم والثروة
والاتحاد على كثرتهم وقلتكم
انني كررت النذر وردت
الذكرى عسى ان تسمو باصحاب
الاستعداد هممهم الى تربية نفوسهم
واعدادها للخدمة امتهم وملتهم
وعدم الرضا لها بالضعة والخمول

جسکو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور مزید
ترقی اور کامیابی کی امید ہے۔ کیا مدرسہ کے قائم
کرنے کے وقت اس عظمت اور وسعت کا
خیال کسی بزدل اور ضعیف الارادہ شخص کے
دل میں گزر سکتا تھا؟ اگر سر سید احمد خان مرحوم
مغفور اس سے زیادہ اعلیٰ اور عام المنفعت
کام کا ارادہ کرتے تو اس میں بھی اپنی قوۃ ارادہ
کے ذریعہ سے کامیاب ہوتے۔ تم کو معلوم ہے کہ
یہ مدرسہ ایک خاص مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہے
جو مسلمانان ہندوستان کے لیے ضروری ہے،
اور اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے
مگر ایک ایسی قوم کے لیے جیسی کہ تمہاری قوم ہے
جو اس ملک میں تعداد کی کمی بیشی کے علاوہ علم
اور دولت اور اتحاد میں ہندوؤں کے زیادہ
ترقی کر جانے کی وجہ سے اقتصادی و اجتماعی خطرات
میں محصور ہے، صرف یہی ایک مقصد نہیں ہے بلکہ اور
بھی اغراض و مقاصد ہیں۔

میں نے عبرتوں اور نصیحتوں کو اس امید پر بار بار
دہرایا ہے کہ شاید صاحبان استعداد اپنی
ہمتوں کو اپنے نفوس کی تربیت میں مصروف
کریں۔ اور پستی اور گمنامی سے نکل کر

والقناعة بترفيه هذا الجسد
الحيواني باللباس والقوت، كونوا
قدوة صالحة لامتكم بالفضيلة
والتقوى والمحافظة على شعائر
الدين وفرائضه، كونوا مستقلين
في عقولكم وافكاركم، مستقلين
في ارادتكم، بحيث لا تخافون
في سبيل الحق والمصلحة لومة
لائم، وايّاكم والتقاليد والبدع
الغربية التي تبعد اهل ملتكم
عنكم وتبعدكم عنها، كونوا مجتمعين
لا مفترقين، كونوا مرغبين للامة
في العلوم العصرية التي تنمي الثروة
وترقي جميع مرافق البشر ومنافعهم
ولا تكونوا بسيرتكم الشخصية منفرين
لهم منها، ان المسلمين في بلادكم
كما انقسموا في كل بلاد دخل فيها
التعليم الاوربي الى ثلاثة اقسام
قسم فتن بالجديد فمقت كل القديم
وقسم جمد على القديم فهو ينفر من
كل جديد، وقسم معتدل بينهما

اور صرف اس حیوانی جسم کی ضرویات مثلاً غذا و
لباس کے مہیا کرنے پر قناعت نہ کرکے اپنی امت
اور ملت کی خدمت کے لیے آمادہ ہوں۔ تم کو
فضیلت اور پرہیزگاری اور دینی فرائض اور آداب
کی پابندی کرنے میں اپنی قوم کے لیے نیک نمونہ
بنا چاہیے۔ تمہاری عقول میں استقلال اور تمہارے
خیالات اور ارادوں میں پختگی اسقدر ہونی چاہیے
کہ حقانیت اور قومی مصلحت کی راہ میں تم کو
کسی کی ملامت کی پروا نہو۔ تم کو یورپین فیشن اور
مغربی بدعتوں سے جو تم کو قوم سے اور قوم کو
تم سے جدا کرنے والی ہیں احتراز کرنا چاہیے
تم کو مجتمع ہونا اور تفرقہ نہ ڈالنا چاہیے تم کو جدید
علوم و فنون کی طرف جو دولت ثروت کو بڑھانیوالے
اور تمام انسانی فوائد و منافع کو ترقی دینے والے ہیں
اپنی قوم کو ترغیب دینا چاہیے۔ اور اپنی سیرۃ کا
برا نمونہ پیش کرکے اِن علوم و فنون سے قوم کو
نفرت نہیں دلانا چاہیے۔ ہندوستان کے مسلمان
مثل اور تمام ممالک کے جہاں یورپین تعلیم داخل
ہوئی تین جماعتوں میں منقسم ہوگئے ہیں۔ ایک گروہ
جدید یورپین فیشن کا دلدادہ اور اولڈ فیشن کی
ہر ایک چیز سے نفرت کرتا ہے۔ اسکے برخلاف دوسرا گروہ
قدامت پرستی پر منجمد اور ہر ایک جدید چیز سے متنفر ہے

يأمرونا بالمحافظة على القديم النافع
وترك الضار منه بالتدريج
واضافة ما لابد منه من الجديد
بشرط حفظ مقومات الامة و
مشخصاتها، والحذر من فنائها
في غيرها، فكونوا من المعتدلين
الجامعين فانتم في قومكم اعرف من
غيركم بالحاجة الى هذا الجمع، وخطر
الخلاف والتفرق، واما مكم الامة
الانكليزية في سيرتها واخلاقها
عبرة لكم لا تضاهيها عبرة، انها
لا تترك شيئا من عاداتها ولا تقاليدها
ولو الى احسن منه الا اذا اضطرت
اليه فانه تأتيه بالتدريج والا
اصرت عليه كما تصر على مقاييسها
ومكاييلها ولا تتركها الى المقاييس
والمكاييل التي هي خير منها، و
العاقل من اعتبر بغيره والله الموفق
واياه اسأل ان يتم النفع بكم
لا منكم انه سميع مجيب۔

تم بقلم احقر البرايا محمد يحيى الساكن في عليگڑھ

ان دونوں کے درمیان ایک معتدل جماعت ہے
جو زمانہ قدیم کے مفید چیزوں کو باقی رکھنے اور مضر
چیزوں کو بتدریج ترک کرنے اور نئی باتیں جو ضروری
اور لابدی ہیں انکے اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے
بشرطیکہ قومی امتیازات اور خصوصیات کی حفاظت
کیجائے۔ اور قوم کو دوسری قوموں میں جذب
ہونیسے بچایا جائے۔ تم کو اس معتدل جماعت میں
ہونا چاہیے جو قدیم وجدید کو جمع کرنے والی ہے
اس جمع کرنے کی ضرورت اور نیز قومی تفرقہ واختلاف
کے خطرات سے تم اپنی قوم میں سب سے زیادہ واقف ہو۔
تمہارے سامنے انگریزی قوم باعتبار اپنے اخلاق اور اپنی سیرت
کے عبرت کا ایسا نمونہ موجود ہے جسکے برابر کوئی عبرت نہیں
ہو سکتی۔ وہ اپنی کسی عادت اور کسی رسم ورواج کو بہتر
عادت اور رواج سے بھی تبدیل نہیں کرتی مگر جبکہ
اس تبدیلی پر وہ مجبور ہو۔ ایسی حالت میں بتدریج اسکو
بدلتی ہے۔ ورنہ اسپر قائم رہتی ہے جیسا کہ اپنے اوزان
اور پیمانوں پر قائم ہے۔ انکو چھوڑ کر اس سے بہتر اوزان و
پیمانے اختیار نہیں کرتی۔ عاقل وہی ہے جو دوسروں سے
عبرت حاصل کرے۔ اور خداوند تعالی توفیق دینے والا
ہے اور میں اُسی کی جناب میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری
ذات سے تمہاری قوم کو نفع پہونچاوے، بیشک وہ سننے والا
اور قبول کرنے والا ہے۔ آمین ثم آمین۔

تقریر

حضرۃ السید الامام حکیم الاسلام السید محمد رشید رضا

مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند میں

حضرات علما کرام!

میں آپ کی اس حسن ضیافت اور مہمان نوازی اور عزت افزائی کا (جو آپنے میری کی ہی اور جو میری حیثیت سے بہت زیادہ ہی) صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نیز جو عظیم الشان اور گراں بہا خدمات آپ علم اور دین کی انجام دے رہے ہیں اُنکے لحاظ سے آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کو دیکھکر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ حضرات علمائے کرام میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین جاتا۔ ہندوستان میں آکر اس مدرسہ کی نسبت جو کچھ مینے اب تک سُنا تھا اُس سے بہت زیادہ پایا۔ شیخ انور شاہ نے جو اصول میرے سامنے بیان کیے ہیں اور جو مسلک اپنے مشائخ کا مجھے تبلایا ہی، میں اسکو پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں میں یہاں آنے سے پہلے یہ خیال کرتا تھا کہ دیوبند میں خاص فقہ حنفی کی تعلیم ہوتی ہی اور فقہ حنفی اگر اسپر عمل کیا جاسے تو بلا شبہہ کافی و وافی ہی، لیکن "استاد" نے بیان کیا کہ یہ مدرسہ ابھی اصلاح کا محتاج ہی اور یہ کہ یہاں کے

اساتذہ اصلاح کی طرف مائل ہیں۔

حضرات! اس زمانہ میں اصلاح طریقۂ تعلیم اور اشاعت اسلام مسلمانوں کی ضروریات میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔ یہ امر معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی کہ آپ اُنکی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں اور انکی طرف توجہ فرما رہے ہیں لیکن مجھے اُمید ہی کہ آپ انکی طرف پوری توجہ مبذول فرمائینگے۔

مجھے نہایت تعجب تہا کہ قدیم زمانہ کا یونانی فلسفہ (جو اب تقویم پارینہ ہوکر محض بیکار ہوگیا ہی، اور کوئی کام دین اور دنیا کا اس سے متعلق نہیں) ہندوستان کے اسلامی مدارس میں کیوں اب تک پڑہایا جاتا ہی، اور اسکے درس و تدریس میں کیوں اوقات ضایع کی جاتی ہی۔ لیکن مجھکو معلوم ہوا کہ جو مناظرات اہل سنت و الجماعت کے شیعوں سے ہوتے ہیں اُن میں اسی فلسفہ کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہی!!! مگر الحمد للہ کہ یہ ضرورت محض عارضی ہی، اور جب یہ ضرورت زائل ہو جائیگی تو ہم اُسکے ضرر سے بہی محفوظ ہو جائینگے۔

حضرات! ارشاد اور تلقین کے لیے (جو ہمارا دینی فرض ہی) ہمکو عوام کے سوال کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ عوام کالانعام جو گوناگوں جہالتوں اور طرح طرح کے مفاسد میں گرفتار ہیں، اُنسے کیونکر توقع ہو سکتی ہی کہ وہ ہدایت اور تلقین حاصل کرنے کے لیے علما کی خدمت میں حاضر ہوں اور سوال کریں؟ اسلیے ہم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خود حرکت کرکے اسلام کی ضروریات کو عوام الناس تک پہنچا دے۔ عام گذرگاہوں میں شاہراہوں میں، میلوں ٹہیلوں میں، اور لہو و لعب کے مجمعوں میں اور جہاں جہاں اس قسم کے لوگ بہ کثرت ہوتے ہیں، جائیں اور ان کو احکام اسلام کی تلقین کریں۔ مجھے یہ معلوم ہوکر بہت تعجب ہوا کہ یہاں بعض مسلمان اسلام ترک کرکے عیسائی اور بُت پرست ہو گئے ہیں۔ میرے نزدیک اسلام کو چھوڑ کر بت پرستی پر

اختیار کرنا نہایت تعجب انگیز امر ہے۔ جسکے قلب میں کچھ بھی اسلام کا اثر ہوگا وہ ہرگز عیسائی یا بُت پرست نہیں ہو سکتا۔ جہاں کہیں تھوڑا سا بھی نور موجود ہوگا وہاں تاریکی کا گذر نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح جس قلب میں کچھ بھی اسلام کا نور ہوگا وہاں کفر و بُت پرستی کی تاریکی نہیں پہونچ سکتی۔ سید جمال الدین مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان ہو کر نصرانی نہیں سکتا ہو ہاں اگر کوئی محض نام کا مسلمان ہو اور اسلام سے اُسکو کچھ لگاؤ نہو تو یہ اور بات ہی۔ ایسے نام کے مسلمان کو دہوکا اور فریب دیکر طرح طرح کی ترغیبوں اور تحریصوں کے سامان مہیا کرکے ہوشیار مشنری پھانس لیتے ہیں۔ مینے نہایت افسوس کیسا تھ سنا ہی کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جو بُت پرستوں سے اپنے آپ کو صرف اسلیے ممتاز سمجھتے ہیں کہ وہ گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ گائے کا گوشت کہانے کے سوا ان میں کوئی علامت کی موجود نہیں ہی۔

حضرات! نہایت افسوسناک امر ہی کہ غریب عام مسلمان بہیڑ بکریوں سے بھی زیادہ مہمل چھوڑ دیے گئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص انکی خبر ہی نہیں لیتا اور اُن کی حالت نہایت قابل رحم ہو رہی ہی۔ ان لوگوں کی ہدایت کا کون متکفل ہو سکتا ہی؟ آپ یا آپ جیسے علماے کرام سے امید کیجا سکتی ہی کہ ایسے مسلمانوں کی ہدایت اور تلقین کے لیے کمربستہ ہونگے اور اسکے متعلق کوئی مستقل انتظام کرینگے۔

حضرات! آپنے اپنی سادگی اور اپنے طلبہ کے زہد و تقشف کا ذکر کیا ہی۔ مرشدوں اور ہادیوں کو جو دوسروں کے لیے قدوہ اور نمونہ ہوں بالضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے، گو تمام مسلمان ایسے نہیں ہو سکتے۔ ہم نے خود بھی اپنے مدرسہ میں اس اصول کو محفوظ رکھا ہی اور داخلہ کے قواعد میں فقیروں کے لڑکوں کو دولتمندوں کے صاحبزادوں پر ترجیح دی ہی۔ یہ بات ظاہر ہی کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہی۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہی" قل[1] من حرم زینة الله التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل

[1] ترجمہ اس آیت کا اور دیگر آیات مندرجہ مضمون ہذا کا صفحہ ۱۲۹ پر درج کر دیا گیا ہی ۱۲ (رشید احمد)

ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ" اور نیز فرمایا ہے" واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء" غرضیکہ اسلام میں دولت کے لیے بھی کرامت و اجر و مرتبہ ہے، اگر وہ جائز ذرائع سے حاصل کیجاوے اور صحیح مصارف میں صرف کیجاوے' اور فقر کے لیے بھی کرامۃ و اجر و مرتبہ ہے، اگر اسکے ساتھ استغنا اور اہلیت ہو۔

حضرات! اشاعت اسلام کے اسوقت دو حصے ہیں ایک اسلام کے احکام و ہدایات کا عام مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہونگے میننے قاہرہ کے بازاروں اور قہوہ خانوں میں جاکر بذات خود اسکا تجربہ کیا ہے۔ میں اکثر قہوہ خانوں میں (جہاں زیادہ تر رند اور اوباش لوگ جمع ہوتے ہیں) جایا کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کرکے انکی سمجھ کے موافق احکام اسلام سنایا کرتا تھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسلام کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ دوسرا حصہ اسلام کی اشاعت کافروں اور بت پرستوں کے درمیان ہے۔ ہندوستان میں صدہا قسم کے بت پرست ہیں اور یہاں بتوں کے پوجنے والے، درختوں اور پتھروں کے پوجنے والے، چاند سورج اور ستاروں اور بہت لغویات اور خرافات کے پوجنے والے موجود ہیں۔ پس اگر ہمارے پاس وعاۃ اور مبلغین کی ایک مضبوط جماعت موجود ہو تو ان لوگوں میں اسلام کی اشاعت اس قدر سرعت کیساتھ ہوسکتی ہے جو اسوقت ہمارے خیال میں بھی نہیں آسکتی اور ہمکو عیسائیوں سے بہت زیادہ کامیابی ہوسکتی ہے۔ اسکے علاوہ ایک خاص بات اور ہے جو ہر ایک دور اندیش مسلمان کی توجہ کے لائق ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بمقابلہ بت پرستوں کے اسقدر قلیل ہے کہ انکی ہستی کو اس ملک میں ہمیشہ معرض خطر میں سمجھنا چاہیئے۔ انگریزی حکومت نے (جو عقل اور عدل کی حکومت ہے) بت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان موازنہ قائم

کر رکھا ہی۔ اگر خدانخواستہ یہ موازنہ کسیوقت اُٹھ جاے، تو آپ خیال فرما سکتے کہ کیا نتیجہ ہوگا غالباً مسلمانوں کا وہی حشر ہو گا جو اُنکا اندلس میں ہوا تہا۔

ایک جماعت ہم میں ایسی بھی ہونی چاہیے جو ان شبہات کو رفع کرے جو اسلام پر کیے جاتے ہیں اور خصوصاً وہ شبہات جو موجودہ زمانہ کے علوم و فنون کی بنا پر کیے جاتے ہین مگر ایسے شبہات کا رفع کرنا بغیر فلسفہ جدید کی واقفیت کے ناممکن ہی۔ اسلیے یہ ضروری ہی کہ اس جماعت کے اشخاص فلسفہ جدید کے اہم مسائل سے واقفیت رکھتے ہوں۔

مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ آپنے اس فلسفہ کو شروع کیا ہی، اور جدید فلسفہ کی ایک ابتدائی کتاب "النقش فی الحجر" کو درس میں داخل کیا ہی۔ میرے نزدیک یہ کتاب ناکافی ہی؛ اور میں آپکو ایسی کتابیں بتلاونگا جو اس سے زیادہ مفید ہونگی۔ غالباً اس امر میں آپ میرے ساتھ متفق ہونگے کہ ہمارا طریقہ تعلیم محتاج اصلاح ہی۔ طالب علموں کا بہت سا وقت تراجم اور شرح و حواشی کے مطالعہ اور لفظی بحثوں میں غارت ہو جاتا ہی اور جو اصلی مقصود ہی وہ فوت ہو جاتا ہے موجودہ طریقہ کے مطابق اول عربی زبان کی صرف و نحو پڑھائی جاتی ہی۔ حالانکہ طالب علم اُس چیز سے ناواقف ہوتا ہی جسکے اصول و قواعد کی اُسکو تعلیم دی جارہی ہی۔ صحیح اور طبعی طریقہ یہ ہی کہ عوارض سے پیشتر معروض سے واقفیت ہو بچہ کسقدر جلد اپنے ماں باپ کی زبان سیکھ لیتا ہی۔ بعض یورپین علاوہ علوم و فنون کے متعدد مشرقی زبانیں حاصل کر لیتے ہیں؛ حالانکہ بوجہ بُعد و اجنبیت یہ امر انکے لیے ہماری نسبت زیادہ مشکل ہی۔ طریقہ تعلیم کے ناقص ہونیکے علاوہ بعض درسی کتابیں بھی ناقص ہیں جنمیں بیحد ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہی۔

حضرات! مجھے افسوس ہی کہ مینے ہندوستان میں علم کو اسقدر ضعیف اور کمزور پایا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تہا۔ یہاں کوئی قدیم مدرسہ موجود نہیں ہی۔ جامع ازہر میں (جو مصر کا قدیم مدرسہ ہی) بارہ ہزار طالب علم تعلیم پا رہے ہیں جن میں اکثر مصری ہیں

اور تین لین مصری پونڈ اُسکے اوقاف کی سالانہ آمدنی ہے۔ ازہر کے علاوہ دسوق، دمیاط اور اسکندریہ میں بڑے بڑے مدرسے ہیں مگر طریقہ تعلیم ہندوستان کی طرح مصر میں بھی ناقص ہے۔ وہاں بھی متقدمین کا طریقہ تعلیم چھوڑ کر متاخرین کا طریقہ تعلیم اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت الاستاذ الامام شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ نے ازہر کے طریقہ تعلیم کی اصلاح میں بہت کوشش کی، مگر انکو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ازہر کی طرف سے مایوس ہوکر اُنہوں نے گورنمنٹ مصر سے ایک اور نیا مدرسہ جاری کرایا جسکا نام مدرسۃ القضاء الشرعی ہے۔ یہ مدرسہ بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور تھوڑی مدت میں زیادہ علوم کی تعلیم (بغیر اسکے کہ طلبا کی استعداد اور قابلیت میں کچھ کمی ہو) وہاں ہو جاتی ہے۔

حضرات! ہم دیکھتے ہیں کہ تحصیل علوم میں ہماری ہمتیں بہت پست ہوگئیں ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں جبکہ ریل اور دخانی جہاز موجود نہ تھے، علما اندلس سے تحصیل علوم کے لیے بخاری تک جاتے تھے۔ اور جو عمدہ کتاب مشرق میں تصنیف ہوتی تھی بہت تھوڑے زمانہ میں اُسکی نقلیں مغرب میں شائع ہو جاتی تھیں مگر ہماری موجودہ پست ہمتی ہمارے علمی افلاس اور تباہی کا باعث ہو رہی ہے خداوند تعالیٰ نے اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائی ہیں وہ ہم پر غیر منطبق ہیں شلاً " ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" ولکن العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا " آپکو غور کرنا چاہیے کہ جو صفات مومنین کی بیان فرمائی ہیں کیا ہم ان صفات کے ساتھ متصف ہیں؟ کیا خدا نے ہماری حالت بدل دی ہے باوجودیکہ ہم نے اُسکو نہیں بدلا ہے۔ خدا نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ یہ خود ہمارے کرتوت کا نتیجہ ہے۔ " ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر " مصر میں بھی مسلمانوں کی وہی حالت ہے جو آپ ہندوستان

ہیں دیکھ رہے ہیں۔ بہتر ہو کہ ہم اور آپ متفق ہو کر اپنے اس علمی افلاس کے دور کرنے کی کوشش کریں۔ آپ ہماری تجاویز سے واقف ہوں اور ہم آپکے قیمتی مشوروں سے فائدہ اُٹھائیں۔

حضرات! اصلاح طریقہ تعلیم کے متعلق جو خیالات مینے آپکے سُنے ہیں میں ان کو غیبی بشارت خیال کرتا ہوں۔ ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ انشاء اللہ تعالی حق غالب ہو کر رہیگا اور باطل مغلوب ہوگا "قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" "بل نقذف بالحق علی الباطل" "وکان حقا علینا نصر المؤمنین"

حضرات! آپنے بیان کیا ہی کہ ہماری جماعت ایک ضعیف جماعت ہی۔ میں اس معاملہ میں آپ سے اختلاف کرتا ہوں مگر یہ اختلاف ایسا نہیں ہی جس میں ہم کو یا آپکو مزید جرح وقدح یا تائید وتردید کی ضرورت پیش آئی۔ مجھو یقین ہی کہ آپ ہرگز ضعیف نہیں ہیں آپکے پاس ایسی زبردست قوت موجود ہی جو دنیا کی تمام قوتوں سے ٹکر کہی بلاشبہہ **قوت ایمان** اور **قوت اسلام** ایسی قوت ہی جسکا مقابلہ دنیا کی کوئی قوت نہیں کرسکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جماعت کسقدر ضعیف تہی مگر دنیا میں کسقدر عظیم الشان اصلاح اس ضعیف جماعت سے ظہور میں آئی تہی یہ جماعت صرف **قوت حق** اور **قوت ایمان** سے دنیا پر غالب ہوئی تہی۔ ہمارے طالب علم بہی ضعیف نہیں ہیں، مگر ہمکو ان میں حق کی روح پہونکنا چاہیے۔

منجملہ او رمصائب کے ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہی کہ اب ہمارے ہاں قرآن مجید کی تفسیر کی تعلیم صرف صَرف ونحو اور معانی وبیان کی تعلیم رہ گئی ہی، حالانکہ تفسیر کی تعلیم اس حیثیت سے ہونی چاہئے کہ وہ روح خداوندی اور مخلوق کے لیے ہدایت ہے۔

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ علماء مسلمانوں کے تمام طبقوں کے پیشرو

ہوں، اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان کے اخلاق قرآن مجید سے ماخوذ نہوں اسلیے میرے نزدیک نہایت ضروری معلوم ہوتا ہی کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ سیرۃ نبوی اور سیرۃ خلفائے راشدین کی تعلیم بھی دیجائے۔

(۱) اے پیغمبر کہدو کس نے حرام کی ہو اللہ کی زینت جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہو اور ستھری چیزیں کھانیکی، کہدو یہ نعمتیں مسلمانوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں اور نری انہیں کی ہونگی قیامت کے دن۔

(۲) اور اللہ ہی نے تم میں ایک دوسرے پر رزق میں برتری دی ہی، سو جنکو برتری دیگئی ہی وہ نہیں لوٹا دیتے اپنی روزی اپنے غلاموں پر کہ وہ سب روزی میں برابر ہوں۔

(۳) اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز راہ نہ دیگا۔

(۴) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہی کہ وہ بالضرور ان زمین کی خلافت (سلطنت) عطا کریگا جیسا کہ ان سے پہلوں کی خلافت عطا کی تھی اور انکے دین کو جسکو اُسنے انکے لیے پسند کیا جما کر رہیگا اور انکے خوف کے بعد انکو امن دیگا۔

(۵) جو مصیبت تم پر پڑتی ہی سو ان گناہوں کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے کیے اور اکثر سے درگذر فرماتا ہی۔

(۶) اے پیغمبر کہدو کہ دین حق آیا اور دین باطل نیست و نابود ہوا۔ بیشک باطل تو نیست و نابود ہونیوالا ہی تھا۔

(۷) ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر پس وہ باطل کا سر کچل دیتا ہی اور وہ فوراً ملیامیٹ ہوجاتا ہی۔

(۸) اور مسلمانوں کی مدد کرنا ہمپر لازم تھی۔

عريضة الشكر والترحيب

بحضرة العلامة السيد رشيد رضا
صاحب المنار التي تليت بين
يديه يوم زيارته للمدرسة
العربية الكبرى في ديوبند من قبل
اولياء المدرسة والقائمين بامرها
من انشاء العلامة الفاضل
المولوي حبيب الرحمن صاحب
نائب رئيس المدرسة۔

سپاسنامہ

جو خدام دار العلوم کی طرف سے
مولٰنا مولوی حبیب الرحمن صاحب
مددگار مہتمم نے علامہ سید رشید رضا
صاحب مصر کی خدمتمیں پیش کیا اور
مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے
اسکو اردو میں ترجمہ کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سادتنا العظام و
حضرة المولى السيد
رشيد رضا حفظكم الله

بالتحية والسلام

إكرام الضيف من واجبات الشرع
ومقتضيات المدنية والانسانية
واخلاق النبوة لاسيما اذا كان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے بزرگان انجمن و مولٰنا
سید رشید رضا اللہ تعالیٰ آپ کو
خوش و خرم زندہ و سلامت رکھے

مہمان کی مدارات ایک ایسی برگزیدہ اور پسندیدہ
خصلت ہے جو تمدن کا اقتضا انسانیت کا جوہر
شریعت کی تعلیم انبیا علیہم السلام کی عادت ہو بالخصوص

الضيف كريما عظيم الشان رفيع
القدر والمكان وان حضرتكم
أيها النبيل لما أكرمتنا بالزيارة في ذلة
دارنا وقعر بيتنا وشرفتنا
بالقدوم اداءً لحقوق الاخوة
الاسلامية واحياءً لما مضى عليه
السلف الصالح من رفع التكلفات
كان حقا علينا ان نحتفل بكم
احتفالا لائقا يليق بشانكم ايها
السميدع البارع لكن السذاجة
التي جبلنا عليها من بدء فطرتنا
وعدم تيسر الحاجات التي لا بد
منها في هذه القرية التي لم تلمم
بساحتها المدنية ولا توجد فيها
اللوازم العمرانية واسباب الثروة
والرفاهية ولما استشعرت به
قلوبنا من ان المولى على ما تنور
به قلبه من انوار العلم وتهذبت
به نفسه من اخلاق السلف الصالح
لا يعجبه ما اتخذته الامة الناشئة
ديدنا لها من تلك الترهات و

جبکہ مہمان کوئی کریم النفس عظیم الشان بلند مرتبہ شخص
ہو۔ جب کہ آپ نے ازراہ بے تکلفی محض اخلاق
اسلامیہ کے ادا کرنے اور بزرگان دین کے طریقہ
کو زندہ اور برقرار رکھنے کی غرض سے ہمارے
غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا ہمارا فرض تھا کہ ہم بھی
مہمانداری اپنے مہمان مکرم کے شایان شان وقار
جماعت کے ساتھ پر تکلف دھوم دھام سے استقبال
کرتے لیکن سادگی جس کے بدء فطرت سے ہم خوگر ہیں
اور ضروریات تکلف کا یہاں (دیوبند میں)
نہ ملنا کہ ہنوز اس قصبہ میں شہریت کی شان پیدا
نہیں ہوئی تمدن کی ضروریات خاطر داری اور
مہمان نوازی کے سامان آسائش و آرام کی چیزیں
یہاں دستیاب نہیں ہوتیں اور نیز یہ خیال
کہ چونکہ ہمارے برگزیدہ مہمان کا پاک دل علم
کے انوار سے منور اور بزرگان دین کے اخلاق
حمیدہ سے آراستہ ہے لہذا آرائش و تکلفات
مروجہ جو آج کل کے جدت پسند حضرات کا
شعار ہے اور جس کو اسلام اور پختہ کار مسلمان
پسند نہیں کرتے بالضرور ہمارے مہمان مکرم
کو پسند نہ ہوگا داعی ہوئے کہ ہم ظاہری
تکلفات کو چھوڑ کر صرف اپنے سچے دلی اخلاص

التكلفات التي يأباها الاسلام و
المسلمون دعتنا الى الاقتصار
على ما في قلوبنا من الاخلاص الصادق
والحب الخالص الايماني الذي
ربطنا ايتها الجماعة الاسلامية بعلاقة
واحدة تبقى وتقوى على بعد الديار
ومر الدهور والاعصار۔

وكل محبة في الله تبقى
على الحالين من فرج وضيق
وكل محبة فيما سواه
فكالحلفاء في لهب الحريق

فتلك الرابطة الجامعة الاسلامية
الخالصة التي لا يشوبها رياء و
لا يكدرها شوائب المطامع والاغراض
والتشبث بما جاء ان اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم
كانوا اعمقهم علما وابرهم قلبا
واقلهم تكلفا حملتنا على رفع
التكلف والعمل بالاقتصاد۔

عليك بالقصد فيما انت فاعله
ان التخلق ياتي دونه الخلق

محبت ایمانی پر اکتفا کریں کہ جس نے دنیا
بھر کے مسلمانوں کو یکجہتی کے رشتہ میں وابستہ
اور اتحاد کے سلسلے میں جکڑ کر بند کر دیا ہے
اور ایک پائدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی
شے ہے ؎

خدا کیواسطے ہی جو محبت
اُسے ہر حال میں بیشک بقا ہے
سوا اسکے ہی جو الفت جہاں میں
وہ خود غرضی کے شعلوں سے فنا ہے

پس یہ اسلامی رابطہ جس میں ریا کا شائبہ
ہے نہ کدورت کا طمع کی آمیزش ہے نہ خود
غرضی کی۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کہ
اُن میں باوصف کمال علم اور صفائی قلب کے
تکلفات کا نام و نشان بھی نہ تھا ہمارے لیے
شمع راہ ہوئی کہ ہم تکلفات سے قطع نظر کر کے
محض سادگی کے ساتھ اپنے مہمان عزیز کا
خیر مقدم کریں۔ ؎

اگر در پئے مصطفےٰ مے روی
میانہ روی بایدت ای اخی

فالمرجو من المولى الكريم الصفح والاغضاء
عن تقصيرنا والنظر الينا بعين المودة والاخاء
اذا اعتذر الصديق اليك يوما
من التقصير عذر اخ مقر
فصنه عن عتابك واعف عنه
فان الصفح شيمة كل حر
ثم ايها المولى الكريم اذا نظرنا الى مصر
نجدها قبة الاسلام ومهده وهي
ارض خضراء رفيعة المباني فسيحة
المغاني قام العلم فيها على قدم
وساق ونفقت فيها للشرف والفضائل
اسواق لم تزل ولا تزال محفوفة
باهل المعارف والحكم نشاء فيها
في كل عصر حاملوا العلم وحافظوا الملة
وان حضرتكم من بينهم العلم
المشهور الطائر صيته شرقا وغربا
والباهر فضله عجما وعربا قد سعى
في تقويم الاود وتسديد العوج و
حمل الناس على منهاج الفلاح
والسداد وتطهيرهم من وسخ
الزيغ والفساد وان ارض الهند

ہمکو سید مکرم کے الطاف کریمانہ سے اُمید ہی کہ
ہمسے جو کچھ فرو گذاشت ہوا اس سے چشم پوشی اور جو
کچھ خطا ہو اُسکو معاف فرماکر نظر عنایت و الفت سے سرفراز
فرمائینگے ؎ خطاؤنکا کرے اقرار اپنی ✤ تری خدمتمین جب کوئی خطا
کار ✤ نہونا خوش خطا کو بخشدی تو ✤ کہ ہی یہ شیوۂ احرار و ابرار ✤
اے سید مکرم آپکا وطن مالوف (مصر) سبز و شاداب و
پر رونق و پر فضا خوش منظر رفیع العمارات ہونیکے علاوہ
اسلام کا قبہ اور اسلامی دنیا کا گہوارہ ہی۔ ہمیشہ سے علم کا منظور
نظر رہا ہی۔ شرف و فضائل کی گرم بازاری نے اہل مصر کی علمی
تجارت کو نفع بخشا اور مالا مال کر دیا ہر زمانہ میں علم کے ارکان
اور ملت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے نگہبان
وہاں پیدا ہوئے ہمیشہ اہل معارف و اہل حکمت کا گنجینہ رہا اور
انشاء اللہ تعالیٰ رہیگا انہیں مصر کے اہل کمال میں سے ایک
آپکی ذات ہی کہ مشرق و مغرب میں آپکے علم کا ڈنکا بجا ہوا ہی
اور عرب و عجم میں فضل و ہنر کا شور مچا ہوا ہی آپکی ذات مقدس
قوم کی ہمدردی میں منہمک ہے اصلاح قوم کا اپنے بیڑا
اُٹھایا ہے قوم کی کج رفتاری دور کرنے میں سعی بلیغ
فرمائی ہے راستی و درستی کی ہدایت کی ہے اہل
زمانہ کو فلاح کی سڑک پر ڈالنے اور گمراہی و کجی
و فساد کے میل کچیل سے اُن کو پاک صاف کرنے
میں بیحد جد و جہد سے کام لیا ہی اور ہندوستان بلاد

على بُعْدِها من تلك البلاد الاسلامية
وقلة ما بها من الخضرة والنضارة
قد نشاء فيها الاختلاف والافتراق
وحدثت فيها اهواء واراء - ترى
اهلها احزابا متحزبين وفرقا
متخالفين يضرب بعضهم وجوه
بعض قد نكبهم ذالك الداء العضال
واذاقهم طعم الذلة والخيبة و
النكال وان بلدنا هذه التي
شرفها حضرتكم من بين بلاد
الهند كزاوية مظلمة او
كارض قفر ليس فيها دواء ولا
دواء ولا شيء يسر الناظر ويفرح
القادم -

يقينا حيارى لا نستطيع
حراكا - ولا نرفع رؤوسنا حياء
فاي شيء نتحف به حضرتكم لسماحتكم
ونكافي تلك المنة التي قلدتموها
اعناقنا -

نعم عندنا بضاعة مزجاة
من العلوم التي كسدت اسواقها

اسلامیہ سے دور پھر یہاں نہ وہ ترو تازگی نہ وہ رونق
وفضا۔ اسپر یہ طرہ کہ بدقسمتی سے آئے دن اختلاف
کی آندھیاں آتی ہیں افتراق کی بجلیاں کوندتی ہیں *
ہواپرستی وخودرائی نے ناس کردیا ہے جسے دیکھو
اپنی رائے کا متوالا جسے دیکھو اپنے خیالات کا تابع
ایک دوسرے کی آبرو کا لیوا۔ خانہ جنگی فرقہ بندی
نے جمعیت کے شیرازہ کو پریشان کردیا۔ اس مہلک
مرض نے تالب گو پہنچادیا۔ ذلت و رسوائی کا اچھی
طرح ذائقہ چکھادیا اور پھر یہ ہمارا وطن (دیوبند) جسکو
آپنے تشریف آوری کی عزت سے نوازا ہے اور
ہندوستانی آبادی میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور
اسکی مثال بعینہ اس چٹیل زمین اور تیرہ و تار گھر کی
سی ہے کہ جہاں کسی آنیوالے مہمان کو مسرت و فرحت
اور دلچسپی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔

ہم شرم سے سر نہیں اٹھا سکتے حیران و
دم بخود ہیں کہ آپکی جناب میں کیا تحفہ پیش کریں اور
کیونکر آپکے اس بار احسان سے جو آپنے ہماری
گردن پر رکھا ہے سبکدوش ہوں۔ ہاں ہمارے
پاس کچھ علوم کی پونجی ہے کہ آج اہل زمانہ کی
ناقدر شناسی سے جس کی کساد بازاری ہے
جس کی دکانیں بند ہیں جس کی بازاروں میں ہڑتال

ولم تبق منها الا الآثار الدارسة والمغانی الخالیة الخاویة لیس فیها داع ولا مجیب ولا مونس یانس به لبیب۔ نهدیها الی حضرتکم راجین ان تقع منکم موقع الرضاء والقبول ونحن بحمد الله موقنون ان الهدیة وقعت موقعها۔ فهی ضالة للمولی السید الجلیل وهو احق بها حیث وجدها۔

ایها السید الجلیل والمولی النبیل کان قد اظل علی الاسلام والمسلمین زمان کادت خیام العلوم الشرعیة ان تتقوض ومیاهها تغور ومبانیها الرفیعة السامیة الی عنان السماء ان تبور واعلامها تنکس ورسومها تطمس فقیض الله جماعة من اولیائه وخزان اسراره فادرکوا الامة المرحومة قبل ان تستاصل اصولها وتضمحل فروعها وعلموا بنور الفراسة و

ہے اللہ رے ویرانی کہ اب صرف اُسکے آثار ویران شکستہ وخالی مکانات ہو کا عالم ہیں وہاں کوئی داعی ہے نہ مجیب نہ کوئی مونس ہے نہ حبیب یہ ہدیہ خدمت عالی میں پیش ہے ہم کو خدا کے فضل سے یقین ہے کہ ہمارا یہ ہدیہ ضرور شرف قبول حاصل کریگا۔ یہ آپکی گم شدہ دولت ہے آپ اس کے مستحق ہیں اور یہ آپکا مال ہے جہاں ملے آپ کو ملے۔

اے سیّد مکرم ہندوستان میں اسلام پر ایسا پُر آشوب زمانہ آچکا ہے قریب تھا کہ علوم شرعیہ کے خیمے اُکھڑ جاتے اُن کے چشمے سوکھ جاتے انکی عالی شان آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں منہدم ہو جاتیں اُن کے جھنڈے سرنگوں ہو جاتے انکی علامتیں مٹ جاتیں۔ حق تعالےٰ شانہ کے احسان کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو کہ اُس نے اپنے اولیائے باخبر اور رازداران باصفا کی ایک جماعت کو ادھر متوجہ فرمایا خدا تعالیٰ اُن کی سعی کو مشکور فرمائے کہ انہوں نے تباہی اور استیصال سے پہلے اُمت مرحومہ کی دستگیری فرمائی۔ اس برگزیدہ جماعت نے اپنی فراست و یقین سے معلوم کرلیا تھا

اليقين ان شئون العلوم الاسلامية
ان لم تنتظم وتدخل تحت ضوابط
وقوانين ممهدة لا تكاد تبقى
زمنا يسيرا بل تفنى بفناء العلماء
الذين هم اخلاف الاسلاف
الزاكية + وكان كذلك لو لم
يتدارك الله سبحانه هذه الامة
المرحومة بفضله، فاسسوا هذه
المدرسة سنة ثلث وثمانين
بعد الف ومأتين من الهجرة النبوية
على ذمة المسلمين شرقيهم وغربيهم
فيها سواء ووضعوا لها نظاما
مرتبا وقواعد ممهدة - فمن من
اصولها حماية زمار الشرع والذب
عن الاسلام ودعوة الناس الى
المحجة البيضاء - من غير ان يتعرض
لاحد بسوء او يعنت او يجاهر
بالخلاف الا ما دعت اليه الضرورة
من اظهار الحق وتبليغ احكام الدين
فانثال اليها الطلبة من كل صقع
بعيد ومرمى سحيق وملؤا اجيوبهم

کہ اگر علوم شرعیہ کا انتظام نہ کیا گیا اور اُسکی بقاء
کے لیے کچھ قوانین وضوابط ممہد نہ کئے گئے تو ہندوستان
میں اُن کا بقا نا ممکن ہوگا بلکہ علمائے ربانیین کی
وفات کے ساتھ یہ علوم بھی مردہ اور اُن کے ساتھ
مدفون ہو جائیں گے - اور اگر اللہ سبحانہٗ اپنے
فضل سے اُمّتِ مرحومہ کی دستگیری نہ فرماتا
تو اس میں کچھ شک بھی نہ تھا کہ علم ہندوستان
سے رخصت ہو جاتا - ان بزرگوں نے سنہ ۱۲۸۳ھ
میں عام مسلمانونکی ذمہ داری پر اس مدرسہ کی
بنیاد رکھی کسی خاص قوم یا جماعت یا شہر کی تخصیص
نہیں کی بلکہ ساری دنیا کے مسلمانونکو وہی مساوی
تعلق واستحقاق ہے جو دیوبند کے مسلمان کو اور
نظام تعلیم وقواعد وضوابط ممہد کئے - اس مدرسہ
کی اصلی غرض اور مقصود یہ ہے کہ شریعت محمدی ؐ
کی پورے طور پر حفاظت اور حمایت کیجاوے
لوگونکو اسلام کے سیدھے اور روشن رستہ پر بلایا
جائے نہ کسی کی برائی کے درپے ہوں نہ کسی سے جھگڑا
کیا جائے نہ کسی سے خلاف ہو اپنے کام سے کام
ہو - ہاں اگر اظہار حق اور تبلیغ دین کی ضرورت
داعی ہو اور اس لیے کسی کا خلاف ہو جائے تو
ناچاری ہے مداہنت سے بچنا مسلمان کا فرض ہے

من جواهر العلوم وتخلقوا بآداب الشرع والاخلاق الاسلامية وانتشروا في ارض الله دعاة الى الحق وهداة للخلق ثم سلك الناس هذا السبيل فاسسوا في اكثر البلاد والقرى مدارس اسلامية كبيرة او صغيرة على منوالها فصار غصن العلم غضا طريا بعد ان كادت اعاصير الجهل والاهواء والفتن الحادثة تقلعه وبلغت المدرسة منتهى الآمال تشد اليها الرحال وتحط في ساحتها امانى الرجال قد خرجت في هذه المدة الفا وقريبا من الف من كملاء الرجال وامناء الدين وحاملي الشرع وناشري السنة ومبلغي الاسلام تدريسا وتعليما وارشادا وتلقينا ووعظا ومناظرة وتصنيفا وتاليفا۔ فالهند باقطارها الوسيعة وارجائها البعيدة بحمد الله تعالى ملائى من تلاميذها وحاملي لوائها وناشري ردائها۔ الناس في ظل من الفيوض العلمية ظليل وطرف

مدرسہ کا قایم ہونا تھا کہ دور دور سے طلبہ ٹوٹ پڑے تعلیم علوم اسلامیہ میں مصروف ہوئے جواہر علوم سے اپنی جیبیں بھر لیں علم کی دولت سے مالا مال آداب شریعت سے آراستہ ہو کر خلق خدا کی ہدایت اور حق کی طرف دعوت کرنیکے لیے دنیا میں پھیل گئے۔ یہ طرز پسندیدگی نظر سے دیکھا گیا۔ اکثر شہر قصبات دیہات میں مدارس اسلامیہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے اسی طرز پر قائم ہوئے جہالت کی آندھیاں خواہشات نفسانی کے جھونکے فتنوں کے بگولے علم کے درخت کو مضمحل کرنا چاہتے تھے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالی کی رحمت کے چھینٹوں سے درخت علم کی شاخیں ہری بھری و تازہ نظر آنے لگیں اور مدرسہ کو اپنی امیدوں میں پوری کامیابی ہوئی کہ دور دراز ملکوں سے علم کے مشتاق سفر کی زحمتیں برداشت کر کے یہاں آتے ہیں اور فائز المرام ہو کر واپس جاتے ہیں۔ خدا کے فضل سے اس مدت میں باوجود بے سروسامانی تقریباً ایکہزار فاضل امین دین متین حامل شرع و ناشر سنت مبلغ الاسلام مدرسہ نے پیدا کیے ہیں جو تدریس تعلیم ارشاد تلقین وعظ مناظرہ تصنیف تالیف افتا کی گرانقدر خدمات کو انجام دیرہے ہیں۔ ہندستان باوجود اپنی وسعت کے بحمد اللہ تعالی اس مدرسہ کے شاگردوں اور علم برداروں اور فیض رسانوں سے بھرا ہوا ہی مسلمان علمی فیوض کے گھنے سایہ میں آرام گزین ہیں تو اسلام

المعاندين عن الطموح الى حصن الشريعة
كليل۔ هذا وان مؤسسها وبانيها
حضرت الامام مجدد الملة البيضاء
وحامل لواء الشريعة الغراء مولنا
محمد قاسم ورئيسها الاول
من بعده الحامي عن حوزتها
حضرت الشيخ المحدث الناقد
الفقيه المجتهد امام الشريعة و
الطريقة مولنا رشيد احمد
قدس الله اسرارهما كان من
مقاصدهما حماية الدين والمحافظة
على الاسلام من اي طريق دعت
اليه الحاجة لكن تقوية جناح العلم
وتكثير حملته الذين ببقائهم تبقى
روح الدين كان مقدما على كل امر
واهم من كل مهم فافرغوا جهدهم
اولاً في تنظيم شئونها وتكميل
نظامها واحكام اصولها وترصيص
قواعدها وحين ما فازت المدرسة
بمرادها توجه اركانها الى تكميل
المدارج الاخر ووضعوا درجة

کے دشمن حصن شریعت کی طرف نظر اٹھانیسے معذور ہ
یہ سب کچھ اسوجہ سے ہوا کہ مدرسہ کے مقدس بانی و مؤسس
حضرت امام مجدد ملت بیضا و حامل لوائے شریعت غراء
مولنا مولوی محمد قاسم صاحب اور اسکے مربی سرپرست
نگہبان حضرت شیخ محدث ناقد فقیہ مجتہد امام
شریعت و طریقت مولنا مولوی رشید احمد صاحب
قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کی غرض اور مقصود گو یہ
تھا کہ دین کی حمایت اسلام کی حفاظت جس طرح
بھی حاجت داعی ہو کیجاوے۔ لیکن علم کے
بازو کی تقویت اور جماعت علماء کا ابقا کہ جن کی
بقا پر مذہب کی روح کا بقا موقوف و منحصر ہے
اصلی غرض اور اہم مقصود تھا لہذا اوّلاً انہوں
نے مدرسہ کے قواعد و ضوابط کے استحکام اصول
کی مضبوطی نظامات تعلیم وغیرہ کی تکمیل کی طرف
توجہ اور کوشش بلیغ فرمائی اور جب یہ امور مکمل
ہوگئے اور مدرسہ اپنی مراد کو پہونچ گیا تو مدرسہ
کے ارکین نے دوسرے مدارج کی تکمیل
کی طرف توجہ فرمائی اور مدرسہ میں درجہ
تکمیل مقرر کیا کہ طالب علم بعد تکمیل نصاب
درسی و تحصیل سند فضیلت درجہ تکمیل
میں ترقی کرے اور فنون ضروریہ میں طولیٰ

عليا تسمى درجة التكميل يترقى فيه
الطالب بعد تكميل النصاب الدرسي
الى الفنون العالية الضرورية و
القوا جمعية تسمى (جمعية) الانصار
وهي جمعية للطلبة المتخرجين من
هذه المدرسة من اهم اغراضها
ومقاصدها تعميم فيوض المدرسة
العالية وبث الاحكام الشرعية في
طبقة العوام والمدافعة عن حوزة
الاسلام فقسموها شعبا - ولجانا
بعضها للتاليف والتصنيف ونشر
العلوم والمعارف وبعضها لارشاد
الخلق وهدايتهم الى الحق وصونهم
عن تطاول ايدى المضلين وارسال
الوعاظ والمناظرين ولنشر الاسلام
فى البلاد الاجنبية وبعضها لتعليم
العلوم الدينية للذين اتموا العلوم
العصرية الجديدة باعطائهم
الوظائف الباهظة ونصيبهم و
تعيين ابناء المدرسين فى مدارس
الحكومة ليعلموا المسلمين احكام الدين

حاصل کرے اور ایک انجمن منعقد کی
جس کا نام جمعیۃ الانصار ہے یہ اس
مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی انجمن ہے
اس انجمن کا اصل اصول مدرسہ کی فیوض
و برکات کو پھیلانا احکام شرعیہ کو عوام
کے طبقہ میں پختگی کے ساتھ پہونچانا اسلام
کی حفاظت معاونین و مخالفین کی مدافعت
کما ینبغی کرنا ہے اس انجمن کے چند شعبے
ہیں۔ دینی رسائل وکتب کی تالیف و
تصنیف اور گمراہوں کے چنگل عوام اہل
اسلام کی حفاظت کرنا۔ واعظین ومناظرین
مقرر کرنا دوسرے ملکوں میں اسلام کی
اشاعت کرنا انگریزی داں فاضلوں
(الف اے۔ بی اے۔ ایم اے)
کو بڑے بڑے وظائف دیکر دینیات
کی تعلیم دینا سرکاری مدارس میں مسلمان
طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے مدرسین مقرر کرنا
دیہات میں مکتب قایم کرنا
وغیرہ ذالک۔
لیکن ان مقاصد
عالیہ

وفرائضه وآدابه وانشاء الكتاتيب
والمدارس في القرى والكور التي
تحتاج الى ذلك وغير ذلك من
الامور المهمة والمقاصد الرفيعة
لكنّ هذه المقاصد العالية لاتنال
في اسرع وقت وايسر سعي فانه لابد
لتكميلها من اموال طائلة ومساعٍ
جليلة والمسلمون في هذا الوقت
غافلون عن مهمات دينهم والله
ميسر كل عسير۔

ايها السيد العظيم والمولى النبيل
ليست هذه الجماعة التي تراها على
الزي القديم في ثياب خلقة
ليس عليها سمة الارتقاء ولا ابهة
الرفعة والعلاء جماعة متعصبة
يمنعها ضيق الصدر عن كل ما
تحتاج اليه الملة الاسلامية ولا
جاهلة بمهمات الاسلام والمسلمين
وليس فيها شئ من الهمجية كما
يظنه العوام والذين ليس عندهم علم
بحقيقة الحال ولكنها ما ترى التصلب

میں جلد اور معمولی سعی سے کامیابی نہیں ہو سکتی
ان میں کامیابی کے لیے بہت سا روپیہ
سعی بلیغ نہایت ممتد وقت درکار ہے اور
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان
ضروریات دین سے غافل ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ
ہر مشکل کو آسان فرمانے والا ہے۔

اے سید مکرّم یہ جماعت جس کو آپ
پُرانی وضع پھٹے پرانے لباس میں ملاحظہ
فرما رہے ہیں۔ اور جن پر امیری اور دولتمندی
کا کوئی اثر نہیں ہے ایسی تنگ خیال نہیں ہے
کہ دین و مذہب کی ضروریات کے پورا کرنے
میں اُس کو اُسکا تصلّب مانع ہو اسلام
کی ضروریات اور مسلمانوں کی دینی و
دنیوی مہمات سے ہم غافل نہیں ہیں نہ ہم
کاہل اور نکمے تدبیر معاش سے ناآشنا ہیں۔
جیسا کہ عوام اور ناداں دوستوں نے
ہم کو خیال کر رکھا ہے ہاں دین میں پختہ
کاری کو ہم اپنا فرض مذہبی سمجھتے ہیں اور
مداہنت کو برا جانتے ہیں اصول اسلام
و مسائل دین کے مذاق اوڑانے کو ہم
گناہ کبیرہ اور سم قاتل خیال کرتے ہیں

في الدين من اهم الفرائض و تعلم ان المداهنة
في الدين تهدمه وان الاستهزاء و
السخرية بركن من اركانه تزلزل بنيانه
وتستاصل قواعده وتعلم ان من يسعى
حول الحمى يوشك ان يقع فيه وينتهك
المحارم ونحن على يقين من ان بقاء ملة
الاسلام ببقاء اصولها وعقائدها الحقة
التي مضى عليه سلف الامة وخلفها.
وكلما ازداد تمسك الناس بهذه
الاصول ازدادت لهم ذرائع الكسب
اتسعت طرق المعاش وتذلل لهم سلم
الرقي الديني والدنيوي وانقادت لهم
العلوم العصرية والفنون الصناعية
فالحاصل نحن نرى ان الملة الاسلامية
لابد لبقاءها من امرين الامر الاول ان
تكون فيها جماعة يحفظون الدين و
يبلغون الشريعة الى جميع الطبقات
من المسلمين شغلهم في التعليم و
الارشاد والسهر في مطالعة العلوم
وحل عويصات المسائل القيام
بحق الله تعالى تلاوة وصلوة ذكرا و

بلا شبہ ایسی گستاخیوں سے قصر دین میں
زلزلہ آجاتا ہے اور مذہب کا مستحکم قلعہ
منہدم ہوجاتا ہے۔ شاہی چراگاہ کے پیچھے
بکریاں چرانے کو ہم روا نہیں رکھتے ہیں
خوف ہے کہ مبادا کوئی بکری اس چراگاہ
میں داخل ہو جائے اس لیے محارم
خداوندی سے پرحذر رہنا ہمارا اوّلین فرض
اور روشن عقیدہ ہے۔ اور ہم کو یقین ہے
کہ بزرگان دین اور سلف صالحین کے
پختہ اصول اور سچے عقاید کی پیروی میں
بقائے مذہب اسلام منحصر ہے۔ جبتک
مسلمان ان محکم اصول کے پابند رہینگے
ذرایع کسب معاش اور دینی ترقیوں کے
زینے اُن کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔
الحاصل ہمارے نزدیک بقاء ملت
اسلامیہ دو باتوں پر موقوف ہے۔ اوّل یہ
کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کی ضرورت
ہے کہ جو مذہب کی خدمت گزار ہو عوام الناس
کو احکام شریعت پہونچائے دنرات تعلیم
و ارشاد میں مشغول رہے خدمت علوم دینیہ
اور عبادت الٰہی میں اپنے آپکو وقف کردے

فکروا هذه الجماعة هي عماد الاسلام ان
فقدت فقد الاسلام وان ضعفت
ضعف الاسلام والامر الثاني ان يكون
طبقة العوام المشتغلين بامور المعاش
عالمين باصول دينهم عاملين باركانه
لا يشغلهم طلب الدنيا والانهماك
في العلوم العصرية عن الفرائض والحقوق
فان استقام الامران استقام الاسلام
وزال ما بالمسلمين من عوج وضعف
وقد كان الصدر الاول ومن بعدهم
من القرون الصالحة على هذا المنوال
فجمعية الانصار بحمد الله تعالى
تريد ان تتكفل بجميع ما لا بد للمسلمين
منه في امر دينهم لكن ثبت لنا من
التجربة في بلاد الهند ان قلوب العامة
فسدت بحب الزخارف المادية
وطمحت انظارهم الى ما يرونه من
الاضواء الحادثة فهم يتاثرون بها
سريعًا ويغلبون حب الدنيا على الدين
فلا ترى احدا يرجح الدين على الدنيا
الا الشاذ النادر وبناءً على هذا

جماعت اسلام کا ستون ہے اور اس کے
عدم و وجود پر اسلام کا عدم و وجود منحصر ہے
دوم یہ کہ ہمارے عوام اور جو حضرات کسب
معاش اور تحصیل علوم مروجہ میں مصروف ہیں
وہ دین سے واقف ہوں ارکان اسلام
پر عامل ہوں دنیا کی طلب اور علوم مروجہ
کی دھن اُن کو فرائض و حقوق مذہبی اسے
ناآشنا اور غافل نہ کردے۔ اگر یہ
دونوں باتیں درست ہو جائیں تو اسلام کا
ضعف اور جو نقائص ہماری غفلت کی بدولت
پائے جاتے ہیں رفع ہو جائیں قرون اولی
اور اُسکے بعد قرون صالحہ کے بزرگوں کا یہی طریقہ
تھا۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ جمعیۃ الانصار نے یہ
ارادہ کرلیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی ضروریات
اور اسلامی مہمات کے کفیل ہو۔ مگر چونکہ ہندستان
میں تجربہ سے ہمکو یہ بات خوب ثابت ہو چکی ہے
کہ عام مسلمانونکے دل دنیا کی ظاہری بناؤ سنگھار
پر فدا و شیدا ہیں اور انکی آنکھیں نئی روشنی پر
فریفتہ ہیں اور دنیا کی ان تیز چھریوں سے دین
کے نورانی چہرہ کو زخمی کردیا ہے آہ ایسا
تو کوئی شاذ و نادر ہی ملیگا جسنے دین کو دنیا پر

صممت الجمعية على ان تجد وتسعى
في تكميل ما ينقص من دار العلوم من
شعب التعليم وانواع العلوم ووضع
نظام للتدريس والعلوم فيها تبقى به
مصئونة عن ما يكدر مولدها
او يجرها الى ما هو ليس من مقاصدها
او يبدل هيئتها فيستعمل فيها العلوم
الدنيوية على العلوم الدينية وتتغلب
العلوم العصرية على العلوم القومية و
تعري طلبتها عن حلية الدين وسمة
التدين التي هما من مزايا طلاب
هذه المدرسة ومن الصفات الضرورية
لجميع طلبة العلم۔
هذا مجمل احوال المدرسة ومقاصدها
التي تسعى الينا بكل عزم ونشاط احب
السيد الجليل ان يقف على تفصيل
هذا الاجمال يجده مسطورا في قانون
جمعية الانصار ونظام جمعية قاسم
المعارف في السند وغيرهما من
التقارير السنوية لدار العلم وفروعها
مما قدم جمعيه الى سيادتكم لتطالعوه

اختیار کیا ہو۔ لہذا اراکین جمعیۃ الانصار نے
یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ دار العلوم تعلیمی ترقیات
میں کامیابی حاصل کرے مگر اس کی قدیم وضع اسلامی
طرز قاسمی شان رشیدی انداز بحال خود باقی
رہیں اس میں کسی ایسے امر کی آمیزش نہونے پائے
کہ علوم دینیہ خدانخواستہ مغلوب اور علوم
مروجہ دنیاویہ غالب ہو جائیں اور بقدر
وسع یہ کوشش کیجائے کہ دار العلوم کے طلبہ
کے چہروں سے دینداری و تقویٰ شعاری
ظاہر ہو جو دار العلوم کے امتیازات
میں سے اوّلیں امتیاز ہے۔

یہ جمعیۃ الانصار کے مقاصد کا اجمالی بیان
ہے اور اگر جناب اس اجمال کی تفصیل سے
واقف ہونا چاہیں تو وہ مدرسہ کے سالانہ
رودادوں اور مقاصد جمعیۃ الانصار و قواعد
قاسم المعارف سندھ مطبوعہ میں موجود ہے
جو کہ جناب کی خدمت میں پیش کئے گئے
اور اگر زیادہ وضاحت کی ضرورت سمجھی جائے
تو مولانا محمد عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار
مفصل و مشرح بیان فرما سکتے ہیں۔

عند الفرصة وسيشرح ذلك لكم
شفاهيا المولوي عبيد الله رئيس
جمعية الانصار - ولا يخفى على الشيخ
الجليل ان اعظم مصيبة صبت
على الاسلام وادهى داهية ادركت
المسلمين هي افة علماء السوء وافة
علماء الدنيا - ان العلماء في الاسلام
كالقلب في الجسد - اذا فسد القلب
فسد الجسد كله لا نطلب العلم
للدين بل نطلبه للدنيا ولا نجعله
وسيلة لهداية الخلق وارشاد العباد
بل ذريعة الى حطام الدنيا وجلب
الدراهم والدنانير نختل الدنيا
بالدين فكما ان العلماء ان استقاموا
هم اساتين الدين ونجوم الهدى
كذلك ان اغواهم حبائل الشيطان
واعلام الغواية -
نشكو جور الاخوان وتغير الزمان
وذلة العلم وعزة الجهل لكن كل ذلك
علينا من انفسنا لو كنا نقدر العلم حق
قدره ونصون وجهه عن ذلة الطمع

آئے سید مکرم سب سے بڑی مصیبت جو اسلام
پر پڑی ہے اور سب سے بڑا حادثہ جس نے مسلمانوں
کا ناک میں کر دیا ہے فریبی اور دنیا دار علماء کی
خرابیاں ہیں علماء اسلام کے لیے بمنزلہ دل
ہیں جب دل نکما اور خراب ہو گیا تو جسم کیونکر
سالم رہ سکتا ہے۔ ہم علم کو دین کے لیے
طلب نہیں کرتے بلکہ دنیا کے لیے طلب
کرتے ہیں۔ ہم علم کو ہدایت و ارشاد خلق
وسیلہ نہیں بناتے بلکہ دولت دنیا کے حصول
کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ علماء اگر دین پر استقامت
اختیار کریں تو وہ دین کے ستون اور ہدایت
کے ستارے ہیں اور اگر وہ گمراہی اختیار کریں
تو وہ شیطان کے جال اور گمراہی کے
نشان ہیں۔
بھائیوں کی ناعاقبت اندیشی زمانہ کی
گردش علم کی ذلت جہل کی عزت کا شکوہ
کس سے کریں۔ ہائے اگر ہم علم کی قدر دانی
کرتے اور اس کے پاکیزہ چہرہ کو طمع اور
سوال کے غبار سے آلودہ نہ کرتے تو آج
ہم سردار ہوتے دنیا خود ہماری مطیع ہوتی
مگر افسوس کیا کیجئے ہمنے دین کو بدلا ہم خود

والسؤال لكنا ملوكاً تزف الينا الدنيا لكن غيرنا فغير ما بنا فسبحان الذي يغير ولا يتغير

ولنعم ما قال القائل ما ابره وما اصدقه

ولم اقض حق العلم ان كنت كلما
بدا طمع صيرته لي سلما

ولم ابتذل في خدمة العلم مهجتي
لاخدم من لاقيت لكن لاخدما

أأشقى به غرسا واجنيه ذلة
اذاً فاتباع الجهل قد كان اسلما

فان قلت زند العلم كاب فانما
كبا حين لم نحرس حماه واظلما

ولو ان اهل العلم صانوه صانهم
ولو عظموه في النفوس لعظما

ولكن اهانوه فهانوا ودنسوا
محياه بالاطماع حتى تجهما

فالمرجو من حضرة الشيخ ان يدعو لنا ولطلبة دار العلوم ان يجعلنا الله من المخلصين الطالبين لرضاه الساعين في مرضاته المجاهدين في خدمة دينه الباذلين جهدهم في نفع المسلمين

والله ولي التوفيق وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

بدل گئے اور ذلیل ہوئے پاک ہے وہ ذات کہ تغیر پر قادر ہے اور خود تغیر سے منزہ ہے

کیا اچھا اور سچا کلام ہے کسی عربی شاعر کا جسکا ماحصل اردو نظم میں ہدیہ ناظرین ہے

(۱) گر طمع و آز کو جب حملہ آور پائیں ہم ✻ ہے مناسب علم کے زینہ پہ تیس چڑھ جائیں ہم

(۲) علم سیکھا تا کہ مخدوم جہاں کہلائیں ہم
خوب گلچھرے اڑائیں کھائیں اور غرائیں ہم
چاہیئے تھا قوم کی خدمت گذاری کے لیے
علم حاصل کر کے قربان قوم پر ہو جائیں ہم

(۳) کیا شقاوت ہے کہ نخل علم سے غربت کے پھل
ہم نہ کھائیں ڈوب جائیں مونھہ نہ پس دکھلائیں ہم
اتباع جہل اسلم تھا ہمارے واسطے
جبکہ پھل ذلت کے نخل علم دیں سے کھائیں ہم

(۴) علم کا چقماق ہے ناکس تو ہو کیونکر بھلا
جب حقوق اسکے ادا کرنے سے کترا جائیں ہم

(۵) گر بچائیں علم کو ہم دستبرد طمع سے
آپ پھر دیکھیں کہ کیسے کیسے رتبے پائیں ہم
عزتیں دنیا و دیں کی ہمکو حاصل ہوں ضرور
علم دیں کے ساتھ گر تعظیم سے پیش آئیں ہم

(۶) کی اہانت علم کی دنیا میں رسوا ہو گئے
کاش اس غفلت شعاری پر ذرا شرمائیں ہم
علم کے چہرہ پہ ڈالی خاک دست طمع نے
ہائے وہ ناخوش ہوا اب ڈوبکر مر جائیں ہم

اب میں اس سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں اور ملتجی ہوں کہ آپ ہمارے لیے اور دار العلوم کے طلبہ کیلیے اللہ تعالی سے دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمکو اخلاص نصیب کرے تو اسکی رضا اور خوشنودی میں گرم رہیں اسکے دین کی خدمتگذاری کو سرمایہ حیات سمجھیں اور مسلمانوں کی نفع رسانی میں اپنے مساعی کو واقف کر دیں والسلام